U0543 P -14-1-10

Title — BALAAGH-E-MUBEEN.

Creator - Mohd. Hifzur Rehman.

Publisher - Khwaja Press (Delhi) maybe.

Date —

Pages - 296.

Subjects -

وما علینا الا البلاغ المبین

بلاغ مبین

یعنی

مکاتیب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

از

محمد حفظ الرحمن سیوہاروی

فہرست مضامین

قیمت ۹/ عہ

تعارُف

از

جناب مولانا مولوی سعید احمد صاحب فاضلِ دیوبند مولوی فاضل، بی اے۔ پروفیسر
علومِ شرقیہ کالج فتحپوری دہلی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔ اَمَّا بَعْد

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ پاکیزہ سے متعلق صدہا مصنفینِ اسلام نے قابلِ قدر تصانیف لکھی ہیں، اور اس کثرت سے لکھی ہیں کہ آج تک کسی علمی یا ادبی موضوع پر اس قدر سیر حاصل کتابیں تصنیف نہیں کی گئیں۔ سیرتِ مقدسہ کی ان کتابوں میں مصنفین نے جہاں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے مختلف گوشوں پر پوری شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ اسی کے ذیل میں انھوں نے آپ کے اُن فرامین و مکاتیبِ عالیہ کا بھی ذکر کیا ہے، جو مختلف حالات کے زیر اثر دنیا کے مختلف حصّوں میں ارسال کئے گئے۔ سیرتِ مقدسہ کی کوئی تصنیف ان مکاتیبِ عالیہ کے ذکر سے خالی نہیں ہے۔ اور اُن میں خطوط سے متعلق دوسرے حالات بھی کسی قدر تفصیل کے ساتھ ملسکتے ہیں! لیکن یہ کہنا غالباً مبالغہ سے یکسر خالی ہے کہ اردو میں آج تک کوئی کتاب ایسی تصنیف نہیں کیگئی جس کا موضوعِ واحد صرف ان فرامینِ مقدسہ کی جمع و ترتیب اور اُن سے متعلق بیش قیمت تاریخی حوالجات و اسانید کا پوری محنت و جاں کاہی کے ساتھ بہم پہنچانا ہو۔ جو خالص تبلیغِ اسلام کی غرض سے لکھے گئے ہیں، اور اس سلسلہ میں جو اہم حدیثی و تاریخی اشکالات پیدا ہو جاتے ہیں اُن کو ایسے پسندیدہ اسلوب اور وسیع النظری کے ساتھ رفع کیا گیا ہو کہ تاریخی بیانات اور آثار و روایات میں کوئی تناقض باقی نہ رہتا ہو۔

مقامِ شکر ہے کہ محترم بھائی حضرت مولانا ابوالقاسم محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی جو اپنی متعدد تصانیف کے باعث ہندوستان کی علمی دنیا میں اچھی طرح روشناس ہو چکے ہیں۔ آپ نے اس اہم ضرورت کیطرف توجہ فرمائی۔ چنانچہ اب آپ ایک مدت کی محنت و کاوش کے بعد پیشِ نظر کتاب جو اپنی نوعیت میں یقیناً بے مثل ہے، ملک و قوم کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ قارئینِ کرام اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اس حقیقت کا خود اقرار کرینگے کہ اس میں موضوعِ کتاب کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو تشنۂ تحقیق رہگیا ہو۔ اور جرح ونقدِ روایات کا کوئی اسلوب ایسا نہیں ہے جس سے اس کتاب میں کام نہ لیا گیا ہو۔ موضوعِ تصنیف کے سلسلہ میں آپ کو جہاں کہیں کوئی مواد ملسکتا تھا آپ نے اُس کے حاصل کرنے میں کوتاہی نہیں کی مختلف فنون و علوم کی وہ تمام مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتابیں جو آپ مہیا کر سکتے تھے اور جن سے کسی حد تک بھی اس موضوع کی تحقیق میں مدد ملسکتی تھی وہ سب اس کتاب کی تصنیف کے وقت آپ کے پیشِ نظر رہی ہیں۔ اس بنا پر بے خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ زندقہ و الحاد کے اس ہولناک دور میں فرامینِ نبوی سے متعلق ایک ایسی کتاب کا شائع کرنا جو اس سلسلہ کی تمام علمی و تاریخی مباحث پر مشتمل ہو۔ اور جس کے مقدمہ میں تبلیغ کے اصول و طرق سے مفصّل بحث کی گئی ہو یقیناً علم و مذہب کی ایک عظیم الشان خدمت ہے۔ فجزاہ اللہ عنّا وعن سائر المسلمین۔

کتاب تین حصوں پر منقسم ہے۔ پہلے حصّہ کا نام "اصولِ تبلیغ" ہے۔ آپ نے اس میں بتایا ہے کہ دین کی نشر و اشاعت اور کلمۂ حق کے اعلاء حقیقی کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اور اسلام نے اس کے لئے کیا اصول وضع کئے ہیں، اس ذیل میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عہدِ حاضر میں مناظرہ کا جو طریقہ مروج ہے اور جس کو بالعموم مذہب کی ایک بڑی خدمت سمجھا جاتا ہے وہ کس حد تک اسلام کے مقرر کئے ہوئے اصولِ تبلیغ کی روشنی میں شرعی اور درست کہا جا سکتا ہے؟ فاضل مصنف نے موجودہ طرقِ تبلیغ کی تحلیل کرنے کے بعد بتایا ہے کہ ان میں سے اکثر و بیشتر بلکہ سب طریقے غیر مسلم جماعتوں کے اختراعِ ذہنی کا نتیجہ ہیں۔ اور یہ محض اس لئے اختراع کئے گئے تھے کہ وہ دوسرے مذاہب اور اُن کے پیشواؤں کی تحقیر کر کے خود

اپنے مذاہب کے لئے پردہ پوشی کا سامان کرسکیں۔ اور دوسروں کو اس کا موقعہ نہ دیں کہ وہ اُن کے مذہب باطل کی غلط تعلیمات کی طرف متوجہ ہو کر اُس کے عیوب کو آشکارا کرسکیں۔

دوسرا حصّہ: فرامینِ سید المرسلین کے عنوان سے موسوم ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن فرامین مقدسہ کو جمع کیا گیا ہے جو آپ نے دنیا کے مختلف بادشاہوں کے نام روانہ فرمائے تھے اور اِن فرامین کے ساتھ اِن سے متعلق تاریخی و حدیثی حالات کو بیان کیا گیا ہے۔ کتاب کا یہ حصّہ بہت زیادہ مہتم بالشّان ہے۔ یہ حصّہ اول سے آخر تک حضرتِ مصنف کی وسیع النظری۔ دقیقہ رسی۔ اور مہارتِ علمی کا شاہدِ عدل ہے۔

تیسرا حصّہ نتائج و عبر کے نام سے موسوم ہے اس میں وہ تمام معرکۃ الآرا مباحث ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام اور پھر سلاطینِ عالم جن کے نام یہ فرامین ارسال کئے گئے تھے۔ اُن کے اس دعوتِ نبوت کو قبول یا انکار کرنے سے پیدا ہو گئے ہیں۔ تبلیغ کا مفہوم۔ جہاد کی حقیقت۔ اُس کے اصول و اسباب۔ قتلِ مرتد۔ تکفیر اہلِ قبلہ۔ جزیہ کی تعریف۔ اسلام اور اُس کا نظامِ اسلام کا دوسرے مذاہب پر تفوق و امتیاز۔ اَسْلِمْ تَسْلَمْ کا مطلب۔ یہ سب وہ قابلِ قدر اور مشکل بحثیں ہیں جن کو عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں پوری شرح و بسط کے ساتھ کتاب کے اس اخیر حصّہ میں محققانہ رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔

دعا ہے کہ ملّتِ اسلام کے ایک فاضل و محقق فرزند کی یہ مذہبی عظیم الشّان خدمت بارِ قبول پائے اور حق تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے متمتع ہونے کی توفیق اور فاضل مصنف کو اجرِ جزیل و ثوابِ عظیم مرحمت فرمائے۔ آمین۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

سعید احمد اکبرآبادی

د

اُصُولِ تبلیغ

حِصّہ اوّل

مطبوعہ خواجہ پریس دہلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّ

دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔

(احزاب ۱)

ترجمہ

اے نبی ہم نے بے شک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ مومنین کو بشارت دینے والے ہیں اور کفار کو ڈرانے والے ہیں اور سب کو اللہ کی طرف اُس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ

بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ

اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (نحل)

ترجمہ

آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعے سے بلائیے اور اُن کیساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔ آپ کا رب خوب جانتا ہے اُس شخص کو بھی جو اُس کے راستے سے گم ہوا اور وہی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

طلوع آفتاب نبوت

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (صف)

اور وہ وقت یاد کر جبکہ عیسیٰ بن مریم نے فرمایا اے بنی اسرائیل میں خدا کا رسول ہوں اور تمہارے لئے توریت کی تصدیق کرنے والا اور اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت سنانے والا ہوں جس کا نام احمد ہے۔

تقریباً چھ سو برس ہوئے کہ نبوّت عیسوی کا دور گذر گیا، دنیا میں بسنے والی مخلوق نورِ نبوت اور فیضانِ رسالت سے محروم ہو چکی، جہالت و ضلالت کے تاریک بادل تہ بتہ جمع ہوتے اور شرک و کفر کی بارش برساجاتے ہیں، کسی قوم یا کسی خاندان، کسی ملک یا کسی سرزمین کی تخصیص نہیں، عجم ہو یا عرب، مشرق ہو یا مغرب، کائنات کا ذرّہ، ذرّہ خوابِ غفلت میں سرشار، اور پردۂ ظلمت میں مستور ہے، بھائی سے بھائی کو محبت ہے نہ باپ کو بیٹے سے، شکل و صورت میں اگرچہ انسان ہیں، مگر خصائل و شمائل حیوانوں سے بھی بدتر، اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ[۱] سرزمینِ عرب، لات و عزّیٰ اور نائلہ و ہبل پر فدا تھی تو عجم کے بسنے والے

۱۔ یہ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔ ۱۲

مہادیو اور کرشن کی مورتیوں کے پجاری، آگ کے پرستار، اور شمس و قمر یا اہرمن و یزدان کے والہ و شیدا!

غرض ربع مسکوں کا چپّہ چپّہ خدائے واحد، مالکِ حقیقی، کو فراموش کر کے خود ساختہ اصنام پرستی میں مصروف و منہمک تھا،

تقدیسِ الٰہی کا وہ خاص مقام "جو وادیٔ غیر ذی زرع یعنی بن کھیتی کی سرزمین میں "کعبہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور رحمتِ الٰہی کا وہ گہوارہ جس کی بنیاد ابراہیم و اسمٰعیل (علیہما السلام) جیسے معماروں کے مقدس ہاتھوں سے رکھی گئی،، دنیا کے بتکدوں میں سب سے بڑا اور عظیم الشان بتکدہ مانا جاتا تھا۔ یکایک خدائے قدوس کے جلال و جبروت اور غیرت کو حرکت ہوئی۔ اور وقت آپہونچا کہ ظلمت کدوں کی ظلمت مٹ جائے بتکدوں کے بت فنا ہو جائیں، آتشکدوں کی آتش بجھ جائے، اور کرۂ عالم کا گوشہ گوشہ نورِ نبوّت اور آفتاب رسالت کی بے پایاں روشنی سے منور ہو جائے، یا یہ کہئے کہ دعائے خلیل اور بشارتِ عیسیٰ (علیہما الصلوٰۃ السلام) کی قبولیت و اجابت کی تکمیل کا وقت آگیا۔

۹ ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کی صبح وہ صبح سعادت تھی جس میں آفتاب رسالت نے پہلوئے آمنہ سے ہویدا ہو کر ظلمتکدۂ عالم کو بقعۂ نور بنا دیا، اور اس کی رحمت بھری شعاعوں نے کفر و ضلالت کی تاریکیوں کے تمام پردے چاک کر دیتے۔

وحیٔ الٰہی کا نورِ مجسم، رحمتِ باری کا مہبطِ اعظم، بحرِ سخا، ابرِ کرم، پیکرِ ہدیٰ، صورتِ آدم، عالمِ وجود میں آیا اور اس نے بشارتِ "وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ أَحْمَدُ" سے سرفراز ہو کر دنیا میں توحید کا علم بلند کیا، اور سیکڑوں برس کے بھٹکے ہوئے غلاموں کو ان کے حقیقی مالک اور آقا کے سامنے جھکا دیا، اور صدیوں کے بھولے ہوئے

سبق کو یاد دلاکر دلوں کی بستی میں وہ آتش شوق بھڑکائی جس نے کفر و شرک کی دنیا کو جلاکر آن کی آن میں خاکِ سیاہ کر دیا،

اخوت و ہمدردی کا وہ رشتہ "جو حرفِ غلط کی طرح دنیا میں مٹ چکا تھا" اسکے ایک اشارۂ چشم و ابرو سے پھر استوار ہوگیا۔ دشمن دوست بنے، اور بیگانوں میں یگانگت نے راہ پائی، بے راہوں نے راہ دیکھی اور بے چینوں کو چین نصیب ہوا۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ مَنْ زَانَتْ بِہِ الْعُصَرُ

تبلیغ رسالت

یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ (مائدہ) اے پیغمبر جو کچھ تیرا اتارا گیا ہے اسکو لوگوں تک پہونچا دو۔

ایک وقت وہ تھا کہ خدا کے پیغمبر، اور اس کے رسول، دنیا کے ہادی اور عالم کے رہنما، خاص قوموں یا خاص ملکوں میں نذیر و بشیر بنکر آتے، اور اپنی رسالت کی تبلیغ و اشاعت کے محدود حلقوں میں خدا کا پیغام سناکر حقِ رسالت و نبوت ادا کرتے رہے، آدم و نوح، شیث و ادریس، ابراہیم و اسماعیل، یعقوب و یوسف، داؤد، و سلیمان، موسیٰ و عیسیٰ، زکریا و الیاس، یونس و ذوالکفل، (علیہم الصلوٰۃ والسلام) یہ اور ان کے علاوہ تمام کو اپنی نبوت اپنے اپنے زمانہ میں "وحی الٰہی کی آغوش میں تربیت پاکر" دنیا کو روشن اور درخشاں بناتے، اور اپنی اپنی قوم کو راہِ ہدایت دکھاتے رہے۔ لیکن نبی اُمّی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا فیضان کسی خاص قوم، یا خاص ملک کے لئے نہ تھا بلکہ اس ذاتِ قدسی صفات کی بعثت "بعثتِ عامہ" تھی۔ اسی لئے اس آفتابِ نبوّت کے طلوع نے مشرق و مغرب، شمال و جنوب، یورپ و ایشیا،

افریقہ وامریکہ، تمام ربع مسکوں کو درخشاں وتاباں بنا دیا۔

اس کی تبلیغ عام ہوئی اور اس کی آغوشِ رحمت میں کل جہاں نے راحت وآرام پایا۔

مگر کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ پیغامِ الٰہی اور تبلیغ حق کا یہ اہم مقصد ایسے اصول سے یکسر خالی ہے کہ جن کی روشنی میں دعوتِ ربّانی کا یہ کام آیندہ بھی انجام پا سکے؟ یا تمہارا یہ خیال ہو کہ اس مقدس فریضہ کی تعمیل۔ ایک ایسا تماشا ہے جو خوش آئند الفاظ، اور دلفریب اعمال سے انجام پا سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

بیشک! تبلیغ ودعوت وہ مقدس فرض ہے جو ہر ایک کلمہ گو مومن کی حیات اور اس کی ہستی کا مقصدِ وحید ہے یہ درست ہے، کہ پیغامِ حق ابوبکرؓ وعمرؓ، جنیدؒ وشبلیؒ کے ہی ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ امتِ مرحومہ کا ہر ایک فرد، عالم ہو یا جاہل، عورت ہو یا مرد، اس امانتِ الٰہی کا حامل اور پاسبان ہے۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس مقصدِ عظم کی تکمیل، اور اس امانتِ ربانی کی صحیح پاسبانی، جب ہی بارآور ہو سکتی، اور اپنی صد ہزار لطافت وحُسن کے ساتھ رونما ہو سکتی ہے جبکہ ہم اپنی زندگی کے بیش بہا لمحات کو اس طرح کام میں لائیں جس کی علمی مثال ہمکو قرآنِ عزیز نے بتائی اور عملی نظیر خدا کے برگزیدہ نبی نے دکھلائی۔

اسلئے ضرورت تھی اس امر کی کہ جس مقدس ہستی کے وجود میں اس کے ہر ایک قول وفعل میں، اور اس کے ہر ایک حرکت وسکون میں، امتِ مرحومہ کیلئے "اسوہ حسنہ" ہو اس کی پاک زندگی کے اس اہم مقصد (تبلیغ کا حقِ ادا، اور دورِ کمال شروع ہی سے بساطِ عمل پر نہ آجائے۔ بلکہ اس کے لئے مراتب ہوں، درجات ہوں کہ ان کی تکمیل کے بغیر

کوئی اس شاہراہِ عمل سے گذر ہی نہ سکے کہ جس کے بعد گوہرِ مقصود ہاتھ آتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ "کن فیکون" ذاتِ احدیت کا طغرائے امتیاز، اور قادرِ مطلق کا قدرتِ کمال ٹھیرا تو انسان ضعیف البنیان کا شرف ہی یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مربّی حقیقی کی آغوش میں آہستہ آہستہ اپنی استعداد کے مطابق تربیت پائے اور کمال الٰہی کے فیضان سے مستفیض ہو یا یوں کہئے کہ ضرورت تھی اس بات کی کہ اُمتِ مرحومہ بھی "کہ جس کا ہر ایک قول وفعل، ہر ایک حرکت وسکون لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہونا چاہئے"، آفتابِ رسالت کی عالمتاب روشنی میں قیامت تک "دینِ مبین" اور "ملّتِ حنیف" کی تبلیغ ودعوت میں سرگرمِ عمل رہے۔ اور خاتم النبیین کی پیروی اور اقتداء میں پیغامِ حق کو اپنا شعار بنائے۔ کیوں؟ اسلئے کہ اب نبوّت ورسالت کی تکمیل ہو چکی، اور خدا کا آخری پیغام آچکا،

وہ پیغام جس کی بشارت انجیل وتوراۃ نے دی، وہ پیغام جس کی مسرت میں زبور نے نغمے گائے۔

تو کیا تمہیں نہیں معلوم کہ خدا کے آخری پیغمبر، داعی اسلام، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں اس مقصدِ وحید کے مدارج کو کس طرح طے کیا۔ اور وحی الٰہی نے کس کس گوشہ سے ان مدارج کی تکمیل کے لئے انکی امداد فرمائی۔؟

سنو اور غور سے سنو!

لہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ۔
تم بہترین امت ہو تمہاری حیات دوسروں کیلئے ہو کہ انکو نیکی کا درس دو اور برائیوں سے باز رکھو۔

درجاتِ تبلیغ

پہلا دور
(معرفت و تکمیل)

تکمیلِ نفس

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَأَنْذِرْ، وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ، وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ، وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ، وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (مدثر)

کملی والے! اُٹھ اور لوگوں کو بُری باتوں سے ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر، کپڑے پاک رکھ اور ناپاک چیزوں کو چھوڑ۔ اور لوگوں پر اسلئے احسان نہ کر کہ اس کے عوض احسان سے زیادہ حاصل ہوجائیگا۔

معرفت کامل ہوئی اپنی عبودیت اور معبودِ حقیقی کی ربوبیت کاملہ کا اعتراف بھی حاصل مگر جب تک اس پر استقامت و استواری نہو، اس کے مختلف گوشے ابھی تک تشنۂ کمال ہوں تو دورِ ثانی کی زندگی ہنوز محتاجِ تربیت و تکمیل ہے۔ حرا کی گھاٹی کا وہ پہلا منظر کس قدر عجیب، کتنا پُرعظمت و جلال اور کیسا دلربایانہ تھا کہ رحمتِ عالمیان، سرورِ کون و مکان ایک طرف تو وحی الٰہی کی عظمت کے دبدبہ سے متاثر ہوکر "زملونی زملونی" فرماتے ہیں اور دوسری طرف اس کی دلربایانہ شان اور پُرکیف و مسحور ادا نے اس قدر بیقرار اور بیچین کر رکھا ہے کہ چالیس روز اس کے رُک جانے سے پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھتے اور اپنے آپکو ہلاک کر دینے پر آمادہ نظر آتے ہیں آخر کار امتحان کی یہ منزل بھی ختم ہوتی ہے اور تربیتِ کاملہ اپنی دوسری جھلک دکھا کر حکم دیتی ہے کہ اُٹھ آج تو خدا کا نذیر بنتا ہے۔ مگر پہلے خود خدا کی ہستی اور اس کی کبریائی کا اقرار کر قول و عمل سے، اور اس کی عظمت

وجبروت کو تسلیم کر دل و زبان سے، لباس کو پاکیزہ رکھ کر یہی طہارتِ ظاہری، طہارتِ باطنی کو بڑھاتی، اور قربتِ الٰہی تک پہنچاتی ہے۔ اور علیحدہ رہ اُن غلاظتوں اور نجاستوں سے جو عالمِ نفس کو تباہ اور دنیائے قلب کو برباد کرتی ہیں! اور مکارمِ اخلاق کی ان پہنائیوں سے آراستہ ہو کہ احسان جیسے خُلق کو فرض سمجھکر ادا کر اور اس کو ذاتی فائدہ کا آلہ نہ بنا، اسلئے کہ اخلاقِ حسنہ کی اساس اسی پر قایم ہوتی اور اس کی تعمیر اسی سے استوار ہوتی ہے یعنی خدا کا پیغامبر بننے کے لئے پہلے آغوشِ رحمتِ الٰہی میں رہ کر اعمالِ ظاہری و باطنی کی تکمیل۔ اور معراجِ ترقی کے انتہائی درجات کی تحصیل ازبس ضروری ہے۔ اسلئے کہ کامل ہی ناقص کو درجۂ کمال تک پہنچا سکتا ہے۔ خود گم کردہ راہ کیا کسی کو راہ بتائے گا۔

(دوسرا دور)

قیادت و امامت

ارکانِ خاندان

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (شعراء) اپنے اہل خاندان کو تبلیغ کیجئے۔

"خدائے برتر کے عطا و نوال اور جود و کرم کی بارش نے جب سید المرسلین، محبوبِ ربّ العالمین کو اس مرتبۂ علیا پر فایز کیا۔ جس کا تصور بھی انسانی تخیل سے بالاتر ہے اور تکمیلِ نفس کے ان مدارج پر پہنچا دیا جس کے حصول سے اولین و آخرین عاجز و حیران ہیں اور کیوں نہوں۔؟

این سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ[1]

[1] اسطرف اشارہ ہے کہ انسان اخلاق حسنہ اور انسانیت کبریٰ کے بلند سے بلند تر مقام تک بھی پرواز کر جائے تب بھی اسکو مرتبۂ نبوت حاصل نہیں ہو سکتا اسلئے کہ یہ عطیۂ خداوندی ہے جو اسی کی عطا سے نصیب ہوتا ہے۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ ۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ منصبِ رسالت کس کو بخشے۔

تواب حکم ہوتا ہے کہ ایک قدم آگے بڑھاؤ، اور خدائے واحد کی توحید کا شیریں پیغام سب سے پہلے اپنے خاندان، اور قرابت والوں کو سناؤ۔ اور بتاؤ کہ عبادت کی لائق اور پرستش کے سزاوار صرف ایک ہی ذات ہے، صرف ایک خدا کو پوجو اور مصنوعی معبودوں کی گمراہی کو ترک کرو۔ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ تم ہی انصاف کرو کہ دس بیس ہزار آقاؤں کا غلام ہونا بہتر ہے یا فقط ایک آقا و مالک کا غلام ہونا۔

پھر تم نے دیکھا کہ صفا کی پہاڑی پر وہ کیا آواز تھی جس کی گرج نے بہروں کو شنوا، اندھوں کو بینا، اور گونگوں کو گویا کر دیا۔ اور اسی ایک آواز کی پکار نے اپنوں کو بیگانہ، دوستوں کو دشمن، اور موافقوں کو مخالف بنا دیا؟۔

خدائے واحد کا منادی، توحید کا پیغامبر، خدا کی یکتائی کا پیغام لیکر صفا کی چوٹی پر اس طرح کھڑا ہوتا ہے کہ نہ کوئی یار و مددگار ہے، نہ ہمدرد و غمخوار تنہا خدا پر بھروسہ کرکے حکم الٰہی کی تعمیل میں مکہ کے بسنے والوں کو، اہل خاندان کو، ندا دیتا ہے، یا صباحاہ[1]! یا صباحا! یہ آواز قبیلوں اور خاندانوں کو چونکا دیتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ غنیم کا لشکر سر پر آپہونچا اسی لئے ہمارا پاسبان ہمکو اس آواز پر جمع ہونے کی دعوت دیتا ہے" انہیں معلوم نہ تھا کہ پکارنے والی ہستی جان و مال کے خطرہ کا اعلان نہیں کر رہی۔ وہ تو اس آنے والے خطرہ کے لئے بیدار کرنا چاہتی ہے جو جان و مال اور عزت و آبرو کے خطرہ سے بھی زیادہ خطرناک ہے، وہ خطرہ جس کو صدیوں سے قوموں نے بھلا دیا۔ وہ خطرہ جو درندہ نما انسانوں کی ہلاکت آفرینیوں سے پیش نہیں آتا بلکہ حقیقی مالک آقا کے پیہم تمرد اور مسلسل سرکشی کی بدولت رونما ہوتا ہے اور یک لخت ملکوں اور قوموں کو تاخت و تاراج کرکے آنے والی قوموں کے لئے بہت کچھ عبرت کا سامان فراہم کر دیا کرتا ہے۔

[1] یہ جملہ زلزلے کے وقت بولا جاتا ہے ۱۲

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ
مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ
اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَ
نْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ
بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ
قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ○

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اُنسے پہلے کتنی
ایسی قوموں کو ہلاک کر دیا جن کو ہمنے زمین میں وہ قوت
وسطوت عطا کی تھی جو تمکو بھی نصیب نہیں انپر ہم نے
بارشیں برسائیں اور انکے قدموں کے نیچے نہریں جاری
کر دیں پھر انہیں کی بداعمالیوں کی بدولت انکو ہلاک کر دیا
اور انکے بعد دوسری قوموں کو انکا جانشین بنا دیا "

وہ جوق جوق جمع ہو رہے ہیں اور منادی کی ندا کے منتظر ہیں، یکایک ہادیٔ برحق کی زبان وحیٔ ترجمان سے یہ صدا بلند ہوئی۔

لوگو! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک زبردست لشکر موجود ہے جو عنقریب تمکو تاراج کرنا چاہتا ہے۔ کیا تم مجھکو جھٹلاؤ گے یا میری بات کو باور کرو گے؟ متفقہ آواز آئی۔ تیری بات کبھی غلط نہیں ہوئی اور تو نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اسی لئے تجھکو "الصادق الامین" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ پھر آج ہم تیری بات کو کس طرح غلط جان سکتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو گوشِ ہوش سے سنو، اس جہان کے علاوہ ایک اور جہان ہے۔ وہاں سب کو جانا ہے اور مالکِ حقیقی کے سامنے اپنی کردار کا محاسبہ کرانا ہے۔ یہ عمل کی کشتِ زار ہے، اور وہ پاداشِ عمل کا کارزار، خدائے واحد ہی وہ ذات ہے جو ہر طرح پرستش کی لائق ہے۔ خود ساختہ بتوں کو چھوڑ دو، اور ایک خدا کو پوجو۔ اللہ احد، اللہ الصمد، سوچو اور غور کرو تمہارے عمل کی پونجی لٹ رہی ہے مگر تم بے خبر ہو۔ تم کھوٹے کو کھرا، اور ملمع کو اصل سمجھ رہے ہو۔ اے گم کردہ راہ عزیزو! راہِ مستقیم کی طرف

آڈ او رکجروی سے بچو۔

یہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی۔ چہار طرف ایک آگ لگ گئی، ایک دوسرے کا منہ تک رہا ہے۔ کوئی غضبناک ہے۔ تو کوئی حیران و پریشان۔ عزیز بگڑے، دوست دشمن بنے، اور اہلِ خاندان نے مقابلہ کی ٹھان لی حقیقی چچا ابو لہب نے "کہ جس نے آپکی ولادت باسعادت کیوقت صرف اس خوشی میں کہ میرے بھائی عبداللہ کے لڑکا پیدا ہونیکی خبر سنائی ہے اپنی باندی ثویبہ کو آزاد کرکے اپنی انتہائی محبت کا ثبوت دیا تھا" آج اس ندائے حق پر اس قدر مشتعل اور آمادۂ پیکار ہے کہ جسم اطہر پر دونوں ہاتھ مار کر کہتا ہے" تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ أَلِهٰذَا دَعَوْتَنَا " یعنی تجھکو ہمیشہ خرابی ہو کیا اسی لئے تو نے ہمکو بلایا تھا۔ (العیاذ باللہ) لیکن اس مقدس ہستی پر اپنوں کی بیگانگی اور عزیزوں کی روگردانی کچھ بھی اثر نہ کرسکی اور پیغامِ حق کی وہ آواز وحی الٰہی کے فیضان سے اُسی طرح فضاؤں گونجتی رہی۔ اور ایک وہ دن بھی آیا جبکہ انہی دشمنوں کی دشمنی، دوستی سے اور انہی عزیزوں کی بیگانگت، یگانگت سے بدل گئی اور۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔ کی تعمیل نے آخر اُس کو هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کی انتہائی معراج پر پہونچا دیا۔

اسی تعمیلِ ارشاد کا ایک منظر وہ بھی ہے کہ آپ نے عبدِ مناف کی اولاد میں سے تقریبًا چالیس آدمیوں کو دعوت دی اور ارشاد فرمایا۔

عزیزو! میں تمہارے لئے وہ نادر تحفہ لیکر آیا ہوں جس کی مثال دنیا کی دوسری قوموں میں ناپید ہے۔ میں تمہاری فلاح اور راہِ نجات لیکر آیا ہوں۔ خدائے برتر کا

---

[1] " قرآن عزیز کی سورۂ لہب آج بھی اس شقی ازلی کی ابدی ذلت اور دائمی خسران کی یادگار ہے۔

حکم ہے کہ میں تمکو راہِ حق دکھاؤں اور اس کی طرف دعوت دوں۔ قسم بخدا اگر میں تمام دنیا کے سامنے جھوٹ بولتا تب بھی تم سے جھوٹ نہ بولتا۔ اور اگر کل عالم کو بھی دھوکا دیتا تب بھی تمکو دھوکا نہ دیتا۔ ذاتِ واحد کی قسم کہ میں تمہارے اور کل عالم کے لئے اس کی طرف سے پیغمبر اور رسول ہوں۔"

فطرت کا تقاضا ہے کہ اگر اہلِ خاندان اور اقربا و اعزہ کے سامنے مصلح کی اصلاح، اور ہادی کی ہدایت ، بر سر کار آتی ہے تو انکے قبول و عدم قبول کا اثر خود بخود دوسروں پر بھی پڑتا ہے۔ کیوں؟ اسلئے کہ وہ اسکی خلوت و جلوت، اور اس کی اجتماعی اور انفرادی زندگی، کے حال سے واقف ہوتے اور اس کی ہر ایک حرکت و سکون سے مطلع رہتے ہیں۔ ہاں جب قبول و عدم قبول اور موافقت و مخالفت کا میدان کارزار گرم ہوتا ہے تو حاسدوں کا حسد، اور متلاشی حق کی تلاشِ حق، خود کسوٹی بنکر سامنے آجاتی ہے اور اس وقت کذب و صداقت کا معیار خود مصلح کا قول و عمل بنتا ہے نہ کہ کسی کا اقرار و انکار۔ اسی اصول کو قرآن عزیز نے اپنے پیغمبر کی شان میں اس معجز نما طرز میں بیان کیا ہے۔

لَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ — میں نے اپنی اس زندگی سے قبل عمر کا بہت بڑا حصہ
أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۔ — تمہارے اندر گذارا ہے کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔

یعنی میری صداقتِ نبوت کی ایک سب سے بڑی اور روشن دلیل یہی ہے کہ دعویٔ نبوت سے پہلے عہدِ طفولیت سے آجتک کی میری تمام زندگی تمہاری آنکھوں کے سامنے گذری اور تمہیں اعتراف ہے کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا نہ کبھی کوئی دھوکہ کی بات کی نیز تمہارے ہی سامنے میری تربیت ہوئی۔ نہ میں نے کسی سے تعلیم حاصل کی، نہ لکھنا پڑھنا، نہ کسی عالم و مصلح کی ہمنشینی کی (جسکے وجود ہی سے عرب کی سرزمین خالی تھی) پھر

یک بیک میرا یہ دعویٰ اور اس دعوی کی اتنی زبردست دلیل یعنی قرآنِ عزیز جیسی کتاب کا پیش کرنا ہی کیا میری صداقت کیلئے روشن دلیل نہیں بن سکتی؟

محدود توسیع

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (شوریٰ)

اسی طرح ہمنے تیری جانب قرآنِ عربی کی وحی بھیجی تاکہ تو مکہ اور اطرافِ مکہ والوں کیلئے نذیر بنے۔

دعوتِ حق پر استقامت، توکل علی اللہ۔ صبر آزما تکالیف پر جبیں بہ جبیں تک نہ ہونا! ایسے امور نہ تھے جو موثر نہ ہوتے۔ سرتاجِ انبیا ختمِ رسل کا مادی طاقتوں اور خاندانی مصیبتوں سے بے پرواہ ہوکر خدا کی یکتائی کا پیغام سنانے اور جادۂ مستقیم کا داعی بنکر ہر قسم کی تکالیف برداشت کرتے رہنا بے اثر جاتا! ناممکن

آخر عزیزوں اور اہلِ خاندان کو حق کی آواز کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا اور کلمۂ توحید کی سربلندیوں نے خود بخود اُن کے قلوب میں اپنی راہ پیدا کرلی۔ بے یار و مددگار ہستی کی آواز اب تنہا آواز نہ تھی۔ حرم بیت اللہ میں خدا کے سامنے اب ایک ہی پیشانی سربسجود نظر نہیں آتی۔ ابوبکر، و عمر، عثمان و علی۔ حمزہ و عباس، جعفر و عقیل، فضل و عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم، اب اسی درگاہ کے آستانہ بوس ہیں۔ کل جس کی آواز پہ "صَدَقْتَ" کہنا ہی جرم عظیم سمجھا جاتا تھا وہ عمر رضی اللہ عنہ، جو گردن میں تلوار حمائل کئے سر قلم کرنیکی نیت سے گھر سے نکلے تھے ایک ادنیٰ غلام کی طرح دربارِ قدسی میں حاضر ہو کر اور سر نیاز جھکا کر عفو تقصیر کے خواستگار ہیں۔

ٹھیک کہا کارلائل نے "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" میں۔

قیصر روم کے دربار میں جب آپ کا دعوت نامہ پہنچا تھا تو اس نے بھی آپ کی تائید میں یہ کہا تھا۔ ماکان لیدع الکذب علی الناس ویکذب علی اللہ۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ جو لوگوں پہ جھوٹ نہ بولتا ہو وہ خدا پہ جھوٹ

"جو لوگ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا وہ مجھکو بتائیں کہ "ابو بکر و عمر، عثمان و علی، جیسے ناموران قریش کو کس تلوار نے زیر کیا تھا جو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے دوسروں کو بزورِ شمشیر مسلمان بنایا"

یہی وہ جذبۂ حق کا متلاطم سمندر تھا جو ہزاروں بند لگا دیئے جانے کے باوجود بھی نہ رکا۔ یہی وہ نورِ توحید کی چمک تھی جس کی تابش عالمتاب نے اپنے دائرہ کو ایک خاص حصہ ہی میں محدود نہ رہنے دیا۔ توحیدِ الٰہی کا یہ بے پایاں سمندر، اور تبلیغ حق کا یہ آفتاب عالمتاب آگے بڑھتا ہے اور وحی الٰہی کی روشنی میں اب دعوتِ اسلام نے ایک اور کروٹ بدلی ہے۔ حکم ہے کہ خاندان، قبیلہ، اور عزیزوں کی تبلیغ کے بعد اب دائرہ وسیع کرو اور مشعل ہدایت کی روشنی کو مکہ اور اطرافِ مکہ میں پھیلاؤ کہ دعوتِ حق کی ہمہ گیری کے لئے راہ ہاتھ آئے اور مقصدِ اعظم کی تکمیل سے سارا عالم روشن اور منور ہو جائے۔

کلامِ ربانی کے ناطق فیصلہ، اور نبی آخرالزماں کی انتہائی قوت عمل کے باعث پھر وہ سب کچھ ہوا جسکو منکرہ عقل حیران اور پرواز خیال پریشان ہے یہاں نہ وسائل کی پرواہ اور نہ نتائج کی تمنا۔ ایک لگن ہے جو کبھی عکاظ کے بازار میں لیجاتی ہے تو کبھی ذوالمجاز کے مجمع میں!! محفل و مجلس میں کوچہ و بازار میں، خلوت و جلوت میں، ایک ہی ندا اور صرف ایک ہی صدا ہے اللہ احد اللہ الصمد۔

مکہ اور اطرافِ مکہ کے بسنے والے جاہلیت کے طرز پر حج کرنے آئے ہیں۔ خدا کا منادی، توحید کا سچا مبر، "کعبہ" کے سامنے کھڑا ہوا اور نعرۂ توحید بلند کر رہا ہے۔ اطرافِ مکہ کا ایک رئیس بھی طواف کی غرض سے ادھر آتا ہے۔ ابوجہل اور ابولہب سامنے

کھڑے ہیں۔ اسکو دیکھکر آگے بڑھتے، اور کہتے ہیں کہ عرصہ سے یہاں ایک شخص سحر کے کرشمے دکھا رہا ہے۔ بنی عبد مناف اور بنی عبد المطلب اس کی ساحرانہ باتوں میں آکر دین کو خیر باد کہہ چکے۔ ہم نے اب ارادہ کر لیا ہے کہ تمام قریشی اس خدمت کو انجام دین کہ ایسے عظیم الشان مجمع میں جو کہ موسم حج میں ہوا کرتا ہے باہر سے آنیوالے ناواقف لوگوں کو اطلاع دیں اور سمجھائیں کہ وہ اس شخص کے کلام کو نہ سنیں ورنہ سحر کی کشش ان کو جذب کرلے گی اور وہ اس مدعی نبوت کی پیروی پر مجبور ہو جائیں گے۔

یہ تھیں قریش کی وہ معاندانہ کوششیں اور مجنونانہ کاوشیں جو اعلانِ حق اور ندائے ایمان کی راہ میں سنگِ گراں بنی ہوئی تھیں۔ اطراف ملہ کا یہ شخص اول تو ان حاسدانِ کج فہم کی باتوں سے قدرے متاثر ہوا۔ طواف کے لئے آمادہ ہوا تو کانوں میں روئی رکھکر تاکہ وہ کلمات ہی کان میں نہ پڑیں جن کے اثر سے قریشیوں کا یہ گروہ اسقدر خائف ہے۔ وہ دو چار پھیرے پھرتا ہے مگر نیچی نظروں سے جمالِ جہاں آرا کو دیکھتا جاتا ہے۔ اور مجسمِ ہدایت کے معجز نما الفاظ کی کرشمہ سازیوں کا جو اثر اطراف و جوانب کے سامعین پر ہو رہا ہے اس کو بنظرِ غور دیکھ رہا ہے۔

یکایک بلندیٔ ہمت اور علوِ حوصلہ کار فرما ہوتے اور اس کی بزدلی پر نفرت و حقارت کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ سوچتا ہے کہ یہ کیسی بزدلی اور نامردی ہے کہ ایک شخص کی محض تقریر نہ سننے کے لئے یہ کچھ اہتمام کیا جائے۔ وہ ساحر سہی، کاہن سہی لیکن پھر ایک انسان ہے کسی شخص کے مدعا کو سنے بغیر اسکی نفرت و اغماض انسانیت کے شیوہ سے دور ہے۔ یہ سوچکر کانوں میں سے روئی نکال پھینکتا اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معجز نما تقریر سننے کیلئے آگے بڑھکر گوشِ حق نیوش سے متوجہ ہو جاتا ہے۔ تو زبانِ وحی ترجمان سے یہ

کلماتِ طیبات سنتا ہے۔

"لوگو ایک خدا کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا کسی کو نہ پوجو۔ گناہوں سے بچو اور پرہیزگاری اختیار کرو۔ انسان سب برابر ہیں نہ کوئی اپنی سرشت میں کمینہ ہے اور نہ کوئی شریف۔ شرافت و نجابت عمل سے ہے نہ کہ حسب و نسب سے، اقوام و قبائل کی تفریق دوسرونکو ذلیل اور خود کو شریف سمجھنے کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ تعارف و امتیازِ باہمی کا ایک وسیلہ ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ بزرگی مالکِ حقیقی کیساتھ صحیح تعلق پیدا کرنے سے حاصل ہوتی ہے نہ مال و متاع اور ذاتی حسب نسب سے۔ چھوٹوں پر رحم کرو اور بڑوں کی تعظیم و توقیر، یتیموں اور بیواؤں کی غمخواری کرو اور غربا پروری کو اپنا شعار بناؤ، کہ یہی فلاح و بہبود کی صحیح راہ ہے اور نجاتِ ابدی کا اصلی رستہ"

رئیس نے یہ کلام معجز نظام سنا تو حیران و ششدر رہ گیا اور دل میں تڑپ پیدا ہوئی۔ وہ ابوجہل و ابولہب پر نہیں خود پر نفرت کرتا ہے کہ خدا کے اس برگزیدہ نبی مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بےنظیر تعلیم سے آجتک کیوں محروم، اور اخلاقِ کاملہ اور انسانیت کبریٰ کے اس ہادیٔ برحق کے چشمۂ ہدیٰ کی سیرابی سے اسوقت تک کیوں تشنہ کام رہا۔ سرِ نیاز خم کئے پروانہ وار حاضرِ خدمت ہوتا، اور دل کی گہرائیوں سے توحید و رسالت کا اقرار کرلیتا ہے۔

کہنے والوں نے کیا کچھ نہ کہا۔ حاسدوں نے وہ کونسی بات اٹھا رکھی جو بغض و حسد میں نہ کہی جاتی ہو مفسدوں کی مفسدہ پردازی، موذیوں کی ایذا اور ظلم و جور کے تمام

اسلحہ استعمال کئے گئے کبھی کاہن کہا تو کبھی ساحر، اور کبھی مجنون بنایا تو کبھی مفتری،
(العیاذ باللہ)

لیکن حق و صداقت کی شمع ان پھونکوں سے نہ بجھ سکی اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی صدائے مکّہ اور اطرافِ مکّہ میں عشقِ الٰہی کی بنیادیں ایسی استوار کر دیں کہ بلالِ حبشی اور صہیبِ رومی جیسے حق کوش اور شیدایانِ توحید کے جذبات کو نہ شعلہ ہائے آتش دبا سکے اور نہ جلتے ہوئے پتھر اور تپتے ہوئے ریت کے تودے فنا کر سکے "احد" "احد" کا وہ نعرہ جس نے انکے قلب میں خرمنِ شرک کو سوختہ کر کے شمعِ توحید کو روشن کر دیا تھا تکلیف و مصیبت کے ہر لمحہ میں وردِ زبان تھا۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ۔

مشرکین ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنی پھونکوں سے بجھادیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنیوالا ہے اگرچہ کافروں کو ناگوار گذرے۔

بعثتِ عامہ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔

کہہ دیجئے۔ اے تمام دنیا کے لوگوں میں تم سب کی طرف خدا کا (فرستادہ) رسول ہوں۔

اس عالمِ فانی کی ہر ایک شئے اپنے ارتقا اور نشوونما میں ترتیبی درجات کی محتاج ہے۔ خدائے برحق نے (جو "کن" کے ایک اشارہ سے ہیژدہ ہزار عالم کو پردۂ عدم سے ہستیٔ وجود میں لانے پر قادر ہے) تخلیقِ عالم کو چھ دن پر تقسیم کر کے اسی حکمتِ بالغہ کا ظاہر فرمایا۔

پس جبکہ مادّی دنیا کا ذرّہ ذرّہ اپنی تربیتِ کاملہ میں مدارجِ ترتیبی کا محتاج ہے

تو کائناتِ روحانیت کا نظام بھی کب اس حقیقت سے جدا اور بے نیاز رہ سکتا تھا۔ اسلئے کہ کائناتِ روحانی کا خالق بھی وہی ہے جو عالمِ مادیات کا خالق ہے۔ پھر روحانی درجات میں بھی وہ درجہ جو اس عالم کی ہستی کا مقصدِ وحید اور کارزارِ حیات کا منتہائے مقصود ہے یعنی پیغامِ الٰہی کی دعوت، امانتِ ربانی کی پاسبانی، اور حق و صداقت کی تبلیغ!!

تم نے دیکھا کہ داعیِ اسلام، پیغمبرِ حق و صداقت، منادیِ امن و ایمان کی زندگیِ مبارک کا پہلا دور کس طرح تکمیلِ نفس کے سانچے میں ڈھل کر آغوشِ رحمتِ الٰہی سے ہمکنار ہے۔ یہ خدا کی عطا و نوال، پروردگارِ عالم کی وسعتِ رحمت تھی کہ اس نے اپنے آخری پیغام کے لئے اس ذاتِ قدسی صفات کو منتخب فرمایا جس نے حرا کی گھاٹی میں پہلی ہی صدائے وحی سے وہ کچھ حاصل کر لیا جسکا تصور اولین و آخرین میں سے کسی کو بھی ممکن نہیں۔ اَللّٰہُ یَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ۔ اقربا اور اہلِ خاندان کی تبلیغ و دعوتِ حق کا دور بھی اپنی خصوصیات میں اس طرح روشن ہے جس کی نظیر لینے والی دنیا نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اور اس کا معجز نما اثر دنیائے فانی میں خود آپ اپنی مثال ہے۔ اعلانِ حق کی یہ وہ منزل تھی جس نے اُمّ قریٰ (مکہ) اور اسکے اطراف کو خود بخود اس ذاتِ اقدس کا گرویدہ اور والہ و شیدا بنا دیا اور صرف چہرۂ مبارک پر نظر کرتے ہی انکو یہ کہنا پڑا " واللّٰہِ ھٰذا الوجہُ لیس لوجہ کاذب" خدا کی قسم یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔

ظلم ہوتا اگر رحمۃٌ للعالمین کی وسعتِ رحمت اور داعیِ اسلام کی دعوتِ حق اگلوں کی طرح کسی خاص دائرہ میں ہی محدود ہو کر رہ جاتی اور آپ کا رشتۂ نبوت و رسالت کسی خاص قبیلہ یا خاص قوم ہی کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ جاتا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ خدا کا آخری پیغام، رشد و ہدایت کا آخری سرچشمہ، ابلاغ و اعلانِ حق کا بحرِ بے پایاں، توحیدِ الٰہی کی آخری شمع،

اس طرح محدود ہو کر رہجائے کہ اس کی روشنی یا اسکے ابر رحمت سے فقط "اُمّ القریٰ" اور اس کے اطراف وجوانب کے بسنے والے ہی مستفید ہوسکیں اور باقی کائنات ہستی اس سے محروم رہے "نہیں ہرگز نہیں"۔ وقت آپہنچا کہ آفتاب نبوت ورسالت کی شعاعیں سارے عالم کو روشن اور کائنات ہستی کو منور کردیں اور اس جہانِ فانی کا ہر ایک گوشہ اس کی تابش سے جگمگا اٹھے۔ اس کی لائی ہوئی کتاب "قرآن" خدا کا آخری پیغام، وہ قانون ہے جس نے مذہبی دنیا کے تمام قوانین کو یک قلم منسوخ کر دیا۔ وہ حق و باطل میں امتیاز، شرک و توحید میں تفریق، اور کھرے اور کھوٹے میں تمیز، دینے آیا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ کندن سے کھوٹ کو کسی طرح دور کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے ضروری یہ ہے کہ اسکے انوار وتجلیات کا پرتو عرب وعجم، ایشا و یورپ، افریقہ وامریکہ، ہندوسندھ، سب پر یکساں پڑے اور سارا عالم اس فیضانِ روحانی سے مالا مال ہو۔

دنیا کا وہ کونسا گوشہ ہے جو کلام ربّانی کا محتاج نہیں اور خدا کے اس آخری قانون سے بے نیاز ہے؟ شرک و کفر کے بادل کہاں نہیں چھائے؟ جور وظلم کی حکومت کس خطہ پر نہیں رہی؟ فساد وتخریب کا میدانِ کارزار کہاں گرم نہیں رہا؟ رسوم بد سے کونسا گوشہ خالی ہے؟ رومتہ الکبریٰ میں ایک طرف تثلیث کا زور ہے تو دوسری جانب شراب خوری، مردم آزاری اور صنفِ ضعیف کی تذلیل وتوہین کا شور ہے۔ حکومتِ ایران کی سطوت وجبروت کے زیر سایہ مظالم کی وہ کونسی داستان ہے جو فرد اکیلئے باقی رکھی گئی ہو! مزدک کی تعلیم نے عورت کی عصمت کو تجارت کا مال بناکر کیا کچھ رنگ رلیاں نہیں منائیں؟ اور صنفِ ضعیف کی قسمت کا وہ کونسا گوشہ ہے جو تحقیر وتذلیل کی ترازو میں نہیں تولا گیا؟ زناکاری وشراب خواری تو ہر کہ ومہ کیلئے بہترین مشغلہ تھا۔ آتش

پرستی کا یہ عالم کہ (العیاذ باللہ) خدا کی خدائی پر اسی کو کارفرما بنا دیا۔ اور خالق آتش کو فراموش کرکے مخلوق کو خالق کا درجہ دیدیا۔

ہندوستان کی وہ سرزمین جسکو قدرت کے عدیم النظیر ہاتھوں نے بہشت زار بنایا کب خدائے واحد کو یاد رکھ سکی۔ شجر و حجر حیوانات و نباتات سب ہی معبود بنے انکی پرستش ہوئی۔ انہی کو مالکِ خیر و شر سمجھا گیا۔ اور نہ سمجھا تو ایک ذاتِ واحد کو جس کے سامنے سب ہیچ اور تمام کائنات ایک خوابِ پریشان ہے۔

ستی کی رسم، اور دیوتاؤں کی نذروں میں انسانی قربانی کی تاریخ، خود اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ غریب عورت یہاں بھی ایک لونڈی سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی۔ پھر اُن غیر متمدن(۱) قوموں اور ملکوں کا ذکر ہی کیا ہے جو اسوقت اپنے بدن ڈھانکنے اور انسانیت کی زندگی بسر کرنیکے ادنٰے طریقوں سے بھی واقف نہ تھے۔ یا عرب کی سرزمین کا تذکرہ ہی کیا ہو سکتا ہے کہ جسمیں شجاعت و مہمان نوازی کے علاوہ دنیا کی کوئی برائی نہ تھی کہ موجود نہو اور کوئی تمرد و سرکشی نہ تھی کہ جو نہ پائی جاتی ہو۔

پھر کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ خدا کی کائنات کا ذرہ ذرہ تو اس طرح گمراہی اور بے راہروی میں مبتلا ہو۔ مگر اس کی رحمت کی بارش صرف ایک ہی خطہ کو سیراب، اور اس کی ہدایت کی مشعل کسی خاص قوم ہی کی راہنمائی کرے؟ "نہیں" اس نے اپنے ایلچی اور پیغام حق کے پیغامبر محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو حکم دیا کہ اب وہ اپنے تبلیغی دائرہ کو تمام عالم پر حاوی کردیں اور دنیا میں پکار دیں کہ فلاحِ دارین اور نجاتِ ابدی کی راہ اگر چاہتے ہو تو میری سنو اور جو کچھ میں کہوں اسکو مانو اور تسلیم کرو۔ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ

---

(۱) سرزمین یورپ اور اہل یورپ مراد ہیں۔

وَانْتَهُوْا جو رسولؐ نے تم کو دیا ہے وہ قبول کرو اور جس سے منع کر دیا اس سے باز رہو۔ اس حکمِ الٰہی کے بموجب دنیا کو دعوت دی اور تم نے دیکھ لیا کہ آج عالمِ ارضی کا چپہ چپہ اس دعوت حق کی آواز سے مست و بیخود ہے اور کائنات ہستی کا کوئی گوشہ نہیں جہاں نعرۂ توحید بلند نہ ہوا ہو یا جہاں دلدادگانِ توحید اور پرستارانِ ذاتِ احدیت موجود نہ ہوں۔

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى
وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ
وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔

خدا وہ ذات ہے جس نے اپنے پیغمبر کو دینِ حق اور ہدایت دیکر اسلئے بھیجا کہ وہ تمام مذہب پر غالب آئے اور اللہ کا شاہد ہونا کافی ہے۔

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ
جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ
الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔

آپ کہدیجئے کہ اے دنیا کے لوگو! میں تم سبکی طرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمینوں میں ہے اسکے سوا کوئی عبادت کے لایق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت سو اسپر ایمان لاؤ اور اسکے اُس نبی پر ایمان لاؤ جو خود اللہ پر اور اسکے احکام پر ایمان رکھتا ہے۔ اور اس نبی کا اتباع کرو تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ۔

اسوۂ حسنہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ
حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ
الْاٰخِرَ۔ (احزاب)

ضرور تمہارے لئے خدا کے پیغمبر میں بہترین نمونہ ہے اس شخص کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن کا امیدوار ہے۔

بیشک قرآن عزیز قانون الٰہی ہے، کلام ربانی ہے، یا یوں کہئے کہ علم الٰہی کی معجز دستاویز ہے، اس کا ایک ایک حرف، اور اس کی تمام نظم و ترتیب، علم کا سرچشمہ اور راز الحیات ہے، مگر نظامِ فطرت قدرتاً رہبری کرتا ہے کہ کوئی علم بغیر عمل کے مؤثر اور کوئی قانون بغیر تعمیل کے نمایاں نہیں ہو سکتا۔

پس ضرورت تھی اس امر کی کہ احکامِ قرانی کے نشر و تبلیغ اور دعوۃ و طریق دعوۃ کے لئے ایک ایسا نمونۂ عمل ہو جس کی نشست و برخاست، قول و عمل، خندہ و بکا، خلوت و جلوت، غرض ہر ایک حرکت اور ہر ایک سکون علم قرآنی کے سانچہ میں ایسا ڈھلا ہوا ہو جو ایک نظریہ علم و عمل، کی دنیا کو کندن بنا دے۔

یہی وہ حقیقت ثابتہ تھی جسکو حضرت صدیقہ (رضی اللہ عنہا) نے اس سوال کے جواب میں "کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کا کچھ حال بیان فرمائے" ارشاد فرمایا تھا کہ تعجب ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا حال معلوم کرتے ہو کیا تم کو معلوم نہیں کہ "کان خلقہ القران" اس ذاتِ اقدس کی تمام زندگی اور حیات! قرآنِ عزیز اور علمِ الٰہی کا عملی نمونہ اور اسوۂ حسنہ رہی ہے۔

پس اے طالبِ حق، اور اے جویائے رضائے الٰہی، اے منصبِ تبلیغ کے طالب اور اے رشد و ہدایت کے داعی! جبکہ اخلاقِ حسنہ کی تکمیل، اور فضائل کاملہ کا ارتقاء، اس ذاتِ اقدس کے اتباع اور اس مقدس ہستی کی پیروی کے بغیر ناممکن اور محال ہے۔ تو پھر کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ اصلاح نفس، او تبلیغ مذہب ملت کا وہ اہم فریضہ "کہ جس کی اساس و بنیاد پر اسلام کی عمارت قایم ہے"، بغیر اس روشنی کے ادا ہو سکتا۔ یا پایۂ تکمیل تک پہونچ سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں!

یہی وجہ ہو کہ خاتم النبین، محبوب رب العالمین، سرور کائنات، فخر موجودات، رحمت عالمیان، سید کون و مکان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی دعوت اور طریق دعوت کے تمام بہترین اصول پر حاوی اور اس کے اعلیٰ نظام کو شامل ہو۔ اور اس سلسلہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہو جو اسکے علم و عمل سے جدا اور اسکے اسوۂ حسنہ کی روشنی سے الگ، پردۂ تاریکی میں باقی رہا ہو۔

پس جبکہ توحید کی تعلیم، دین حنیف کا ابلاغ، اور ملت بیضا کی تبلیغ، ہر ایک مسلم کا فرض ہے اور ہر ایک مومن کا مقصد حیات، اور ہر شخص بقدر وسعت و تبلیغ علم اسکا اہل ہے تو پھر اس عظیم الشان خدمت کی تکمیل اور مؤثر تدبیر اس اسوۂ حسنہ کی تعمیل کے بغیر ناممکن ہے اور اس کی تعمیل کے بغیر تمام بساط عمل بیکار اور ساری جد وجہد رائیگاں۔

طریق دعوت

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ	اپنے رب کی راہ دکھاؤ دانائی اور عمدہ نصائح
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ	کے ساتھ اور مکالمہ کرو اچھے طریق پر۔
بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ؕ	

اسلام ایک مکمل قانون کا نام ہے جو دنیا و دین اور مذہب و ملت کے تمام قوانین اور اصول کو حاوی، اور زندگی و مابعد زندگی کے ہر گوشہ کے لئے شمع درخشاں ہے اُس نے اپنے پیروؤں کو کسی ایک جزئی میں بھی غیر کا محتاج نہیں رکھا اور اس کے فداکاروں کے لئے اس کا کوئی جزو بھی پردۂ تاریکی میں باقی نہیں رہا۔

پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ ملت بیضا کی تبلیغ حق و صداقت کی نشر و اشاعت، اور دعوت الٰہی کسی خاص طریقۂ عمل، طریق دعوت کے مستقل نظام، اور اصول و قواعد محکم،

سے جدا، ایک بے ترتیب، اور منتشر اجزاء علم وعمل اور بے نظمی کے ساتھ وابستہ ہوتا؟

قرآن عزیز نے جس طرح اس مقصد وحید اور حیات ابدی کے بہترین مدارج نصب العین اور صحیح اصول صاف صاف بیان کردیئے۔ ٹھیک اسی طرح اس کے طریق دعوت کے بھی تمام مدارج کو واضح اور صاف وصریح طور پر ظاہر کردیا ہے۔ اور آیت مسطورہ بالا میں اسی حقیقت کو مشرح بیان کیا ہے۔

کیا تم فطرت کے اس قانون سے ناواقف ہو کہ عالم انسانی کے اس کارزار ہستی میں جب ایک دوسرے کو گفت وشنید اور کلام وخطابت کی نوبت آتی ہے۔ یا یہ کہئے کہ اس دوڑ دھوپ میں جب کبھی معرکہ سوال وجواب پیش آتا ہے۔ خواہ بحث ومباحثہ کا یہ پہلو، اور مکالمہ ومناظرہ کا یہ عنوان، مذہبی زندگی سے متعلق ہو یا دنیوی حیات سے۔ تو عموماً تین صورتوں سے خالی نہیں ہوتا؟

ایک سائل جب اپنی گفتگو شروع کرتا ہے تو شک وریب کی پہلی منزل ہی اس کے سامنے آتی ہے۔ ابھی نہ جرح وقدح کا وقت ہے اور نہ مخالفت وجحود کا۔ اسلئے حق پسند مجیب، اور شیدائے حق وصداقت مرشد، اپنا فرض اس طرح ادا کرتا ہے کہ سائل کے سامنے اس کے سوال کا نقص، اس کے تمام گوشوں کی خامیاں، اور اس کے شک وشبہ کے تمام اطراف وجوانب کی کمزوریاں، حکمت ودانائی کی ترازو پر وزن کرتا، اور اسی کی روشنی میں اپنے دلائل وبراہین کی بنیادیں قایم کرتا ہے۔ گوش حق نیوش نے اگر یاری کی تو سائل پہلی ہی منزل میں گوہر مقصود پالیتا اور تسکین قلب حاصل کرلیتا ہے اور اگر نفس کی سرکشی یا غفلت اور طبیعت کی کجی نے راہنمائی سے باز رکھا اور انکار وجحود نے طول کھینچا، راہنما کے تسکین دہ جوابات اسکی تشنہ کامی کو سیراب نہ کرسکے، تو اب داعی حق وصداقت

دوسری کروٹ بدلتا ہے اور اپنی حکمت آموز دلائل کو عمدہ مثالوں، بہترین لفاظی، دلکش اسلوبِ بیان، اور بیش بہا نصائح سے مزین کرتا اور انکے ذریعہ اپنے دلائل کی شمشیر کو آبدار بناتا ہے اور آخرکار متلاشیانِ حق کی ایک بہت بڑی جماعت اس دوسری منزل پر آکر سرِ نیاز جھکا دیتی اور شمعِ حق پر پروانہ وار نثار ہو جاتی ہے لیکن کیا ضرور ہے کہ عالمِ انسانی کا ہر فرد پہلی اور دوسری منزل ہی میں راہِ راست پر آجائے۔ آخر نفس کی تباہ کاریاں اور ماحول کی فتنہ انگیزیاں معمولی چیز تو نہیں ہیں؟ طبیعت میں استعدادِ قبولِ حق کے باوجود خارجی اثرات غالب آجاتے ہیں اور مسائل کا انکار و جحود اس منزل پر پہنچ جاتا ہے جسکو اصطلاح میں مناظرہ اور مجادلہ کہتے ہیں۔ لیکن رہبرِ راہِ مستقیم کی صبر آزما زندگی یہ سب کچھ دیکھتی ہے اور خندہ پیشانی کے ساتھ مناظرہ و مجادلہ کے اس حوصلہ کو بھی برداشت کرتی ہے۔ اور ترشی کا جواب نرم خوئی سے، متعصبانہ سختی کا جواب وسعتِ قلبی سے، اور جہالت کا جواب حسنِ طریق کیساتھ دیتی اور آخرکار اسکو جادۂ مستقیم پر لے آتی، یا خود اسکی نگاہ میں اسکو باطل پرست ٹھیرا دیتی ہے یہی وہ طریقِ دعوت ہے جسکی طرف فطرتِ سلیم لیجاتی ہے۔ اور یہی وہ طریقِ مکالمت ہے جسکو عین مقتضائے فطرت کہا جاتا ہے قانونِ فطرت کے انہی مراتب کو قرآنِ عزیز نے آیۃ مذکورۂ عنوان میں اپنے معجزانہ انداز میں حکمت، موعظہ حسنہ، اور مجادلہ حسنہ کیساتھ تعبیر کیا ہے۔ اور ان تینوں درجات کی تشریح و توضیح قرآنِ عزیز میں ایک سے زائد جگہ بیان فرمائی ہے۔

حکمت

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا	وہ ذاتِ پاک ہے جس نے اُمیوں میں انہی میں
مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ	سے رسول بھیجا وہ انکو اللہ کی آیات سناتا اور انکو

وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ (ترجمہ، پاکباز بناتا ہے اور قرآن وحکمت سکھاتا ہے)

حکمت ودانائی وہ جوہر ہے جو انسان کو ذلت ونکبت کے غار سے نکالکر رفعت وبلندی کے انتہائی درجہ پر پہنچاتا، اور فلاح ونجاح کی راہ دکھاتا ہے۔ یہ نہیں تو پھر انسان زمین کا بوجھ، اور بساطِ ہستی کا بیکار مُہرہ ہے یہی ہیں جن کے لئے کہا گیا ہے۔ اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ، انسان تو انسان پر تو حیوانوں سے بھی بدتر ہیں۔ ترقیٔ دولت وثروت، بلندیٔ مرتبت، فوز وفلاح، غرض کامرانیٔ عقبیٰ وکامیابیٔ دنیا کا راز بہت کچھ اسی میں مضمر ہے۔ اور بیشتر اسی کے ساتھ وابستہ۔ اسی لئے وہ فہم ثاقب جو صحیح ملت ومذہب کی طرف راہنمائی کرے، اور وہ ملکۂ راسخہ جس سے دارین کی فلاح ونجاح کی راہ ہاتھ آئے "حکمت ودانائی"، کہلاتا ہے اور دینی فہم وذکا، فہم قرانی، معرفت کردگار، معرفت احکامِ الٰہی، سب اسی کی شاخیں اور برگ وبار ہیں۔

پس اے مبلغ اسلام، داعیٔ حق وصداقت، رہبرِ معرفت باری، ہادیٔ سبیلِ رب، اگر تو چاہتا ہے کہ تیری آواز دل نشین ہو اور سویدائِ قلب میں اُتر جائے، اور اگر تیری خواہش ہے کہ تیرا پیغامِ صداقت پایۂ تکمیل کو پہنچے تو خود ساختہ مذاہب کے غیر فطری طریق کار سے الگ اپنی دنیا قایم کر، اور خدا کا پیغام، فطرت کے اس بتائے ہوئے قانون کی مطابق سنا جس کی ابتدا حکمت ودانائی کے چشمۂ شیریں سے شروع ہوتی، اور تشنہ کامانِ رشد وہدایت کو سیراب کرتی ہے۔

یہی وہ حکمت ہے جس نے محبوب رب العلمین کی آغوش میں اس طرح پرورش پائی کہ اسکی بدولت سرزمینِ عرب کا ذرّہ ذرّہ آپ کا شیدائی اور فدائی بن گیا، جس کا

گوشہ گوشہ آپ کا دشمن اور جس پر بسنے والی دنیا آپ کے خون کی پیاسی تھی،، اور یہی وہ حکمت ہے جس نے مدینہ کی گلیوں اور اس کے کوچہ و بازار بلکہ ہر گھر میں توحید کا ڈنکا بجا دیا اور یہی وہ حکمت ہے جس نے آتش کدہ فارس اور صنم کدہ عرب کو پرچم توحید کے سامنے سرنگوں کر دیا۔

یہی وہ حکمت ہے جس نے صدیوں کے تفرقوں اور عداوتوں کو فنا کر کے اور رنگ و روپ کے امتیاز کو مٹا کر اخوتِ باہمی اور مساواتِ اسلامی کا سبق سنایا اور دنیائے انسانی کے خونی مناظر کو برباد کر کے امن و امان کے پھولوں سے گودوں کو بھر دیا۔

یہی وہ حکمت ہے جس کو خود قرآن عزیز نے خیر کثیر فرمایا۔ یُؤتِی الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔ وہ جسکو چاہے حکمت عطا کرے اور جس کو حکمت عطا کی گئی حقیقتاً اس نے بہت کچھ خیر و فلاح پائی۔

تاریخ ماضی کی ورق گردانی کرو اور دیکھو اہل مکہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف ہیں تعمیر جب اُس مقام تک پہونچتی ہے کہ جس جگہ حجر اسود نصب کیا جائیگا تو تمام سرداران قریش بگڑ بیٹھتے ہیں اور ہر ایک شخص اسپر مصر ہے کہ حجر اسود کے نصب کرنے کی سعادت مجھکو ملنی چاہیے۔ اختلاف نے خطرناک صورت اختیار کر لی ہے اور قریب ہے کہ نیزہ و تلوار چل جائے۔ مگر بات اس پر آکر ٹھیری کہ صبح جو شخص حرم میں سب سے اول داخل ہو وہی اس بارہ میں ”حکم“ قرار دیا جائے۔ صبح ہوتی ہے تو سب سے اول وہی شخص حرم میں جلوہ افروز نظر آتا ہے جس کی صداقت و امانت نے دشمنوں سے بھی اسے ”الصادق الامین“ کا لقب دلایا۔

تمام جماعتیں آپ کے فیصلہ دینے پر خوش و رضا مند ہیں۔ آپ حکم فرماتے ہیں کہ تمام جماعتوں کو چاہیئے کہ وہ اپنا ایک ایک نمائندہ منتخب کرلیں۔ انتخاب نمایندگان کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے اس پتھر کو چادر کے درمیان رکھدو اور پھر تمام قبائل کے نمایندے اس چادر کے کونوں کو پکڑکر پتھر کے نصب کرنے کی جگہ تک اٹھائیں۔ تمام نمایندے خوشی خوشی چادر کو اٹھاکر اس مقام تک پہونچاتے ہیں اور خدا کا محبوب اپنے دستِ مبارک سے پتھر کو اس کی جگہ نصب کردیتا ہے اور اس طرح تمام قبائل کو حجرِ اسود کے نصب کرنے کی سعادت نصیب ہوجاتی ہے۔ یہی وہ حکمت تھی جس نے محبوبِ خدا سے یہ معجزنما فیصلہ دلاکر جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو امن و عافیت سے بدلدیا اور نہ سلجھنے والی گتھی کو ایک اشارہ میں سلجھا دیا۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

موعظۂ حسنہ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے وہ چیز آئی ہے جو بُرے کاموں سے روکنے کیلئے نصیحت ہے اور دلوں کی بیماریوں کے لئے شفا اور جہان والوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔

ہاں خوب یاد رکھ کہ اگر تیرے روشن دلائل اور درخشاں براہین بھی کسی کی نظر میں کھٹکتے، اور معترضانہ انداز میں سنے اور دیکھے جاتے ہیں تو تو ملول نہو اور غیظ و غضب، طعنہ ہائے دلخراش، اور سب و شتم سے قطعاً دور رہکر اپنے دلائل کے استحکام، اور اپنی تقریر کے اثبات کے لئے شیریں مقالی، دل نشین طرزِ کلام، اور پُراز معلومات

پند و نصائح اکو کام میں لا۔ اور تبلیغ اسلام کے مقدس فریضہ کو اس خوبی سے انجام دے کہ ایک متعصب سے متعصب انسان سے بھی، باوجود اپنی درشت روی سخت کلامی، دلخراش طرز گفتگو، اور طعنہ ہائے پر تحقیر کے تیری حکمت و دانائی کے جواہر ریزوں اور مواعظ حسنہ اور نصائح دل پسند کے گوہر بے بہا کے سامنے بجز سر تسلیم خم کر دینے کے اور کچھ بن ہی نہ سکے۔

کیا تم نے نہیں سنا کہ جب مشرکین مکہ نے ہر پہلو اور ہر گوشہ سے آپ پر مصیبتوں اور ایذاؤں کے دروازے کھول دیئے تو خدا کے اس نبی برحق نے ان کے جواب میں بجز "اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ" (اے اللہ میری قوم کو راہ ہدایت دکھا اسلئے کہ یہ نہیں جانتے کہ میں کون ہوں) کے کوئی سخت جملہ ارشاد نہیں فرمایا۔

اور کیا تمہیں نہیں معلوم کہ مسجد نبوی میں ایک بدوی آتا اور صحن مسجد میں پیشاب کرنے بیٹھ جاتا ہے۔ صحابہ یہ دیکھکر دوڑتے اور اسکو اسکی حرکت پر سخت و سست کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ بارگاہ رسالت سے اپنے دوستوں کو حکم ہوتا ہے کہ خاموش ہو جاؤ اور اسکو اپنی حاجت پوری کر لینے دو اسکو پریشان نہ کرو۔ تمام صحابہ خاموش ہیں اور حیرت سے اسکو دیکھ رہے ہیں۔ جب بدوی پیشاب کر کے فارغ ہو جاتا ہے تو درگاہ رسالت سے حکم ہوتا ہے کہ اب اسکو میرے پاس لاؤ۔ بدوی ڈرتا کانپتا، حاضر خدمت ہوتا ہے ابھی بدوی نے عذر خواہی کے لئے زبان تک نہیں کھولی کہ آپ محبت کے ساتھ اسکو پاس بٹھاتے اور ارشاد فرماتے ہیں کہ مسجد خدا کی عبادت اور پرستش کی جگہ ہے اسکو نجس نہ کرنا چاہیے جاؤ آئندہ خیال رکھو۔ اور صحابہ کو ارشاد ہوتا ہے کہ ڈول لیکر اس جگہ پر پانی بہادو۔ ان چند واقعات ہی پر کیا موقوف ہے۔ آپ کی زندگی مبارک کا ہمیشہ یہ نمایاں طرز عمل رہا کہ جب کسی کو

کوئی نصیحت فرمانا چاہتے، کسی شخص کو اسکے بُرے عمل سے روکنا مقصود ہوتا تو کبھی مجمع میں اسکو مخاطب نہ فرماتے بلکہ بسبیل گفتگو ایک عام ناصحانہ طرزِ بیان میں اس طرح اسکو ادا فرما دیتے کہ مجرم و ملزم خود اپنے قلب میں محسوس کر لیتا کہ اس نصیحت کا گوشۂ التفات میری جانب ہے اور مجمع میں کسیکو شک بھی نہ گذرتا کہ اس ارشادِ مبارک کا کوئی خاص مخاطب ہے۔ یہی وہ طریقِ نصیحت تھا جس نے دشمنوں کو فدائی اور مخالفوں کو آپکا اور آپکی مقدس تعلیم کا والہ و شیدا بنا دیا۔ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ۔ اور اگر آپ درشت مزاج اور سنگدل ہوتے تو یہ سب آپکے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

قبیلہ کندہ کا وفد حاضرِ خدمت ہوتا ہے۔ امیرِ وفد اشعث بن قیس آگے بڑھتا ہے اور مٹھی میں کچھ چھپائے ہوئے عرض کرتا ہے۔

اشعث ۔ بتائیے میری مٹھی میں کیا ہے؟

ختم رسل ۔ سبحان اللہ یہ کاہن کا کام ہے پیغمبر کا نہیں۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ کاہن اور پیشۂ کہانت جہنم کی اشیا ہیں؟ مجھے خدا نے اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا ہے اور وہ کتاب عطا فرمائی ہے جس کے پس و پیش باطل کا گذر تک نہیں ہو سکتا۔

اشعث ہمکو بھی اس میں سے کچھ سنائیے۔

ختم رسل، (والصافات) پڑھکر سناتے ہیں۔ جب آیۃ پڑھکر خاموش ہوتے ہیں تو اشعث دیکھتا ہے کہ ریشِ مبارک پر قطراتِ اشک گر رہے ہیں۔

اشعث ۔ آپ رو رہے ہیں۔ کیا اُس خدا کے خوف سے روتے ہیں جس نے آپکو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔؟

ختم رسل ہاں اُسی کے خوف سے روتا ہوں اسلئے کہ اُس نے مجھکو اُس صراطِ مستقیم پر

قایم کیا ہے جو شمشیر آبدار کے درمیان ہے کہ اس صراط سے ادنیٰ کجی ہلاکت تک پہنچا دیتی ہے اور یہ آیۃ تلاوت فرمائی۔

لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۙ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا۔

اگر ہم چاہتے تو اس شے کو چھین لیتے جو تیری طرف ہمنے وحی کی ہے پھر تجھے ہمپر اس کے بارہ میں کوئی وکیل نہ ملتا مگر یہ کہ تیرے رب کی رحمت ہی ہو جائے بیشک تیرے رب کا فضل تجھ پر بڑا ہے۔

پھر ارشاد فرمایا اے اشعث کیا تم اب بھی اسلام قبول نہ کرو گے۔

اشعث اور اس کی جماعت۔ بیشک ایسے پاک اور مقدس مذہب کو ہم بخوشی قبول کرتے ہیں

ختم رسل۔ تب یہ حریری لباس اتار پھینکو کہ اسلام مردوں کے لئے اسکی اجازت نہیں دیتا یہی وجہ ہے کہ خدائے برتر نے خود اپنی کتاب اور آخری قانون کو ایک جگہ موعظۃ ہی سے تعبیر فرمایا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ لوگو بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی نصیحت آ چکی۔ گویا قرآنی اصطلاح میں موعظہ اسیکا نام ہے جو موعظہ حسنہ ہو ورنہ اس کے برعکس طریق کار کو موعظۃ کہنا ہی قطعاً غلط اور لغو ہے۔

مجادلہ حسنہ

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ۔ (انفال)

وہ آپ سے سچی بات میں اس کے صاف طور پر ظاہر ہونے کے بعد بھی جھگڑ رہے تھے گویا وہ دیکھتی آنکھوں موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ

بعض آدمی ایسے ہیں جو اللہ کے بارہ میں بغیر کسی

بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ (حج)

واقفیت (دلیل) اور ہدایت اور روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں۔

رہبر راہ صداقت، ہادی صراط مستقیم، ایک گم کردہ راہ کے سامنے اپنی حجت و دلیل قایم کرنے، رشد و ہدایت پہ لانے اور نور صداقت سے اس کے قلب کو روشن کرنے میں پہلے اور دوسرے طریق کار یعنی حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعہ بھی کامیاب نہ ہو سکے تو خدائے برتر کی برگزیدہ کتاب، اور مقدس قانون، "قرآن عزیز"، نے بحث و نظر کے تیسری اور آخری فطری طریق سے بھی اسکو نہیں روکا بلکہ واضح طور پر ترغیب دی ہے کہ اسکے بعد مباحثہ اور مناظرہ "کہ جسکو قرآنی زبانی میں مجادلہ کہا جاتا ہے" کی راہ اختیار کیجائے تاکہ خدا کی حجت تمام ہو اور روز فردا عذر و معذرت کے تمام دروازے اس پر بند ہو جائیں۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ"

اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتائے ان کے نصیب کا جو کچھ ہے انکو ملجائیگا۔ حتیٰ کہ جب ہمارے فرشتے ان کی روح قبض کرنے آئیں گے تو انسے کہیں گے کہ وہ کہاں ہیں جنکی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم سے غائب ہو گئے اور اپنے کافر ہونے کا خود ہی اقرار کرینگے۔"

اور اگر خدا کی رحمت اس کی یاور مددگار ہے اور اس آخری منزل ہی پر وہ شمع ہدایت

کا پروانہ بنجاتا اور حق و صداقت کی روشنی سے بہرہ ور ہوجاتا ہے۔ تو زہے سعادتمند ہی! اسلئے کبھی قبولِ حق اور فداکاری صداقت" روزِ قیامت" فلاحِ ابدی اور کامرانی سرمدی کے ساتھ بصد خوشی و مسرت اُس سے یہ کہلائے گی۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهٰذَا (قف) وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ ج لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُودُوا أَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ○

اور وہ کہیں گے اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہونچایا اور ہماری یہاں تک کبھی رسائی نہوتی اگر اللہ تعالیٰ ہمکو یہاں تک نہ پہونچاتا۔ واقعی ہمارے ربکے پیغمبر سچی باتیں لیکر آئے تھے۔ اور انہیں پکار کر کہدیا جائیگا کہ یہ جنت تمکو تمہارے اعمال کے بدلے دی گئی ہے۔"

مگر یہ خوب سمجھ لوکہ دعوت الی اللہ اور تبلیغ حق و صداقت کے اس تیسرے دور میں بھی قانونِ الٰہی کے اس طریق کو نہ بھول جانا جسکو اس مقصدِ وحید کا مدار اور محور بتایا گیا ہے مجادلہ ضرور ہو لیکن جدالِ حسن کے ساتھ ضرورتِ مناظرہ کیوقت مناظرہ ہونا چاہیے مگر حُسنِ ادا، حُسنِ خطابت، اور دل نشین طرزِ کلام کو ہاتھ سے نہ دیا جائے۔

اور صرف یہی کافی نہیں بلکہ قرآن عزیز نے جدالِ حسن اور جدالِ غیر حسن کا فرق ایک دوسری جگہ اس طرح واضح کر دیا ہے کہ ہمکو اسکی تفصیل معلوم ہوجانے کے بعد ایک لمحہ کے لیے بھی کسی مزید انکشاف کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ قرآنِ عزیز نے مجادلہ کی ضرورت واضح کردینے کے باوجود آیتِ زیرِ عنوان میں ان لوگوں کی سخت مذمت کی ہے جو اللہ کے بارہ میں مجادلہ اور مکالمہ تو کرتے ہیں لیکن انکے پاس اپنے دعوے کا نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ اس سلسلہ کی کوئی واقفیت۔

حقایقِ مذہبی و دینی کے لئے، یا یوں سمجھئے کہ علم الٰہیات میں اثباتِ مقصد کیلئے وحیِ الٰہی، علم صحیح، اور رشد و ہدایت کی روشنی کے بغیر کبھی کوئی شخص کامیاب و فائز المرام نہیں ہو سکتا۔ اور جو شخص بھی ان اسباب سے خالی ہو کر میدانِ مجادلہ میں آئیگا اس پر بجز "خسرانِ مبین" کے کبھی راہِ حقیقت نہیں کھل سکتی۔ اور اس قسم کے مجادلہ کو جو دلیل و براہین سے جدا، علم و ہدایت کی روشنی سے الگ ہو کبھی مجادلہ حسنہ نہیں کہا جا سکتا۔

اور اگر بحث و نظر کا یہ آخری طریق! علم صحیح، دلائل مُثبتہ، اور رشد و ہدایت کے اصول پر مبنی ہو تو پھر مجادلہ حسنہ کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو سکتی ہے؟ اسی کو قانونِ الٰہی نے ایک جگہ اس طرح ادا کیا ہے۔

وَلَقَدْ جِئْنَاهُم بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ "

اور ہمنے ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب بھیجی جسکو ہمنے اپنے علم کامل سے بہت ہی واضح کر کے بیان کر دیا ہے۔ جو مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے "

کیا تم کو وہ واقعہ یاد نہیں؟ ہجرتِ نبوی کا دسواں سال شروع ہے کہ قبیلہ طے کے مشہور سخی حاتم کے لڑکے عدی حاضرِ خدمت ہوتے ہیں آپ انکو عزت و احترام کے ساتھ اپنے قریب جگہ دیتے ہیں اور جب دربارِ نبوی برخاست ہوتا ہے تو عدی پیغمبرِ خدا کے مہمان بنکر ہمراہ ہیں۔ راہ میں ایک بوڑھی عورت آپ کو روکتی اور عرضِ حال کرتی ہے آپ اس کے کام کی خاطر راہ ہی میں بیٹھ جاتے اور ایک عرصہ تک اس کے معاملہ میں مشغول رہتے ہیں۔

عدی یہ دیکھکر دل میں کہتے ہیں کہ بخدا یہ شخص بادشاہ نہیں ہے بیشک اس کی شان ایک پیغمبر کی شان ہے۔ عورت جب اپنے معاملہ کو ختم کر دیتی ہے تو عدی آپکے ہمراہ درِ اقدس پر پہونچتے ہیں دیکھتے ہیں کہ سردارِ دو عالم کا مسکن، قصرِ شاہی کی جگہ غربت کدہ ہے جس کی کل کائنات فقیرانہ ضروریات کو بھی بمشکل پورا کر سکتی ہے اور چمڑے کا ایک بستر جس میں کھجور کی چھال بھری ہے آپ کا بسترِ استراحت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ عدی اس پر بیٹھو۔ عدی عرض کرتے ہیں کہ آپ کی موجودگی میں میرا منصب نہیں ہے کہ اس جگہ بیٹھوں لیکن مہمان کی عزت افزائی آپ کو عزیز ہے اسلئے اصرار ہے کہ اسی جگہ بیٹھو عدی بستر پر بیٹھ جاتے ہیں اور فخرِ کائنات، ختمِ رسل، زمین پر عدی کے سامنے تشریف فرما ہیں۔ شرفِ مہمانی کے بعد پیغامِ الٰہی کی تلقین شروع ہوتی ہے۔

ختمِ رسل ۔ عدی! دینِ حق اختیار کرو کہ دارین کی فلاح کی یہی راہ ہے۔

عدی ۔ میں تو ایک دین پر قایم ہوں یعنی نصرانی ہوں۔

ختمِ رسل ۔ نصرانیت کی حقیقت مجھکو خوب معلوم ہے۔

عدی ۔ کیا آپ مجھ سے زیادہ میری نصرانیت سے واقف ہیں۔

ختمِ رسل ۔ بیشک۔ کیا تم باوجود ادعاءِ نصرانیت، مشرکینِ عرب کے بہت سے معتقدات و اعمال کو نصرانیت میں شامل نہیں کر چکے؟ اور دینِ عیسوی کی صداقت کو تثلیث جیسے مشرکانہ عقائد کے ساتھ خلط ملط نہیں کر چکے؟ عدی! میں جانتا ہوں کہ تم کس لئے دینِ اسلام کو قبول نہیں کرتے؟ تمہارے لئے تین چیزیں قبولِ اسلام سے مانع ہیں۔

تم سمجھتے ہو کہ مسلمان مفلس ہیں، نادار ہیں، اور مشرکین کے مقابلہ میں پست و

زبون حال ہیں سو وہ وقت قریب ہے جبکہ خدا کے فضل سے ان ناداروں کی ناداری اور ان مفلسوں کی مفلسی اس طرح دولت و ثروت سے بدل جائے گی کہ انہیں تمکو سائل و فقیر بھی ملنا مشکل ہو جائیگا۔

نیز تمہارا خیال ہے کہ مسلمانوں کے پاس قوت و شوکت نہیں۔ انہیں اپنے دفاع کی بھی طاقت نہیں۔ عدی! وہ وقت دور نہیں کہ حیرہ[1] کی ایک عورت حرم کعبہ کے طواف کے لیے آئے گی اور شام کے اس خطہ سے حرم تک اس پر کسیکو نگاہ ڈالنے کی بھی جرأت نہو سکے گی۔

تم یہ بھی سمجھتے ہو کہ انکے پاس حکومت نہیں ہے سو وہ وقت آرہا ہے کہ بابل کے قصور و محلاتِ شاہی انہی مسلمانوں کے پیروں سے پامال ہونگے اور یہی فاتح قوم ہوگی جو ان محلات کے خزانوں پر قبضہ کریگی۔ عدی کا دل آپ کے اس پیغمبرانہ کلام، کریمانہ اخلاق، اور معجزانہ بشارات سے بیحد متاثر ہوتا ہے اور وہ برضا و رغبت اسلام قبول کر لیتے ہیں۔

اور کیا تم نے وہ واقعہ نہیں سُنا؟ یہی سنہ ہجری کا زمانہ ہے اور وفود کی آمد کا سلسلہ اسطرح جاری ہے کہ "یدخلون فی دین اللہ افواجا" کا منظر نشاط کا باعث بن رہا ہے۔ انہی میں قبیلۂ بنی سعد بن بکر کا نمائندہ ضمام بن ثعلبہ بھی ناقہ پر سوار دربار قدسی میں حاضر ہوتا ہے۔ رسولِ کرم صلے اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں صحابہ کے درمیان اس طرح جلوہ افروز ہیں جس طرح کہ ستاروں کے جھرمٹ میں بدرِ کامل۔ ضمام ناقہ کو مسجد کے دروازہ سے باندھ کر مسجد میں پہنچتے ہیں اور آدابِ مجلس اور احتراماتِ محفل سے

---

[1] حیرہ ایک مقام کا نام ہے جو شام کے علاقہ میں واقع ہے۔

بغیر سادگی سے دریافت کرتے ہیں تم میں ابنِ عبد المطلب کون ہے؟ آپ نے زیرِ تبسم فرمایا ابن عبد المطلب میں ہوں۔ ضمام نے کہا محمد؟ آپ نے فرمایا ہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ضمام آپ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ میں تم سے چند سوال کرتا ہوں مگر لہجہ سخت ہوگا اور طرزِ خطاب درشت، برا نہ ماننا؟ حضرت نے ہنستے ہوئے ارشاد فرمایا۔ نہیں میں ناراض نہ ہونگا۔ تم شوق سے جو جی چاہے اور جس طرح جی چاہے دریافت کرو۔ ضمام نے کہا کہ اُس خدا کی قسم جو تمہارا خالق ہے اور اگلے اور پچھلوں کا بھی خالق ہے کیا واقعی تم خدا کے رسول اور ایلچی ہو؟ آپ نے فرمایا "اللھم نعم" اللہ گواہ ہے واقعی میں اُسکا پیغمبر ہوں۔ ضمام نے پھر اسی طرح قسم دیکر پوچھا کیا تم واقعی خدا کے سوا اور معبودوں کی پرستش کو منع کرتے ہو؟ آپ نے پھر جواب دیا "اللھم نعم" اس طرح ضمام بے تکلف بے باکانہ فرائضِ اسلام کے بارہ میں آپ کو قسمیں دے دے کر سوال کرتے جاتے ہیں اور آپ بغیر کسی ناگوارئ خاطر کے زیرِ لب تبسم کے ساتھ جواب مرحمت فرمارہے ہیں۔ ضمام پر آپ کے اخلاقِ کریمانہ اور اس بے ساختگی، سادگی اور مساویانہ سلوک کا بجا اثر ہوا اور وہ فوراً مشرف باسلام ہوگئے اور اپنی قوم میں جاکر قبیلہ کے تمام مرد و زن کو آپ کے صدق و دیانت کا حال سُنایا اور اُن سب کو بھی حلقہ بگوشِ اسلام بنا لیا۔

یہ ہے دعوت و طریقِ دعوت کا وہ مختصر نمونہ جو قرآنِ عزیز کی سچی تعلیم اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے ہمکو حاصل ہوتا ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس صحیح طریق کار پر عامل ہوتے اور خود ساختہ مذاہب کے غیر فطری اصولِ مباحث سے جدا رہ کر دعوتِ حق کو سر انجام دیتے ہیں۔ واللہ یھدی من یشآء الی صراط مستقیم

ڈسٹرکٹ جیل دہلی

۲۱ اپریل ۱۹۳۲ء

فرامینِ سیّد المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَاۤ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ
وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ
مِنَ النَّاسِ ؕ

ترجمہ

اے رسول جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے اور اگر آپ ایسا نہ کرینگے تو آپ نے اللہ تعالے کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عزم دعوت

قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ
اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعَاﰳ الَّذِیۡ لَهٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ
وَالۡاَرۡضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ
فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهِ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ
الَّذِیۡ یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَکَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوۡهُ
لَعَلَّکُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ (اعراف)

آپ کہدیجئے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا
پیغامبر ہوں جس کی بادشاہی ہے تمام آسمانوں اور زمینوں
میں، اسکے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہی زندگی دیتا ہے
اور وہی موت، سو اُسپر اور اُس کے اس نبی امی پر
ایمان لاؤ جو خود اللہ اور اُسکے احکام پر ایمان لایا ہے
اور اسکا اتباع کرو تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ۔

ہجرت کا چھٹا سال ختم ہو رہا ہے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم، حدیبیہ کی صلح سے فارغ ہو کر مدینہ میں رونق افروز ہیں۔ حسب معمول خدا کاران اسلام، اور شیدایان توحید،

لے رحمۃ للعٰلمین جب صلح حدیبیہ سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ تشریف لائے اس وقت ذی الحجہ ۶ھ ہجری کی آخری تاریخیں تھیں فوراً تشریف لاتے ہی آپ نے اس اہم مقصد کی تکمیل کا ارادہ فرمایا۔ صحابہ کی اس درخواست پر کہ دعوت اسلام کے والانا موں پر اسم مبارک بطور مُہر کے ثبت ہونا چاہیے۔ آپ نے چاندی کی انگشتری بنوائی اور اس کے نگینہ پر اسم مبارک نقش کرایا اس مصروفیت میں کچھ روز صرف ہوگئے اور جب با مُہر شدہ نامہ ہائے مبارک سفراء کی سپرد کئے گئے اور صحابہ کی یہ جماعت اس خدمت کیلئے مدینہ سے روانہ ہوئی تو محرم ۷ھ ہجری شروع ہو گیا۔ اسلئے عام کتب سیر میں اس واقعہ کے متعلق جو ۶ھ و ۷ھ کا اختلاف نظر آتا ہے اس کی حقیقت صرف اسی قدر ہے۔ طبقات ابن سعد کی ایک روایت میں اسکی صراحت موجود ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما رجع من الحدیبیۃ فی ذی الحجۃ سنۃ ست ارسل الرسول الی الملوک یدعوھم الی الاسلام وکتب الیہم کتباً الخ آگے چلکر کہتے ہیں۔ فخرج ستۃ نفر منہم فی یوم واحد وذالک فی المحرم سنۃ سبع انتہیٰ۔

شمع رسالت کے گرد پروانہ وار جمع ہیں یکایک زبانِ وحی ترجمان سے آپ نے ارشاد فرمایا!! خدائے برتر نے مجھکو تمام عالم کے لئے رحمت بناکر بھیجا ہے اور میں کل دنیا کیلئے پیغمبر بنکر آیا ہوں۔ اسلئے میرا ارادہ ہے کہ خدا کا یہ پیغام امراؤ سلاطین تک بھی پہنچا دوں تاکہ خدا کی حجت تمام ہو اور پیغامِ الٰہی اور دعوت ربانی سے دنیا کی کوئی جماعت محروم نہ رہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ نے خدمتِ اقدس میں عرض کیا۔ شاہانِ عجم کا دستور ہے کہ وہ کوئی تحریر جب تک کہ مہر شدہ نہو مستند نہیں مانتے اور نہ اسکو پڑھتے ہیں۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے اس قول کی تائید دوسرے صحابہ نے بھی کی۔ صحابہ کی اس درخواست پر ارشاد ہوا کہ چاندی کی انگشتری پر اسم مبارک نقش کیا جائے۔ ارشادِ قدسی کے مطابق چاندی کی انگشتری تیار کی گئی جس کا نگینہ حبشہ کی ساخت و تراش کا بنایا گیا۔ نگینہ پر اسم مبارک اس طرح نقش تھا۔ محمد رسول اللہ یہی وہ مہرِ نبوت[1] تھی جو دعوتِ اسلام کے خطوط کے علاوہ مختلف فرامینِ رسالت پر ثبت ہوتی تھی۔

خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب نمازِ صبح سے فارغ ہوتے تو مسجد ہی میں ذکر و شغل میں مشغول رہتے اور حضراتِ صحابہ بھی آپکے ہمراہ مسجد نبوی میں خاموش ذکر و شغل میں مصروف رہتے۔ جب آپ تسبیح و تہلیل ختم فرمالیتے تو صحابہ سے شبِ گذشتہ کے حالات و واقعات دریافت فرمایا کرتے تھے۔ کوئی شخص خواب

(۱) یہ انگشتری خلافتِ صدیقی۔ فاروقی اور ابتدائے زمانہ خلافتِ عثمانی تک باقی رہی اور خلفائے راشدین کے احکامات پر ثبت ہوتی رہی لیکن خلافت عثمانی ہی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مدینہ طیبہ کے ایک کنوئیں میں جسکو بیر اریس کہتے ہیں گر گئی۔ تین روز برابر تلاش کرائی گئی لیکن کسی طرح نہ مل سکی (طبری، زرقانی)

بیان کرتا اس کی تعبیر بیان فرما دیتے اور اگر کسی نے کوئی حاجت بیان کی تو اس کی حاجت کو پورا فرماتے۔

شروع محرم ۷ھ ہجری کی صبح کو آپ نے حسب معمول صحابہ سے انکے حالات دریافت فرمائے اور اس سے فارغ ہو کر ارشاد فرمایا کہ وقت آپہونچا کہ میں تمکو تبلیغ اسلام کے لئے مختلف ممالک کی طرف بھیجوں۔

دیکھو! تمہارا وجود اور تمہاری ہستی امر بالمعروف کے لئے وقف ہونی چاہئے۔ خدا کی جنت اُس شخص پر حرام ہے جو دنیا والوں کے معاملات میں شریک رہتا ہو اور اُن کو امورِ خیر کی نصیحت نہیں کرتا۔ جاؤ خدا کے بھروسہ پر دنیا کے بادشاہوں کو اسلام کا یہ پیغام سُنا دو۔ تمکو حواریِ عیسٰی بن مریم علی الصلوٰۃ والسلام کی طرح نہ ہونا چاہئے کہ جب خدا کے پیغمبر عیسٰی علیہ السلام نے انکو دعوتِ اسلام کیلئے مختلف شہروں میں بھیجا تو انہوں نے اپنی راحت طلبی کی خاطر قریب کے شہروں میں تو حضرت عیسٰی کا امتثالِ امر کیا لیکن دور دراز مقامات تک پیغامِ حق پہنچانے میں قاصر رہے اور نفس کی کارفرمائی نے انہیں ابلاغِ ملت کے مقدس کام سے باز رکھا۔

عجیب واقعہ

ابن سعد نے طبقات میں اور محدث ابن ابی شیبہ نے مصنّف میں اس سلسلہ میں ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کو مختلف سلاطین کے پاس دعوتِ اسلام کے لئے قاصد بنا کر بھیجنا چاہا تو ہر ایک قاصد قدرتاً اُس ملک کی زبان بولنے اور سمجھنے لگا جس کی طرف اسکو روانہ کیا جا رہا تھا حضراتِ صحابہ نے اس معجز نما واقعہ کا خدمتِ اقدس میں

ذکر کیا آپ نے ارشاد فرمایا۔"ھٰذا اعظم ما کان من حق اللہ علیہم فی امر عبادہ"

لیکن بخاری و مسلم اور انکی مشہور عالم شروح فتح الباری۔عمدۃ القاری اور نووی میں اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔اسی طرح حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں، قاضی عیاض نے شفا میں، اور زرقانی نے شرح مواہب میں جہاں ان پیغامات کا تذکرہ فرمایا ہے اس روایت کا کوئی پتہ نہیں دیا۔بایں ہمہ ابن سعد اور ابن ابی شیبہ کی یہ روایت سند کے اعتبار سے قابلِ قبول ہے اگرچہ اس رتبہ اور پایہ کی نہیں ہے جو ان محدثین کی بیان کردہ شرائط پر پوری اتر سکے۔

لیکن ابن ہشام نے اس واقعہ کی نسبت حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حواریون کے ساتھ کی ہے۔یعنی جب حضرت عیسٰی علیہ السلام نے تبلیغ اسلام کے لئے حواریوں کو مختلف شہروں میں روانہ کرنا چاہا تو جنکو قریب کے شہروں میں مامور کیا وہ جانے پر راضی ہو گئے مگر جنکو مسافتِ بعیدہ پر مامور کیا انہوں نے جانے سے گریز کیا۔حضرت عیسٰی علیہ السلام نے یہ محسوس کیا تو خدائے تعالیٰ سے دعا کی اور آپکی دعا کا یہ اثر ہوا کہ مسافتِ بعیدہ پر جانیوالے اُن ملکوں یا شہروں کی زبان بولنے لگے جہاں انکو بھیجا جا رہا تھا۔بہر حال روایت اپنے صحت وسقم کے اعتبار سے خواہ قابلِ بحث و محلِ نظر ہی ہو لیکن یہ امر مسلّم ہے کہ جن صحابہ کو مختلف ممالک میں ان والا ناموں کی سفارت پر مامور کیا گیا وہ ان ممالک کی زبان بولنے اور سمجھنے پر اس قدر ضرور قادر رہتے کہ وہ اپنے مقصدِ تبلیغ کو بخوبی ادا کر سکیں۔واقعات کی تفصیل اس کی شاہد ہے۔

غرض اس سال آپ نے چھ بادشاہوں کے نام دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں نامہائے مبارک بھیجے۔

سفراء و سلاطین کی فہرست یہ ہے

نام سفیر	نام بادشاہ
عمرو بن امیہ ضمری	اصحمہ بن ابجر نجاشی حبشہ
دحیہ کلبی	ہرقل قیصر روم وضغاطر حاکم رومیہ
عبداللہ بن حذافہ سہمی	خسرو پرویز کجکلاہ ایران وہرمزان
حاطب بن ابی بلتعہ	مقوقس عزیز مصر
شجاع بن وہب الاسدی	حارث غسانی گورنر حدود شام
سلیط بن عمرو بن عبد سلمی	ہوذہ بن علی

پہلا پیغام شاہِ حبشہ کے نام

حبشہ۔

یہ نام عربی ہے۔ یونانی اس قطعہ زمین کو ایتھوبیا اور اہل یورپ ابی سینیا کہتے ہیں۔ اور یہی قوم عربی میں حبشی، یونانی میں ایتھوپین، یوروپین زبانوں میں ابی سینین، اور خود انکی اپنی زبان میں جبیز کہلاتی ہے۔

عربی زبان میں حبش کے معنی خلط کے ہیں۔ اہل عرب کے نزدیک یہ ایک مختلط النسب قوم ہے اسلئے اس کا نام بھی حبش رکھدیا گیا یہ قوم دراصل سامی عرب اور حامی نسل کے ان مختلف قبائل کے مجموعہ سے عالم وجود میں آئی جو کہ سواحلِ عرب کے جنوبی حصہ زمین کے باشندہ تھے اور ولادت مسیح علیہ السلام سے قبل حبشہ میں

جا بسے تھے جرمن مستشرق نولڈیکی ماہر السنہ سامیہ کا بیان ہے۔

حبشی (ایتھوپی) زبان وخط، سبائی سے قریب ومشابہ ہے۔ اہل حبش (اکسوم)
بالکل سامی نہیں ہیں بلکہ اصل باشندوں کے ساتھ عرب کے مختلف قبائل
مختلف اقطاع کے مل گئے ہیں(۱)۔

عرب کے یہ سبائی قبائل جنکے اختلاط سے حبشی قوم بنی اس اختلاط کے بعد دو مستقل خاندانوں پر منقسم ہو گئے۔ سبا حبش۔ اور سبا حمیر۔ سبائے حبش کی حکومت تقریباً تیسری صدی عیسوی کے آخر اور چوتھی صدی کے شروع میں ملک حبش پر قایم ہوئی اور اس حکومت کا دارالسلطنت حبشہ کے مشہور صوبہ (تجرے) کے شہر اکسوم میں قرار پایا۔ اہل حبش اسکو مقدس شہر سمجھتے ہیں اس شہر کے کھنڈر ابتک باقی ہیں(۲)

نجاشی

اسی حکومت کے حکمرانوں کو اہل عرب(۳) نجاشی کے لقب سے پکارتے ہیں: "نجاشی" دراصل لفظ "نجوس" کا معرب ہے اور نجوس حبشی زبان میں بادشاہ کو کہتے ہیں یہ خاندان پہلے بت پرست تہا۔ شاہان روم نے مصر کے ذریعہ یہاں عیسائیت کی بنیاد ڈالی اور چوتھی صدی عیسوی کے شروع میں اسکندریہ کے ایک بشپ نے یہاں اپنے مشن کا مرکز قایم کیا اور ۳۳۰ء میں سب سے پہلے اذینہ نجاشی حبش نے نصرانیت کو قبول کیا اور اس طرح رفتہ رفتہ تمام حبشہ بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو گیا۔

اصحمہ نجاشی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حبشہ کا بادشاہ تہا اسی اُذینہ کی اولاد سے تہا۔ اور آنیوالے تمام واقعات اسی سے متعلق ہیں۔

---

(۱) ارض القرآن جلد اول ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ (۲) ارض القرآن۔ (۳) اصابہ ومعجم البلدان۔

ہجرتِ حبشہ

قریشِ مکہ نے اسلام دشمنی میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار اصحاب کو حد سے زیادہ تکالیف پہنچائیں اور پرستارانِ توحید کے لئے سرزمینِ مکہ تنگ ہوگئی۔ تب خدا کے مقدس رسول نے صحابہ کو اجازت دی کہ وہ مکہ سے ہجرت کر جائیں اور ارشاد فرمایا کہ حبشہ کا بادشاہ عیسائی ہے اسلئے امید ہے کہ مشرکین کے مقابلہ میں وہ حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آئیگا۔

مہاجرین کے اس پہلے قافلہ میں جو رجب ۵ھ نبوت میں وطنِ مالوف کو خیر باد کہکر حبشہ جا رہا ہے تقریباً بارہ مرد اور چار عورتیں تھیں (۱)۔ اور سالار کارواں حضرت عثمان ذی النورین تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کی بی بی سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت روانگی ارشاد فرمایا کہ "لوط علیہ السلام کے بعد عثمان پہلا شخص ہے جس نے خدا کی راہ میں ہجرت کی" (۲)

خوبیٔ قسمت کہ جب یہ کارواں بندرگاہِ جدہ پہ پہنچا تو دو تجارتی جہاز حبشہ جا رہے تھے۔ جہاز رانوں نے معمولی اجرت پر انہیں بٹھا لیا۔ ہر ایک شخص کو صرف ۵ درہم ادا کرنے پڑے۔ مہاجرین کی روانگی کی جب قریش کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے تعاقب کیا۔ لیکن موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ ہجرت کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ تا آنکہ عورتوں اور بچوں کے علاوہ تراسی آدمیوں کا جمِ غفیر حبشہ میں جمع ہوگیا۔ مہاجرینِ اول کی فہرست حسبِ ذیل ہے۔

---

(۱) زاد المعاد جلد اول۔

(۲) روض الانف جلد اول۔

فہرست اسمائے مہاجرینِ اوّل

نام مہاجر	سنہ ولادت	سنہ وفات	مختصر حالات
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ	سنہ ولادت سے تقریباً آٹھ سال بعد	ذی الحجہ ۳۵ھ ہجری جمعہ کا روز	خلفائے راشدین میں سے تیسرے خلیفہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہیں حضرت رقیہؓ و حضرت اُمِ کلثوم کے شوہر ہونے کی وجہ سے ذی النورین کہلائے ۲۴ھ انہتر سال کی عمر میں خلیفہ مقرر ہوئے انکی والدہ (اروی) رسول پاک کی پھوپی زاد بہن تھیں۔
حضرت رقیہؓ	سنہ نبوت سے قبل	۲ھ ہجری	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں حضرت خدیجہ کے بطن سے تولد ہوئیں اوّل عتبہ بن ابی لہب کے عقد میں آئیں اور قبل از رخصتی باپ کے کہنے سے بیٹے نے ان کو طلاق دیدی اس کے بعد حضرت عثمان سے اِن کا عقد ہوگیا۔ اور ہجرت سے ایک سال دس ماہ تین یوم بعد انکا انتقال ہوگیا۔
ابو حذیفہ بن عتبہ			ان کا باپ عتبہ قریش کا مشہور سردار تھا۔ اس کے کافر ہونے کی وجہ سے بیٹے کو وطن چھوڑنا پڑا ابو حذیفہ

نام مہاجر	سنہ ولادت	سنہ وفات	مختصر حالات
			یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔
سہلہ بنت سہیل			حضرت ابو حذیفہ کی زوجہ محترمہ ہیں۔
زبیر ابن العوام	سنہ ولادت سے تیس سال بعد	۳۶ھ ہجری جمادی الاولیٰ	مشہور صحابی ہیں رسول اللہ کے پھوپی زاد بھائی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے ہیں اور حضرت حذیفہ کے رشتہ کے بھتیجے اور حضرت اسماء بنت ابی بکر کے شوہر ہیں۔ جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ بروایت واقدی چونسٹھ سال اور بروایت ابوالیقظان ۶۶ ساٹھ سال عمر پائی، ابن جرموز نے "وادی سباع" میں شہید کیا اور وہیں دفن ہوئے۔
مصعب ابن عمیر	سنہ ولادت سے تقریباً سترہ سال بعد	۳ھ ہجری •	ہاشم کے پوتے اور جلیل القدر صحابی ہیں مدینہ میں اسلام کے سب سے پہلے مبلغ ہیں عقبۂ ثانیہ کے بعد مدینہ پہنچے اور سب سے پہلے مدینہ میں جمعہ قایم کیا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ عقبۂ اولیٰ کے بعد مدینہ بھیجے گئے اور عقبۂ ثانیہ میں اہل مدینہ میں سے ستر انصاریوں کو لیکر مکہ حاضر ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں داخل ہونیکے بعد مسلمان ہوئے اور احد میں شہید ہوئے اور چالیس

نام مہاجر	سنہ ولادت	سنہ وفات	مختصر حالات
			سال یا اس سے زیادہ کی عمر پائی۔
عبدالرحمٰن بن عوف	عام الفیل سنہ ولادت سے دس سال بعد	سنہ ۳۲ھ اجری	جلیل القدر صحابی اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں فاروق اعظم کی منتخبہ مجلس شوریٰ کے چھ ارکان میں سے ایک رکن ہیں قبیلہ بنی زہرہ کے خاندان سے ہیں قدیم الاسلام ہیں صدیق اکبر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ پچھتر سال کی عمر پائی اور بقیع میں دفن ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ننہالی رشتہ دار تھے۔
ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی		جمادی الاخریٰ سنہ ۴ھ	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپی زاد بھائی برّہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے اور آپ کے رضاعی بھائی تھے سابق الاسلام ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں انتقال ہوگیا۔ اصحاب بدر میں سے ہیں۔ عبداللہ نام ہے۔
ام سلمہ			حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی کی بی بی تھیں ابو سلمہ کے انتقال کے بعد نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔
عثمان بن مظعون		شعبان سنہ ۳ھ	ابو سائب کنیت ہے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بہت پیارے صحابی ہیں قریشی النسل ہیں

نام مہاجر	سنہ ولادت	سنہ وفات	مختصر حالات
			چودھویں مسلمان ہیں مدینہ منورہ میں سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا آپ کے انتقال پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا "نعم السلف ہولنا" بقیع میں دفن ہوئے۔
عامر بن ربیعہ عنزی		۳۲ھ	سابق الاسلام ہیں مشہور صحابی ہیں زمانہ جاہلیت میں آل خطاب کے حلیف تھے حضرت عثمانؓ نے سفرِ حج میں ان کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔
لیلیٰ بنت ابی حثمہ			حضرت عامر بن ربیعہ کی بی بی ہیں۔
ابو سبرہ بن ابی رہم			آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی برّہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے ہیں سابق فی الاسلام جلیل القدر صحابی ہیں۔ اصابہ میں ہے کہ یہ ہجرت ثانیہ میں گئے تھے۔
حاطب بن عمرو لخمی		۳۰ھ	حاطب بن ابی بلتعہ کے نام سے مشہور ہیں۔ بدری صحابی ہیں۔ ۶۵ سال کی عمر پائی مدینہ میں انتقال ہوا
سہیل بن بیضا		۹ھ	جلیل القدر صحابی ہیں بیضا والدہ کا نام ہے باپ کا نام وہب ہے بدری ہیں تبوک کی واپسی پر انتقال ہو گیا قریشی النسل ہیں۔
عبداللہ بن مسعود		۳۲ھ	خاندان ہذیل سے تھے بنی زہرہ کے حلیف تھے

نام مہاجر	سنہ ولادت	سنہ وفات	مختصر حالات
عبداللہ بن مسعود	۳۲ھ		ابو عبدالرحمن کنیت تھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیعت رضوان و بدر وغیرہ میں شریک رہے فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں اور اوائل مائۃ حضرت عثمانؓ میں کوفہ کے قاضی رہے اور بیت المال کے خازن۔ رسول اللہ صلعم کے ساتھ اسقدر خصوصیت تھی کہ دیکھنے والے اہل خاندان سے سمجھتے تھے۔ خادم رسول تھے بقیع میں مدفون ہوئے ساٹھ سے کچھ زیادہ عمر تھی۔ مجتہدین صحابہ میں سے ہیں۔

ہجرتِ اولیٰ کے اصحاب کی تعیین

اصحاب حدیث و اربابِ سیر میں حبشہ کی پہلی اور دوسری ہجرت کے افراد کی تعیین کے متعلق قدرے اختلاف نظر آتا ہے یہ اختلاف محض اختصار نویسی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے عینی شرح بخاری میں دو قول منقول ہیں ایک یہ کہ پہلی ہجرت جو ۵ سنہ میں ہوئی اُس میں گیارہ مرد اور چار عورتیں شریک تھیں اور قِیْلَ کہکر لکھتے ہیں کہ ابن جریر اور بعض دیگر اصحابِ سیر کہتے ہیں کہ بچوں اور عورتوں کے علاوہ بیاسی مہاجرین تھے۔ اور سیرت ابن ہشام میں مہاجرینِ اولین کی فہرست میں وہی پندرہ مرد و عورتیں شمار کرائی ہیں اور آگے چلکر کہتے ہیں کہ رفتہ رفتہ یہ تعداد علاوہ بچوں اور عورتوں کے بیاسی یا تراسی تک پہنچ گئی۔ اور یہی حضرات ایک مشہور قصہ کی بنا پر تین ماہ قیام کے بعد مکہ واپس آگئے

اور اس کے بعد ۶ھ ہجری میں سو آدمیوں نے ہجرت کی ابن سعد کا یہی قول ہو بعض دیگر محققین نے بھی اپنی سیرت میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

لیکن واقعات پر تفصیلی نظر ڈالنے اور سیرت و احادیث کے اقوال کو باہم جمع کر کے نتیجہ نکالنے سے یہ قول صحیح نہیں معلوم ہوتا اور اسی لئے عینی نے اس کو قیل کہکر بیان کیا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ۵ھ ہجری میں صرف سولہ صحابہ نے ہجرت کی اور تین ماہ کے بعد یہی جماعت حبشہ سے مکہ معظمہ واپس آگئی اور اس کے بعد ۶ھ ہجری میں علاوہ بچوں اور عورتوں کے تراسی صحابہ نے دوبارہ حبشہ کو ہجرت کی اور یہی مجموعی تعداد سو تک پہنچی ہے۔ اس دعویٰ کی صحت کیلئے چند امور قابل لحاظ ہیں

(۱) کتب سیر و احادیث میں جس طرح ان پندرہ یا سولہ مہاجرین کی روانگی کی تفصیلات یعنی انکا جدہ پہنچنا اور جدہ میں تجارتی جہازوں کا حسب اتفاق ملجانا اور ہر ایک شخص سے نصف دینار (پانچ درہم) اجرت لیکر ان کو جہازوں میں سوار کر لینا مذکور ہیں۔ یا ۶ھ ہجری کے سو مہاجرین کی روانگی اور اون کے پیچھے قریش کا وفد بھیجنا اور اس کے تمام واقعات کے حالات منقول ہیں۔ اس طرح سولہ صحابہ کے بعد بقیہ مہاجرین کے رفتہ رفتہ روانہ ہونے اور تین ماہ میں ان کی تعداد تراسی تک پہنچ جانیکی نہ صرف تفصیلات ہی معدوم ہیں بلکہ اصحاب سیر کی عبارتیں ان کی اس روانگی کے زمانہ کے بارہ میں بھی مختلف ہیں مثلاً ابن ہشام و طبری کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اول پندرہ یا سولہ اصحاب نے ہجرت کی اور بعد میں یہ تعداد علاوہ عورتوں اور بچوں کے تراسی تک پہنچ گئی۔ لیکن یہ کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس تعداد میں ۶ھ ہجری کی تعداد بھی شامل ہے یا تین ماہ کے عرصہ ہی میں یہ تعداد پوری ہو گئی تھی بلکہ ابن ہشام کے طرز

بیان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسنے اختصار کیلئے سنہ ہجری کی تعداد کو بھی شامل کر لیا ہے اسلئے کہ ان ناموں کی نقل کے بعد ہی اس نے مسلمانوں کے تعاقب میں قریش کے وفد کا حبشہ جانا اور اس کا پورا قصہ نقل کیا ہے جس کے بارہ میں اتفاق ہے کہ یہ سنہ ہجری میں دوبارہ حبشہ کی ہجرت کے زمانہ میں پیش آیا ہے صرف ابن سعد نے یہ صراحت کی ہے کہ اول مرتبہ یہ تعداد تراسی تک پہنچی اور سنہ ہجری میں سو صحابہ نے ہجرت کی لیکن پہلی تعداد میں عورتوں اور بچوں کا استثناء اور دوسری تعداد میں اختصار کے ساتھ فقط سو کی گنتی بیان کر دینے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تراسی اور سو کی تعداد ایک ہی واقعہ سے متعلق ہے اور صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے نیز یہ تعداد دراصل سنہ ہجری ہی کے زمانہ سے متعلق ہے۔

(۲) اس ہجرت کی مدت کل ۳ مہینہ ہے۔ رجب المرجب میں ہجرت ہوئی اور شوال میں یہ سب حضرات مکہ معظمہ واپس آگئے۔ اور یہ معلوم ہے کہ اُس زمانہ میں سفر اسقدر آسان نہ تھا مکہ سے حبشہ کا سفر اور بحری سفر اور جہاز بھی بادبانی۔ پس اس قلیل مدت میں مختلف اوقات میں قافلوں کی روانگی اور حبشہ میں ان کا پہنچ جانا اور قیام کے بعد شوال تک واپس آجانا تاریخ اور عقل دونوں کے فیصلے کے خلاف ہے۔

(۳) اصحمہ نجاشی حبش نے سنہ ہجری نبوت میں حضرت جعفر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور اسپر اتفاق ہے کہ حضرت جعفر حبشہ کی ہجرت اولیٰ میں نہیں بلکہ ہجرت ثانیہ میں شریک ہوئے اور ہجرت اولیٰ میں بیاسی کی تعداد ذکر کرنے والے اس تمام واقعہ کو ہجرت اولیٰ کے وقائع میں ذکر کرتے ہیں یہ کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔

بہر حال مہاجرین کا یہ قافلہ مکہ سے چلکر ساحل جدہ پر پہنچا خوبیٔ قسمت یہ کہ جدہ کی گودی پر دو تجارتی جہاز حبش جانیوالے لنگر انداز تھے اور فوراً ہی واپس ہوجانیوالے تھے۔ مہاجرین نے اُنسے معاملہ کیا اور پانچ درہم فی کس کے حساب سے کرایہ طے پایا اور اس طرح وہ بخیر وخوبی حبشہ جا پہنچے۔

مہاجرینِ حبشہ کی واپسی۔

ابھی مہاجرین کو یہاں آئے ہوئے تین ہی ماہ گذرے تھے کہ شوال ۵ھ نبوت میں یہ تمام مہاجرین مکہ معظمہ واپس آگئے مہاجرین کی اچانک واپسی کے متعلق عام کتب سیر میں جو واقعہ نقل کیا ہے پہلے اس کو بیان کر دیا جائے اور اس کے بعد اصل حقیقت پر غور کیا جائے۔

طبری۔ ابن اسحٰق۔ ابن مردویہ۔ ابن منذر اس واقعہ کی اس طرح روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم میں سورہ والنجم تلاوت فرمائی اور جب آپ آیۃ ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ پر پہنچے تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دئیے تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتہن لترتجی۔ یہ بت بہت محترم ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے۔

مشرکین یہ سنکر بیحد مسرور ہوئے اور جب ختم سورت پر آپنے سجدہ کیا تو تمام مشرکین نے اس خوشی میں آپ کا اتباع کیا اور سب سجدہ میں گر گئے۔ شدہ شدہ یہ خبر حبشہ میں مسلمانوں تک پہنچی اور اس اضافہ کے ساتھ پہنچی کہ تمام مشرکین مکہ مسلمان ہوگئے۔ مہاجرین کے لئے یہ معمولی مسرت نہ تھی یہ خبر سنکر مکہ معظمہ واپس آگئے مہاجرین کی واپسی کا یہ واقعہ ۵ھ نبوت میں پیش آیا۔

یہ بے سروپا روایت عقل ونقل دونوں اعتبار سے ناقابلِ اعتماد ہے

قاضی عیاض شفاء میں اس واقعہ کو نقل کر کے کہتے ہیں۔

لم تخرجہ احد من اھل الصحۃ	اہل صحت میں سے کسی نے اس روایت کو نہیں بیان کیا
ولا رواہ ثقۃ بسند سلیم	اور نہ کسی ثقہ نے معتبر سند سے اس کو روایت کیا۔

علامہ عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں

فلا صحۃ لہ نقلاً ولا عقلاً	یہ روایت عقلاً ونقلاً دونوں طرح درست نہیں

اور نووی رح لکھتے ہیں۔

لا یصح فیہ شئی لا من جھۃ النقل ولا من جھۃ العقل۔	اس بارہ میں کوئی چیز صحیح نہیں ہے نہ عقلی اعتبار سے نہ نقلی اعتبار سے۔

اسی طرح بیہقی حافظ منذری۔ ابن کثیر وغیرہم کبار محدثین اس روایت کے بطلان پر متفق ہیں۔ البتہ حافظ ابن حجر عسقلانی رح روایت کی مختلف اسانید میں سے تین سندوں کو صحیح کی شرط پر بتاتے ہیں باایں ہمہ یہ تصریح کرتے ہیں کہ یہ تینوں سندیں مرسل ہیں یعنی درمیانِ سند سے صحابی کا نام رہ گیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں۔

وقد ذکرنا ان ثلثۃ اسانید منھا علی شرط الصحیح وھی مراسیل یحتج بمثلھا من یحتج بالمراسیل	ہم بیان کر چکے ہیں کہ تین سندیں اس روایت کی صحیح کی شرط کے مطابق ہیں اور یہ روایتیں مرسل ہیں اور جو لوگ مرسل روایتوں کو قابل حجت سمجھتے ہیں وہ اس سے استدلال کر سکتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ کبار محدثین کی ایک جماعت مرسل روایات کو قابل صحت سمجھتی ہے لیکن

ان کے نزدیک بھی ان کی صحت اسی وقت قابل قبول ہے جبکہ ارسال کے علاوہ اس روایت میں عقل و نقل کے اعتبار سے کوئی سقم نہ ہو اور جبکہ کبار محدثین اس روایت کو عقلاً و نقلاً باطل ٹھیراتے ہیں تو محض ان کی مرسل اسناد کی صحت روایت کی صحت کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔

متن حدیث کی عدم صحت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اگر اس روایت کو از اول تا آخر صحیح مانا جائے تو اس کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایک منتظم کلام میں بیک وقت ایک شے کی مدح بھی پائی جائے اور مذمت بھی صحابہ اور نہ صرف صحابہ بلکہ تمام مشرکین جو اہل زبان تھے کس طرح یہ یقین کر سکتے تھے کہ جس سورۂ (والنجم) میں اصنام کے لئے یہ آیۃ موجود ہو کہ جسمیں ان صنام کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم و اباؤکم ما انزل اللہ بھا من سلطان — یہ بت کچھ بھی نہیں ہیں صرف تمہارے اور تمہارے باپ دادا کی من گھڑت ہیں جنکے لئے اللہ کی طرف سے کوئی دلیل نازل نہیں ہوئی۔

اسی سورت میں ان اصنام کی اس طرح مدح سرائی بھی موجود ہو جو تلک الغرانیق العلےٰ سے معلوم ہوتی ہے۔

ایک معجز کلام باری میں تو اس کی کس طرح گنجایش ہو سکتی ہے جبکہ ایک فصیح و بلیغ کے کلام میں بھی ممکن نہیں؟

لہذا یہ ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی مشرکین یا صحابہ کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ سورۃ والنجم میں یہ جملے بھی شامل ہیں یا پیغمبر کی زبان سے العیاذ باللہ شیطان نے ادا کرا دیے۔

نیز جبکہ قرآنِ عزیز کی اسی سورۃ میں صراحت کیساتھ یہ فیصلہ موجود ہے

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ۔	اور وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے یہ (قرآن) وہی وحی ہے جو ان پر وحی کیگئی ہے۔

تو پھر ایک ایسی روایت کو جسمیں سند و متن دونوں اعتبار سے سخت سقم ہو کس طرح قبول کیا جاسکتا ہے۔

اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اس قسم کی توجیہات کے درپے ہوں جیسی کی صاحب مواہب نے بیان کی ہے۔

قیل انه لما وصل الی قوله ومناة الثالثة الاخریٰ خشی المشرکون ان یاتی بعدھا بشیٔ یذم الھتھم فبادروا الی ذلك الكلام فخلطوه فی تلاوة النبی صلی الله علیه وسلم علی عادتھم فی قولھم لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیه اوالمراد بالشیطان شیطان الانس۔	بعض کا خیال ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت پر پہنچے ومناۃ الثالثۃ الاخری تو مشرکوں کو ڈر ہوا کہ اس کے بعد ان کے معبودوں کی برائی کی جائے گی اسلئے انہوں نے جلدی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت میں یہ جملے خلط کرکے پڑھ دیئے جیسا کہ ان کی عادت تھی کہا کرتے اس قرآن کو مت سنو اور اس میں گڑبڑ مچادو یا شیطان سے مراد شیطان آدمی ہے۔

مزید برآں یہ کہ اگر یہ واقعہ اس طرح صحیح ہوتا جیسا کہ روایت سے ثابت ہے تو جس طرح مشرکین یہود اور نصاریٰ نے تحویل قبلہ کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و تشنیع کی اور اپنے زعم باطل میں آپ کو ملزم بنانے کی کوشش کی جیسا کہ قرآنِ عزیز نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوْا عَلَيْهَا

عنقریب بیوقوف لوگ یہ کہیں گے کس بات نے ان مسلمانوں کو اس پہلے قبلہ (بیت المقدس) سے پھیر دیا (کعبہ کی طرف)؟

مقابلے اور جھگڑے کے وقت یہ الزام بھی دیا کرتے کہ آج تم ہمارے معبودوں میں عیب ڈالتے ہو اور کل خود تمہارے پیغمبر نے ان کی تعریف مجمع کے سامنے کی تھی۔ لیکن تمکو معلوم ہے کہ تاریخ وسیر کے تمام صفحات اس سے یکسر خالی ہیں اور کسی ایک موقعہ پر بھی اس اعتراض کا تذکرہ نہیں آتا۔

نیز یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے جو روایت اس سلسلہ میں منقول ہے اس میں یہ بھی ہے کہ

فسجد وسجد من كان معه الا رجلاً اخذ كفاً من حصىً وضعه على جبهته وقال يكفيني هذا

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ والنجم پڑھی تو سجدہ کیا اور آپکے تمام ساتھیوں نے بھی سجدہ کیا بجز ایک آدمی کے کہ اس نے ایک مٹھی کنکریاں لیں اور پیشانی پر لگالیں اور کہنے لگا کہ مجھے یہی کافی ہے۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ فَرَاَيْتُهٗ قُتِلَ بَعْدُ كَافِرًا! میں نے دیکھا کہ بعد میں وہ کافر ہو کر مرا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سجدہ کرنے والی جماعت مسلمانوں ہی کی تھی اور اس میں ایک ضعیف الاسلام شخص تھا جس نے سجدہ نہ کیا اور مٹھی بھر کنکریوں سے پیشانی کو چھولیا۔ اور انجام کار کفر کی حالت میں مرا۔ اور اگران تمام مباحث سے قطع نظر کرکے اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی مہاجرینِ حبشہ کی واپسی کا اس روایت سے دور کا بھی تعلق نہیں

ہے اسلئے کہ ہجرت رجب کے مہینہ میں ہوئی اور حبشہ سے واپسی ابتداءِ شوال میں پیش آئی اور سورۂ والنجم رمضان المبارک میں نازل ہوئی ہے۔

تو اب ایسی حالت میں جبکہ سفر کے وسائل نہایت محدود ہوں جہاز بھی دخانی نہوں بلکہ بادبانی ہوں جہازوں کی آمد و رفت کے اوقات بھی آج کی طرح معین نہ ہوں۔ نہ ٹیلیفون ہے، نہ ٹیلیگراف، اور نہ ڈاک کا کوئی باقاعدہ سلسلہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک ماہ کے اندر والنجم کے نزول، اور تمام قصہ کی مکہ سے حبشہ تک اطلاع بھی پہنچ جائے اور اس اطلاع پر تمام مہاجرین حبشہ سے مکہ معظمہ واپس بھی آجائیں۔

پس نہ یہ روایت کسی طرح قابل اعتبار رہے، اور نہ مہاجرین کی واپسی کیلئے اُسے سبب قرار دیا جانا صحیح ہوسکتا ہے بلکہ اس واپسی کی اصل وجہ صرف یہ ہے کہ وطن سے ہجرت کر کے دور دراز ملک میں مستقل قیام۔ اور قیام بھی ایسی حالت میں کہ عزیز و اقارب چھوٹے دوست احباب چھوٹے، مال و دولت چھوٹا، وطن چھوٹا، اور سب سے بڑھکر یہ کہ جس مقدس وجود کی خاطر یہ سب کچھ برداشت کیا۔ اسکے شرفِ صحبت سے بھی محروم ہوگئے۔ اور یہ سب کچھ چھوڑنے والے لوگ بھی وہ ہوں جو مکہ معظمہ میں نادار نہ تھے۔ صاحب مال و منال تھے خاندانی اعتبار سے ذی عزت و ذی حشمت تھے۔ انکا اس بے سرو سامانی کے ساتھ حبشہ میں عرصہ دراز تک قیام خوشگوار ثابت نہ ہوا۔ اور یادِ وطن نے بےچین کر کے تین مہینہ بعد پھر مکہ پہنچا دیا۔

ہجرتِ ثانیہ

لیکن مہاجرین جب مکہ معظمہ واپس آگئے تو کفار نے اور زیادہ ایذائیں دینی شروع کیں اور مسلمانوں کو پہلے سے زیادہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑا لہذا مجبور ہو کر مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ دوبارہ ہجرت کیجائے مگر اب کی مرتبہ یہ کام آسان نہ تھا۔ قریش پہلے سے مقابلہ کیلئے

تیار تھے اسلئے سخت مزاحمت ہوئی مگر اس کے باوجود تقریباً سو آدمی (تراسی مرد اور اٹھارہ عورتیں) دوبارہ حبشہ کو ہجرت کر کے چلے گئے۔ اور وہاں باطمینان زندگی بسر کرنے لگے۔

مہاجرین کی اس جماعت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور عبیداللہ بن جحش اور انکی بی بی ام حبیبہ بھی شامل تھیں۔

قریش کا وفد

قریش نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت حبشہ میں نہایت اطمینانؓ آرام کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہے اور مذہبی آزادی کے ساتھ بے خوف وخطر اپنے مشاغل میں مصروف ہے تو بغض وحسد کی آگ انکے قلب میں مشتعل ہو گئی اور ہر ایک کے دل میں نئی سازش کی ایک لگن لگ گئی تاکہ مسلمانوں کے اس امن واطمینان میں خلل پڑے اور ہمارے یہ شکار پھر ہمارے قبضہ میں آجائیں۔

آخر کار باہمی مشاورت کے بعد طے پایا کہ اصحمہ نجاشی حبشہ کے پاس ایک وفد روانہ کیا جائے اور اس سے مطالبہ کیا جائے کہ مسلمانوں کا یہ قافلہ ہمارا مجرم اور باغی ہے اور یہ جماعت سخت مفسد وفتنہ پرداز ہے اسلئے انکو یہاں سے خارج کیا جائے اور ہمارے حوالہ کر دیا جائے۔

وفد کے ارکان۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاصؓ فاتح مصر تھے۔ قریش نے وفد کے ساتھ تحایف وہدایا کا بہت بڑا انتظام کیا۔ نجاشی کے علاوہ پادریوں کے لئے بھی قیمتی ہدایا کی بہت بڑی مقدار اسلئے بھیجی گئی کہ انکے ذریعہ بادشاہ پر اثر ڈالکر کامیابی حاصل کیجائے۔

پادریوں کو رشوت

عبداللہ اور عمرو بن العاصؓ حبشہ پہنچے اور قریش کے مشورہ کے مطابق پہلے پادریوں سے

ملاقات کی اور ہر ایک پادری سے ملکر عرض حال کیا اور تحائف پیش کئے۔ ابن ہشام کی روایت ہے کہ ان تحائف میں سب سے قیمتی تحفہ عمدہ قسم کی کھالیں تھیں۔

قریش کے ان دونوں سفیروں نے پادریوں کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ دربار شاہی میں ان کی تائید کرینگے اور کسی طرح ایسا موقع بہم نہ پہنچنے دینگے کہ مہاجرین کوئی جوابدہی کرسکیں۔ دوسرے روز وفد کو دربار میں باریابی کا موقع ملا۔ آداب شاہی بجالاکر عمرو بن العاص نے قریش کی جانب سے حق سفارت اس طرح ادا کیا۔

"بادشاہ! آپ کے ملک میں ہمارے قبائل کے چند نوجوان اور کچھ بیوقوف پناہ گزین ہیں۔ جہاں ان لوگوں میں فتنہ پردازی اور فساد ذات البین کا مادہ ہے یہ ایک عجیب مذہب کے پیرو بھی ہیں۔ اور ایسے عجیب غریب عقائد رکھتے ہیں جن سے نہ ہم واقف ہیں نہ آپ۔ ہم قریش کے اُن بہترین سربرآوردہ اور معزز حضرات کیطرف سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں جن کی سرداری عموماً عرب میں۔ اور خصوصاً سرزمین حجاز کے تمام قبائل میں مسلم ہے وہ ان لوگوں کے حالات سے کماحقہٗ واقف، اور انکے بہترین نگران ہیں اور وہی خوب جانتے ہیں کہ ان لوگوں نے جو عیوب یہاں آکر ان معزز سرداروں کے بیان کئے ہیں انکی کیا اصل ہے۔ آپ انکو ہمارے حوالہ کر دیجئے تاکہ سرداران قریش انکی صحیح نگرانی کرسکیں اور اُن کی حرکات وسکنات کو قابو میں رکھیں!" (۱)

بڑے بڑے پادری دربار میں موجود تھے اور اس سے پہلے کہ مہاجرین کو ان اعتراضات کی جوابدہی کا موقعہ دیا جاتے فوراً انھوں نے قریش کے مطالبہ کی تائید شروع کردی اور مسلمانوں کو صحیح واقعات کے دریافت کا موقعہ دئے بغیر نجاشی سے اصرار کیا کہ وہ تمام مہاجرین کو وفد

(۱) ابن ہشام و روض الانف۔

قریش کے حوالہ کر دے تاکہ وہ انکو مکہ لیجائیں اور سرداران قریش جس طرح مناسب سمجھیں ان مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کریں۔

اصحمہ نجاشی اسوقت تک خاموشی کے ساتھ سنتا رہا جب تک کہ وفد کے ارکان میں سے عمرو بن العاص کی تقریر جاری رہی لیکن جب بڑے بڑے پادریوں نے بھی اس ظالمانہ مطالبہ کی تائید کی تو اُس سے ضبط نہ ہو سکا اور سخت غیظ و غضب میں کہنے لگا۔

"قسم بخدا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ میں اس طرح ان مہاجرین کو ان قریشیوں کے سپرد کر دوں۔ کیا وہ قوم جس نے میری مملکت میں پناہ لی، میرے یہاں آکر اُس نے قیام کیا، اور اپنے قیام کے لئے تمام ملکتوں پر مجھ ہی کو ترجیح دی اسکو میں تنہا رہنے دوں اور قریشیوں کے کہنے پر قریشیوں کے حوالہ کر دوں؟

نہیں ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ میں انکو بلاتا ہوں اور ان سے دریافت حال کرتا ہوں اگر واقعہ یہی ہے جو وفد قریش بیان کرتا ہے تب مجھکو سپرد کر دینے اور مکہ واپس کر دینے میں کوئی عذر نہیں اور اگر واقعہ اسکے خلاف ہے تو کسی شخص کی یہ تاب، یہ مجال نہیں کہ وہ میرے ان پناہ گزینوں کی طرف نگاہ بھر کر بھی دیکھ سکے اور جب تک وہ میری مملکت میں رہنا چاہیں گے میں انکے ساتھ ہر طرح حسن سلوک سے پیش آؤں گا۔

وفد کی ذلت اور انکے معاندین کی ناکام سعی کا یہ پہلا موقع تھا جو دربار نجاشی میں مسلم مہاجرین کی مخالفت کے سلسلہ میں پیش آیا۔

غرض نجاشی نے مہاجرین صحابہ کے پاس قاصد بھیجا کہ وہ دربار میں آئیں اور قریش کے اس مطالبہ کا جواب دیں۔ مسلمانوں کے پاس جب قاصد پہونچا تو وہ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ ہمکو کیا جواب دینا چاہیے۔ بعض نے کہا کہ ہمکو یہ کہدینا چاہیے "خدا کی قسم ہم ان الزامات سے قطعاً ناواقف ہیں اور نہ ہمارے نبی نے ہمکو اسبارہ میں کوئی حکم دیا"، باقی جو کچھ مقدر ہے وہی ہوکر رہیگا۔ مگر حضرت جعفر نے فرمایا کہ تم مجھکو اجازت دو کہ میں تم سب کی طرف سے حق بنابت ادا کروں۔

مہاجرینؓ دربار نجاشی میں۔

نجاشی نے ایک طرف مسلمانوں کو بلایا اور دوسری طرف اپنے مذہبی پادریوں کو جمع کیا۔ عیسائی مذہب کے یہ پیشوا بڑے طمطراق کے ساتھ دربار میں آئے اور مذہبی کتابیں لیکر نجاشی کے سامنے اپنی مخصوص نشستوں پر بیٹھ گئے۔ اب نجاشی نے مسلمانوں کو مخاطب کرکے دریافت کیا۔

یہ اسلام کیا مذہب ہے کہ جس کی بدولت تمنے اپنی قوم کو بھی چھوڑا اور نہ تم نے ہمارے ہی مذہب کو قبول کیا اور نہ مروجہ مذاہب میں سے کسی مذہب کے پیرو بنے؟

حضرت جعفر کی تقریر

نجاشی کے اس سوال پر مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوتے اور مذہب اسلام کی صداقت کو ان پُر از حقایق الفاظ میں بیان کیا۔

- بادشاہ۔ ہم پر جاہلیت کا وہ دور گذرا ہے کہ مصنوعی اور خود ساختہ بتوں کی پرستش
- ہمارا مذہبی شعار تہا، مردارخواری، بدکاری، اور قطع رحمی، ہماری معاشرت کا اہم جزو بنگیا تہا
- نہ ہم ہمسایہ کے حقوق سے واقف تھے اور نہ اخوت و ہمدردی سے آشنا۔ ہر ایک

قوی کا ضعیف پہ ظلم کرنا اور اسکو ہضم کر جانا معیارِ زندگی کا اعلیٰ نمونہ تہا۔ ہماری اس تباہ حالی کا دور عرصہ دراز سے قایم تہا کہ یک بیک خدائے برتر نے ہماری قسمت کا پانسہ پلٹ دیا اور ہم میں ایک ایسا پیغمبر بہیجا جس کے نسب و حسب سے ہم واقف، جس کے صدق و امانت کا حال ہمپر روشن، اور جس کی عفت و پاکدامنی ہر وقت ہماری نظروں میں، وہ آیا اور اس نے ہمکو ہدایت کی وہ شمع روشن دکہائی جس نے ہماری آنکھوں سے ہماری جہالت کی تاریکی کے تمام پردے چاک کر دیئے۔ اس نے کہا کہ تم صرف خدائے واحد کی پرستش کرو اور اسی کو اپنا خالق و مالک سمجھو۔ بت پرستی کو چھوڑ دو اسلئے کہ تمہارے یہ خود ساختہ بت نہ تمکو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ باپ دادا کی یہ کورانہ تقلید گمراہی کی بنیاد ہے۔ اس نے ہم کو تعلیم دی کہ ہمیشہ سچ بولو، امانت میں خیانت کبھی نہ کرو، صلہ رحمی، ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک، ہمیشہ اپنا شعار بناؤ، خونریزی اور محارمِ خداوندی سے بچو، فحش کاموں اور جہوٹ کے قریب نہ جاؤ، یتیم کا مال نہ کہاؤ، اور پاکدامن کو تہمت نہ لگاؤ، خدائے واحد کی بندگی ادا کرو، زکوٰۃ دو، اور روزہ رکہو۔

اے بادشاہ۔ اس نے اور اسی قسم کے دوسرے بہترین امور کی ہمکو تعلیم دی، اور ہمکو اسلامی احکام بتاتے اور سکہاتے، ہم نے اس کی تصدیق کی، اسکو خدا کا پیغمبر سمجھا، اور اسپر ایمان لائے، اور جو کچھ اُس نے خدا کا حکم ہمکو سنایا ہم نے اس کی پیروی کی، ہم نے خدا کو ایک جانا، شرک سے توبہ کی، حلال کو حلال سمجھا اور حرام کو حرام،

ہمارے اس عظیم الشان انقلاب کو دیکھکر ہماری قوم کو یارائے صبر نہ رہا، اور انکے ضبط کا پیمانہ چھلک گیا، انہوں نے ہمکو طرح طرح سے ستانا، عذاب میں مبتلا کرنا شروع کیا۔ اور وہ ہم پر قسم قسم کی مصیبتوں کے پہاڑ توڑنے لگے، اور یہ سب کچھ

اسلئے کیا گیا کہ ہم خدائے واحد کی پرستش چھوڑیں، اور دورِ جہالت کی طرح پھر پتھروں کی پوجا کرنے اور پہلے کی طرح دوبارہ تمام فواحش وبدکاری کو حلال سمجھنے لگیں۔ ہماری قوم کے دردناک مظالم اور المناک تکالیف" کہ جنکی آئے دن ہمپر مشق ہوتی رہتی تھی" جب اس حدتک پہونچ گئے کہ ہمکو اپنے پاک مذہب اور ملتِ بیضاء کے ارکان کی تعمیل بھی دشوار ہوگئی، اور قدم قدم پر انمیں رکاوٹیں پیدا ہونے لگیں، تب مجبور ہوکر ہم نے اپنے وطن کو خیرباد کہا، اور تمام ملکتوں پر آپ کی مملکت کو ترجیح دی، اور آپکے جوار میں آکر پناہ لی۔

اے بادشاہ۔ ہمکو امید ہے کہ ہم پر ظلم نہ کیا جائیگا اور عدل و انصاف اور حسن سلوک کی جو امید آپ کے ساتھ ہم نے قایم کی ہے وہ ثابت ہوگی۔ (۱)

حضرت جعفرؓ کی یہ پرتاثیر اور مبنی بر حقیقت تقریر ختم ہوئی تو نجاشی نے پھر ان سے سوال کیا، کیا وہ خدائی قانون کہ جسکو تم قرآن عزیز کہتے ہو تمکو کچھ یاد ہے؟ اگر یاد ہے تو اس میں سے کچھ پڑھکر سناؤ؟ حضرت جعفرؓ نے فرمایا کہ ہاں مجھکو قرآن عزیز یاد ہے، اور سورۂ مریم میں سے شروع کی چند آیتیں پڑھکر سنائیں۔ قرآن عزیز، اور پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تلاوت! تمام دربار میں ایک سکتہ کا عالم ہوگیا اور خود نجاشی اور دربار کے تمام پادریوں پر تو کلام الہی کی ہیبت اس طرح طاری ہوئی کہ وہ زار زار رونے لگے۔ ڈاڑھیاں تر ہوگئیں اور پادریوں کے پاس جو کتابیں رکھی تھیں انکو بھی سیلابِ اشک نے تر کر دیا۔ آخر نجاشی سے نہ رہا گیا اور کہنے لگا خدا کی قسم یہ کلام اور وہ کلام جو عیسٰی علیہ السلام پر نازل ہوا ایک ہی روشنی کے دو عکس ہیں۔

---

(۱) روض الانف، زرقانی شرح مواہب،

نجاشی کا فیصلہ

اس کے بعد نجاشی، قریش کے وفد کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا۔ قسم بخدا میں ہرگز ہرگز ان مسلمانوں کو تمہیں سپرد نہ کرونگا اور کوئی طاقت مجھکو مجبور نہیں کر سکتی!

وفد کو جب اس موقع پر بھی ذلت و ناکامی سے دوچار ہونا پڑا تو دربار برخاست ہونیکے بعد عمرو بن العاص(۱) نے کہا کل ہونے دو خدا کی قسم ایسی بات نجاشی کے سامنے پیش کرونگا کہ ان مسلمانوں کی بیخ و بنیاد بھی یہاں باقی نہ رہے۔ یہ سنکر ابن ابی ربیعہ نے کہا کہ ان میں سے دو آدمیوں کو نقصان پہنچ جائیگا تو مجھے بھی خیال ہے اگرچہ وہ ہمارے مخالف ہی سہی مگر قریبی عزیز ہیں۔ مگر عمرو بن العاص اپنی تدبیر کارپر بجد مسرور رہتے صبح ہوئی نجاشی کا دربار پھر منعقد ہوا، قریش کے وفد کو جب دوبارہ باریابی ہوئی تو عمرو بن العاص نے عرض کیا۔

بادشاہ۔ یہ مسلمان حضرت عیسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے متعلق بہت برا عقیدہ رکھتے ہیں اور انکی سخت توہین کرتے ہیں۔ آپ ذرا انسے معلوم تو کیجئے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کیا سمجھتے ہیں۔

نجاشی نے یہ سنکر مسلمانوں کے پاس پھر ایک قاصد بھیجا۔ مسلمانوں کو جب یہہ معلوم ہوا تو آپس میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور بعض مسلمانوں نے وہی پہلا جواب دیا کہ ہمکو کوئی فیصلہ کن جواب نہ دینا چاہئے۔ مگر سردار قافلہ حضرت جعفرؓ نے اصل حقیقت کے اظہار پر اصرار فرمایا اور دربار نجاشی میں جا پہنچے۔ نجاشی نے دریافت کیا کہ تم لوگوں کا حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے متعلق کیا عقیدہ ہے؟ حضرت جعفرؓ کہنے لگے

(۱) حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) ہجرت کے بعد مشرف باسلام ہو گئے اور جلیل القدر بنے فاتح مصر بزرگ صحابی ہیں۔

ہوئے اور کہنے لگے۔

بادشاہ۔ اس بارہ میں جو تعلیم ہمکو ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے دی ہے وہی ہمارا عقیدہ ہے۔ ہم حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے، اللہ کے رسول ہیں اور وہ روح اللہ، وکلمۃ اللہ ہیں جنکو خدا نے حضرت مریم عذرا علیہا السلام پر القا کیا اور وہ ان کے بطن سے تولد ہوئے

یہ سنکر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا۔ قسم بخدا جو کچھ تم نے بیان کیا سب سچ ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی شان میں تمنے اس تنکے کی برابر بھی مبالغہ نہیں کیا پادریوں نے جب نجاشی کی یہ گفتگو سنی تو غصہ میں ناک کے نتھنے پھول گئے مگر نجاشی نے انکو مخاطب کرتے ہوئے کہا مجھکو تمہارے اس غصہ کی مطلق پرواہ نہیں۔ اور مسلمانوں سے کہا کہ جاؤ تم میری سرزمین میں مامون ہو۔ جو شخص تمکو گالی بھی دیگا۔ اس کو بھی سزا تاوان سے نہ چھوڑونگا۔ ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ ہرگز نہ چھوڑونگا۔ اور میرے نزدیک سونے کا پہاڑ بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ اور پھر عمّال حکومت کی طرف مخاطب ہوکر حکم دیا۔

قریش کے وہ تمام ہدایا۔ واپس کر دو مجھے ایسی رشوت کی کوئی حاجت نہیں۔ خدا نے جب مجھکو یہ حکومت بخشی تھی تو اسپر مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی تھی جو آج میں اس حکومت واختیار پر رشوت کا معاملہ کروں اور میرے بارہ میں)

(۱) مورخین نے نجاشی کے ان فقروں کے متعلق حضرت اُم سلمٰی رضی اللہ عنہا سے بواسطہ حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ نجاشی کے باپ کے "اصحمہ" کے سوا دوسری کوئی اولاد نہ تھی اور اصحمہ کے چچا کے متعدد لڑکے تھے۔ اہل حبشہ نے ایک روز یہ مشورہ کیا کہ اگر نجاشی اصحمہ کے والد کا انتقال ہو جائے تو اصحمہ کے علاوہ اس کے اور کوئی اولاد نہیں۔ پس اگر اصحمہ کا بھی انتقال ہوجائے تو یہ مملکت ہمارے ہاتھ سے نکل کر کسی دوسرے بادشاہ کے قبضہ میں (بقیہ آئندہ)

اس نے اشخاص کی مرضیات پر عمل نہیں کیا جو اس (اصمہ) کے بارہ میں اشخاص کی مرضیات پر عمل کروں یعنی خدا کی مرضی ترک کر کے قریش کی خواہش پر عمل کریں

نجاشی کی اس آخری گفتگو نے پادریوں اور قریش کے وفد کی تمناؤں کا خون کر دیا اور وفد کو مجبور بلکہ مغلوب و مقہور ہو کر ناکام و نامراد واپس ہونا پڑا۔

مسلمانوں کی ہمدردی نجاشی کیساتھ

مہاجرین و قریش کے تصادم اور نجاشی کے فیصلہ کو زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ نجاشی کے ایک دشمن نے حبشہ پر لشکر کشی کر دی نجاشی کو مقابلہ کی فکر ہوئی اور فوج لیکر بحر قلزم کے پار صف آرا ہوا۔ مسلمانوں کو جب یہ معلوم ہوا تو انکو بیحد حزن و ملال ہوا کہ ہمارے محسن پر یہ کیسی افتاد آپڑی۔ فوراً مجلس مشاورت منعقد کی اور طے پایا کہ ایک شخص اسبات کیلئے متعین کیا جائے کہ وہ جنگ کے نتیجہ کی ہمکو خبر پہنچاتا رہے۔ اور اگر ضرورت ہو تو ہم بھی اس کی امداد

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶۶) چلی جائیگی۔ بہتر یہ ہے کہ اصحمہ اور اس کے والد کو قتل کر دینا چاہئے تاکہ یہ سلطنت اصحمہ کے چچا اور اس کی اولاد میں منتقل ہو جائے اور اس طرح ایک غیر محدود زمانہ تک اس حکومت کا سلسلہ اسی خاندان میں باقی رہے۔ اہل حبش نے یہ مشورہ کر کے اصحمہ کے والد کو قتل کر ڈالا اور اسکے بعد پہلے مشورہ کے مطابق نیز اس خوف سے کہ اصحمہ اپنے والد کا ہم سے قصاص نہ لے اصحمہ کے قتل کے ارادہ سے اس کے چچا کے پاس "جو کہ سریر آرائے سلطنت ہوا" آئے اور اصحمہ کے قتل کر دینے کو کہا یہ سنکر اصحمہ کا چچا بہت خشمگیں ہو کر کہنے لگا۔ خدا تمکو رسوا کرے ابھی اسکے باپ کو قتل کر چکے ہو اب اس کے قتل کا ارادہ ہے یہ ہرگز نہ ہوگا۔ ارکین نے پھر اصرار کیا آخر یہ قرار پایا کہ اگر قتل نکیا جائے تو اسکو غلام بنا کر فروخت کر دیا جائے۔ اصحمہ اس قرارداد کے مطابق ایک تاجر کے ہاتھ چھ سو درہم میں فروخت کر دیئے گئے۔ اصحمہ کو تاجر نے کشتی پر سوار کر کے لنگر اٹھا دیا ابھی شام ہی ہونے پائی تھی کہ تمام افق میں بادل گھر گیا اور کشتی کو ایک جگہ ٹھیر جانا پڑا۔ اتفاقاً اصحمہ کا چچا خوشگوار موسم دیکھکر باہر نکلا اور ابر کو دیکھنے لگا۔ یکایک بجلی کوندی۔ گرجی اور اصحمہ کے چچا پر آگری۔ یہ دیکھکر تمام ارکین پریشان ہو گئے اور فوراً اصحمہ کے چچا زاد بھائیوں کے پاس دوڑے گئے کہ وہ باپ کی جگہ حکومت کو سنبھالیں مگر بدقسمتی سے ایک کو بھی اس قابل نہ پایا کہ وہ اس بار عظیم کو برداشت کر سکے تب آپس میں مشورہ کرنے لگے بعض نے مشورہ دیا کہ اصحمہ باوجود نوعمر ہونے کے سن طفولیت سے ہی نہایت زیرک و فہیم ہے اگر اب بھی مملکت کی خیر چاہتے ہو تو اسی کو تلاش کر کے لاؤ اور اپنا حاکم بناؤ۔

سے کے لئے نکلیں۔ حضرت زبیر کھڑے ہوئے اور آپ کو اس خدمت کیلئے پیش کیا۔ یہ اگرچہ نو عمر تھے مگر بہت جری تھے۔ جنگ کا میدان دریائے نیل کے پار تھا سب کو اس نوجوان کی جرأت پر تعجب ہوا مگر خود ان کے اصرار پر باتفاق ان کی سفارت منظور ہوئی اور سب نے ملک نجاشی کی فتح اور دشمن کی ہلاکت کے لئے دعائیں مانگیں۔

حضرت زبیر مشک کے سہارے تیر کر ہوئے میدان جنگ میں پہنچے اور چند روز بعد نجاشی کی فتح ونصرت کی بشارت لیکر واپس آ گئے، مسلمانوں نے نجاشی کی کامیابی پر شادمانی کا اظہار کیا اور نجاشی کی خدمت میں تہنیت فتح ونصرت پیش کی۔

دعوتِ اسلام۔

ارکانِ اسلامی میں پیہم رکاوٹوں کے باعث مسلمانوں کا حبشہ کیطرف ہجرت کرنا، نجاشی حبشہ کا ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا، وفد قریش کا ناکام واپس ہونا، حضرت جعفر طیار کی تقریر سے نجاشی کا صداقتِ اسلام سے متاثر ہونا، ایسے امور نہ تھے جو پوشیدہ رہتے۔ مکہ اور اطراف مکہ تک بھی یہ تمام واقعات پہونچے، اور اس سے مسلمانوں میں مسرت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶۷) سب نے اس عالم حیرت میں اس مشورہ کو پسند کیا اور فوراً دوسری کشتی اس کی جستجو میں روانہ کی تھوڑے ہی فاصلہ پر تاجر کی کشتی کو جا پکڑا اور زبردستی اصحمہ کو لے آئے تمام اراکین نے اصحمہ کا استقبال کیا اور تاجپوشی کی رسم ادا کر کے متفقہ اپنا بادشاہ مان لیا۔

تاجر نے اراکین سے فریاد کی کہ میرا روپیہ واپس کرو لیکن کچھ شنوائی نہ ہوئی مجبور ہو کر تاجر اصحمہ کے دربار میں فریاد رس ہوا۔ اصحمہ نے دعویٰ سنکر اراکین سے کہا کہ تاجر کا دعویٰ صحیح ہے۔ یا تم اس کے غلام (اصحمہ) کو اسکے حوالہ کر دو اور یا اس کا زرثمن واپس کر دو۔ تب اراکین نے شاہ نجاشی کے بدلہ تاجر کا زرثمن واپس کر دیا۔

اسی کی طرف نجاشی نے اشارہ کیا تھا کہ خدا نے ملک بخشی میں مجھ سے رشوت نہیں لی تھی اور نہ اس نے میرے جانبِ حق کے بارہ میں اشخاص کی خواہشات کی پرواہ کی۔ پھر آج میں کس لئے اس حکومت و اقتدار پر رشوت کا معاملہ کروں اور حق و انصاف کے مقابلہ میں قریش کی خاطر ظلم و عدوان اختیار کروں۔ (روض الانف)

اور قریش میں حزن و ملال کا پیدا ہونا ایک طبعی بات تھی۔

آخر سلاطینِ عالم کے نام دعوتِ اسلام کا وہ مبارک وقت بھی آپہنچا جس کا ذکر صفحات گزشتہ میں مطالعہ کر چکے ہو۔ لہٰذا انہی حالات و واقعات کے زیرِ نظر سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا قاصد حبشہ کے دربار میں اسلام کی دعوت لیکر پہنچا۔

محرم ۶ھ ہجری کا زمانہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے قاصد حضرت عمرو بن امیہؓ ضمری راہِ سفر طے کر کے حبشہ پہنچے اور بعض ندمائے نجاشی کے واسطے سے دربار میں رسائی ہوئی۔ اسلامی آداب بجا لا کر حضرت عمروؓ نے اصحمہ شاہِ حبش کے سامنے اول اس طرح خطاب کیا۔

"بادشاہ! میرے ذمہ حق کی تبلیغ ہے اور آپ کے ذمہ حق کی سماعت کوئی شبہ نہیں کہ گذشتہ دنوں سے ہم پر آپ کی شفقت و محبت کا یہ حال ہے کہ گویا آپ اور ہم ایک ہی ہیں۔ اور ہمکو بھی آپ پر اسقدر اعتبار ہے کہ ہم آپ کو کسی طرح اپنی جماعت سے علیحدہ نہیں سمجھتے۔ ہمنے جس بھلائی کی امید آپ سے کی کامیاب ہوتے اور جس خطرہ کا بھی اندیشہ کیا ہمیشہ اس سے بے خوف و مامون رہے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی ولادت ہماری طرف سے آپ پر حجت قطعی ہے یعنی جس قدرت کے کرشمہ ساز ہاتھوں نے حضرت آدم کو بغیر والدین کے مٹی سے پیدا کر دیا اسی نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو بغیر باپ کے بطن مادر سے پیدا کیا۔ انّ مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون۔ اللہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی طرح ہے آدم کو اسنے مٹی سے پیدا کیا اور پھر حکم دیا تو وہ عالمِ وجود میں آگئے۔

ہمارے اور آپ کے درمیان انجیل وہ شاہد ہے جس کی شہادت کبھی مردود نہیں ہوسکتی اور وہ حاکم ہے جس سے ظلم کا امکان نہیں۔ اس نبی "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کی

پیروی میں خیر و برکت کا ورود اور فضیلت و بزرگی کا حصول ہے۔

بادشاہ! اگر آپ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہ کیا تو اس نبی امی کا انکار آپ کے لئے اسی طرح باعث وبال ثابت ہوگا جس طرح یہود کے حق میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار ثابت ہوا۔ میری طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بعض دیگر اشخاص مختلف بادشاہوں کے نام دعوت اسلام کیلئے قاصد بنکر گئے ہیں مگر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو امید آپ کی ذات سے وابستہ ہے دوسروں سے ایسی امید نہیں ہے اور جس بات کا ان سے اندیشہ ہے آپ سے اس کے بارہ میں پورا اطمینان ہے کہ آپ اپنے اور اپنے خدا کے درمیان گذشتہ طاعات اور آیندہ کے اجر و ثواب کا خیال رکھیں گے۔

اصحمہ شاہِ حبش

اصحمہ نے حضرت عمرو کی فصیح اور برجستہ تقریر کو سنا اور انکی دلیرانہ نصیحت کی داد دیتے ہوئے اس طرح جواب دیا۔

"عمرو۔ بخدا میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم خدا کے وہی برگزیدہ پیغمبر ہیں جن کی آمد کا اہل کتاب انتظار کر رہے ہیں۔ بیشک حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ السلام کا "راکب حمار حضرت عیسیٰ علیہ السلام" کی بشارت دینا ٹھیک اسی طرح ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "راکب جمل محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کی بشارت دی ہے۔ دونوں میں سر مو فرق نہیں۔ اور اس بارہ میں میرے لئے مشاہدہ اور خبر دونوں برابر ہیں۔ "یعنی اگرچہ میں نے جمالِ جہاں آرا سے آنکھیں منور نہیں کیں لیکن حالات سنکر مجھکو ان کے نبی ہونیکا یقین ہے"

مگر اہل حبشہ میں میرے معین و مددگار بہت کم ہیں اسلئے تم مجھکو اتنی مہلت دو کہ میں اپنی قوم میں اپنے کافی مددگار، اور ان کے دلوں میں نرمی پیدا کرلوں،

اصحمہ یہ تقریر کرکے خاموش ہوگیا، اور عمرو بن امیہ سے نامہ مبارک ہاتھ میں لیکر تعظیماً آنکھوں سے لگایا، اور مزید شرف و اعزاز کی خاطر تخت شاہی سے اتر آیا اور ترجمان کو بلا کر نامہ مبارک پڑھنے کا حکم دیا۔

نقل نامہ مبارک بنام اصحمہ نجاشی حبشہ

من محمد رسول الله الى النجاشي ملك	یہ خط ہے اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیجانب
الحبشه سلم انت فاني احمد اليك	سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام تجھپر سلامتی ہو
الله الذي لا اله الا هو الملك القدوس	میں تجھکو اس خدا کی حمد سناتا ہوں جو معبودیت میں
السلام المؤمن المهيمن واشهد ان	یکتا ہے، کل جہاں کا مالک ہے ابرگزیدہ ہے، سلام
عيسى بن مريم روح الله وكلمته القاها	ہے، جاءپناہ ہے انگہبان ہے اور اس بات کی شہادت
الى مريم البتول الطيبة الحصينة	دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اللہ کی
فحملت بعيسى خلقه الله من روحه	روح اور اس کا کلمہ ہیں جسکو اسنے مریم بتول طیبہ پاک
ونفخه كما خلق آدم بيده واني	دامن میں القا کیا کہ وہ خدا کے نبی حضرت عیسیٰ کی والدہ
ادعوك الى الله وحده لا شريك	بنیں پس اللہ نے ہی ان کو اپنی روح سے پیدا کیا اور
له والموالاة على طاعته وان تتبعني	اس کو حضرت مریم میں پھونک دیا۔ جیسا کہ اس نے
وتؤمن بالذي جاءني فاني رسول الله	حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ید قدرت سے بنایا۔
واني ادعوك وجنودك الى الله عز و	اب میں تجھکو خدائے وحدہ لاشریک لہ اور اس کی اطاعت
جل وقد بلغت ونصحت فاقبلوا	مودت و محبت کی دعوت دیتا ہوں اور یہ کہ تو میری

نصیحتی والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

پیروی کرے اور جو خدا کا پیغام میں لیکر آیا ہوں اس پر ایمان لائے۔ میں تجھکو اور تیرے لشکر کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں پس میں نے تبلیغ اور نصیحت کر دی تجھکو چاہئے کہ اس کو قبول کرے اور سلام اس پر جو ہدایت کا پیرو ہو۔

اصحمہ نامہ مبارک کو سنتا جاتا ہے اور متاثر ہوتا جاتا ہے۔ جونہی مضمون ختم ہوا۔ فرطِ شوق میں نامہ مبارک کو بوسہ دیکر سر پر رکھ لیا۔ اور حضرت جعفر طیارؓ کو دربار میں بلا کر اسلام کے متعلق گفتگو کی۔ اور گفتگو کے بعد انکے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی۔ اور نامہ مبارک کے جواب میں حسب ذیل معروضہ لکھا۔

(نقل مکتوب اصحمہ نجاشی حبشہ)

الیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من النجاشی اصحمۃ السلام علیك یا نبی اللہ، من اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الذی لا الٰہ الا ھو الذی ھدانی للاسلام۔ اما بعد فقد بلغنی کتابك یارسول اللہ فیما ذکرت من امر عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فورب السماء والارض ان عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام لا یزید علیٰ ما ذکرت ثفروقا وقد عرفنا

اصحمہ نجاشی کی جانب سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سلامتی ہو آپ پر اور اللہ کی رحمت اے خدا کے طرف سے بھیجے ہوئے نبی وہ خدا جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی ہے جس نے مجھے اسلام کا راستہ دکھایا اور میری رہنمائی کی اما بعد۔

اے خدا کے نبی آپ کے مکتوب گرامی کی زیارت کا مجھکو شرف حاصل ہوا۔ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا میں رب السما والارض کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے

ما بعثت به الینا وقد قربنا ابن عمك	زیادہ کچھ نہیں ہیں، ہم نے اون تمام باتوں کو اچھی طرح
واصحابه فاشهد انك رسول الله صادقا	سمجھ لیا جو آپنے ہم تک پہونچائیں، آپکے چچا کے بیٹے
مصدقا وقد بایعتك وبایعت ابن	اور اون کے رفقا ہمارے مقرب ہیں۔
عمك واسلمت علی یدہ لله رب العلمین	میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں
وقد بعثت الیك بابنی یا نبی الله	میں آپکے سلسلہ بیعت میں داخل ہوگیا۔ اور آپکے چچیرے
وان شئت اتیتك بنفسی والسلام	بھائی کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کیلئے بیعت کرلی
علیك ورحمة الله وبرکاته (سیرہ حلبیہ)	اور مسلمان ہوگیا۔ اور یا نبی اللہ میں آپکی خدمت میں اپنے
	بیٹے کو بھیجتا ہوں اگر آپکا حکم ہوگا تو میں خود بھی حاضر
	ہوجاؤں گا۔

السلام علیك ورحمة الله وبرکاته

اور سہیلی نے روض الانف میں بیان کیا ہے کہ نجاشی جب حضرت جعفر کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوگیا تو شدہ شدہ یہ خبر اہل حبش میں پھیل گئی۔ اہل حبش کو یہ سخت ناگوار ہوا اور انہوں نے نجاشی کے مقابلہ کی تیاری شروع کردی۔ اور نجاشی کے سامنے مظاہرہ کرکے اسکے خلاف اظہار ناراضی کیا۔ نجاشی نے جب اہل ملک کے یہ تیور دیکھے تو سب سے پہلے حضرت جعفر کو بلایا اور اُن کو حکم دیا کہ میں نے تمہارے لئے کشتیوں کا ایک بیڑا تیار کیا ہے معاملہ بہت نازک ہے۔ نہ معلوم قوم میرے ساتھ کس حد تک مخالفت کرے اسلئے تم تمام مہاجرین کو ان کشتیوں میں سوار کرکے موقعہ کے منتظر رہو۔ اگر خدا نے مجھکو کامیاب کیا تب تم امن وامان سے پھر حبشہ میں قیام کرنا اور اگر خدانخواستہ معاملہ نے

دوسری صورت اختیار کرلی تو فوراً تم یہاں سے فرار ہوجانا۔ صحمہ مسلمانوں کا یہ انتظام کرکے اپنی حفاظت کی طرف متوجہ ہوا اور ایک عجیب حیلہ کام میں لایا۔ اس نے ایک پرچہ پر یہ لکھا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے

اور رسول ہیں نیز گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام

خدا کے بندے۔ اس کے رسول۔ اور اس کی روح وکلمہ ہیں کہ جسکو

خدا نے مریم (علیہا السلام) پر القا کیا"

اور لکھکر اپنے پوستین کے نیچے سینہ کے پاس اسکو چھپا لیا اور پھر دربار منعقد کیا۔ تمام اہل حبش کو صف در صف کھڑا کیا اور پھر انکے سامنے کھڑے ہوکر سوالات کئے۔

صحمہ۔ اہل حبش کیا تم مجھی کو تمام حبشہ میں اس عظیم الشان منصب کا مستحق نہیں سمجھتے جس پر فائز ہوں؟

اہل حبشہ۔ بیشک ہم صرف تجھکو ہی اس منصب کا اہل سمجھتے ہیں۔

صحمہ۔ تم نے میری سیرت وعادات کو اپنے اور حکومت کے حق میں کیسا پایا؟

اہل حبش۔ بہترین پایا۔!

صحمہ۔ پھر یہ شور وشغب کیسا۔؟

اہل حبش۔ ہم سنتے ہیں کہ تو نے مذہب عیسوی ترک کردیا اور تو حضرت عیسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو خدا کا بندہ کہتا ہے۔

صحمہ۔ تم حضرت عیسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو؟

اہل حبش۔ وہ خدا کے بیٹے ہیں۔

اصحمہ نے اپنا ہاتھ سینہ پر رکھا اور کہا کہ اس سے "یعنی جو کچھ پرچہ میں لکھا ہے" زیادہ حضرت عیسی علیہ السلام نے اور کوئی تعلیم نہیں دی۔

اہل حبش نے اس جملہ سے اپنی تائید سمجھکر مخالف مظاہرہ کو ترک کر دیا۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ اصحمہ نے نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس نامۂ مبارک کو ہاتھی دانت کے ڈبہ میں بند کر کے نہایت احتیاط سے محفوظ کر دیا تھا اور کہا کرتا تھا کہ جبتک یہ مبارک تحفہ مملکت حبش میں محفوظ ہے دشمن کا ہاتھ اس مملکت تک نہیں پہنچے گا۔

سیرت کی کتابوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ اصحمہ نے اپنے بیٹے آرہا کو بھی مع ساٹھ ہمراہیوں کے خدمت اقدس رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کے لئے روانہ کیا۔ لیکن بدقسمتی سے وہ تمام کشتیاں جن میں آرہا اور انکے ہمراہی سوار تھے دریا کی طغیانی سے غرق ہوگئیں۔ اور انمیں سے ایک متنفس بھی نہ بچ سکا۔ مگر حضرت عمرو بن اُمیہ جس کشتی میں سوار تھے وہ صحیح و سلامت رہی۔ اور انھوں نے بخیر و خوبی دربار رسالت میں حاضر ہو کر اصحمہ کا خط پیش کیا۔ اور تمام واقعات گوش گزار کئے۔ نیز اصحمہ کے مسلمان ہونیکا مژدہ سنایا۔ اصحمہ کے قبول اسلام کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں اہل حبشہ کا بیشتر حصہ مشرف باسلام ہوگیا۔

دربار رسالت سے اصحمہ کے نام دوسرا مکتوب۔

ابھی حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری کو حبشہ سے واپس آئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ دربار رسالت سے دوبارہ ان کو حبشہ جانیکا حکم ہوا۔ اس مرتبہ سفارت کا مقصد یہ تھا کہ حضرت جعفر اور انکے ہمراہی مہاجرین کو مدینۂ منورہ واپس لایا جائے۔ اور اُم حبیبہ بنت ابی سفیان سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کرنیکی تحریک کیجائے۔

اس سلسلہ میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحمہ کے نام ایک نامۂ مبارک بھیجا جسمیں اصحمہ کے قبولِ اسلام پر اظہارِ طمانیت کرتے ہوئے آپنے ہر دو امور مذکورۂ بالا کی تعمیل سے متعلق تحریر فرمایا تھا۔ اس نامۂ مبارک کا مختصر مضمون درج ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اما بعد	شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے تو نے
فکانّك من الرقّة علينا منّا وكانّا	ہمارے ساتھ حسن سلوک برتا۔ اور ہمکو تجھ پر اعتماد
من الثقة بك منك لانا لا نرجو	ہے اس لئے کہ ہم نے تجھ سے جس چیز کی
منك خيرًا الا نلناه ولا نخاف	امید کی وہ پوری ہوئی اور جس بات کا خوف کیا اس سے
منك الا امنّاه وبالله التوفيق	مامون و محفوظ ہے۔ اور توفیق اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

اصحابِ سیر لکھتے ہیں کہ اس نامۂ مبارک کی تحریک کا شرف حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو نصیب ہوا۔ خط کا مضمون تمام ہو جانے کے بعد آپنے اپنی مہر اسپر ثبت فرمائی۔ اور حضرت عمرو بن امیہ نامۂ مبارک لیکر بری و بحری سفر طے کرتے ہوئے دوبارہ حبشہ پہنچے۔ اصحمہ نے انہیں نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ مہمان بنایا اور انکی ہر قسم کی مدارات کی۔

حضرت ام حبیبہؓ۔

حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش کے ساتھ پہلی ہی ہجرت میں حبشہ چلی گئی تھیں۔ عبید اللہ بن جحش کچھ عرصہ کے بعد نصرانی ہو گئے۔ مگر ام حبیبہ اسلام پر ہی ثابت قدم رہیں۔ اس اختلافِ مذہب کا نتیجہ آخر یہ نکلا کہ عبید اللہ بن جحش نے ان سے قطع تعلق کر لیا۔

خدائے تعالیٰ نے ام حبیبہ کی ثبات قدمی کا یہ نعم البدل عطا فرمایا کہ نبیّ اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے پاس سفارت بھیجی کہ اُمّ حبیبہ کی مرضی حاصل کر کے انکا عقد میرے ساتھ کر دیا جائے۔ نجاشی نے اس پیغام کی تعمیل میں اُمّ حبیبہ کے پاس اپنی لونڈی ابرہہ کو پیغام دیکر بھیجا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو تمہارے نکاح کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ اُمّ حبیبہ اس رشتہ سے بیحد مسرور ہوئیں اور اس خوشی میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور چند انگشتریاں انعام میں دیں اور خالد بن سعید کو اپنا وکیل مقرر کر کے نجاشی کے دربار میں بھیجا۔

شام کے وقت نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور تمام مسلمانوں کو جمع کیا اور حضرت ام حبیبہ کا نکاح خود پڑھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چارسو دینار مہر ادا کئے۔

جب عقد ہو چکا اور اُمّ حبیبہ کے وکیل خالد بن سعید نے مہر کی رقم بھی نجاشی سے وصول کر لی تو لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا۔ نجاشی نے کہا۔ ولیمہ کی دعوت تمام نبیوں کی سنت ہے۔ ابھی بیٹھئے۔ مجمع پھر بیٹھ گیا اور کھانا چنا گیا۔ اور کھانا کھا کر سب رخصت ہو گئے

مہر کی رقم جب ام حبیبہ کے پاس پہنچی تو وہ پچاس دینار ابرہہ کو دینے لگیں لیکن اُس نے کنگن اور انگشتریاں اور رقم واپس کرتے ہوئے کہا کہ بادشاہ نے مجھکو ان چیزوں کے لینے سے منع کر دیا ہے۔

دوسرے روز ابرہہ حضرت ام حبیبہ کی خدمت میں نجاشی کی طرف سے عنبر، زعفران اور عود وغیرہ لیکر آئی۔ انہوں نے نجاشی کے یہ ہدایا بخوشی قبول فرمائیے اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ ہونے لگیں تو ان تمام ہدایا کو ساتھ لے گئیں اور خدمتِ اقدس میں پیش کیا۔ جب عقد کے تمام مراحل ختم ہو گئے

تو نجاشی نے پھر ان کو حضرت شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ دربار رسالت میں بھیجدیا حافظ حدیث علامہ زین الدین عراقی نے الفیہ میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں نظم کیا ہے۔

اول من ارسلہ النبی ۔۔۔ لملک عمرو وھو الضمری
الی النجاشی فلما قدما ۔۔۔ نزل عن فراشہ فاسلما
وارکب المہاجرین البحرا ۔۔۔ الیہ فی سفینتین طرا
زوجہ رملۃ عمرو قبلہ ۔۔۔ لہ ومہرھا النجاشی لہ

ایک اشکال کا جواب

کتب رجال وکتب سیر میں حضرت ام حبیبہ کی تاریخ اور مقام نکاح کے بارہ میں اختلاف ہے۔ بعض سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۷ھ ہجری تھا اور مقام نکاح مدینہ طیبہ ہے۔ مگر اکثر روایتیں ۶ھ ہجری کی موئید ہیں اور مقام نکاح سرزمین حبشہ کو بتاتی ہیں اور یہی صحیح ہے اسلئے کہ حبشہ کی طرف حضرت عمرو بن امیہ ضمری کا پہلا سفر محرم ۶ھ ہجری میں لبسلسلۂ دعوت اسلام ہوا ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تفصیلی والا نامہ میں ام حبیبہ کے نکاح کا قطعاً کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ اور قبول اسلام کی اطلاع اور والا نامہ کا جواب لیکر جب وہ واپس آئے ہیں تب بھی اس معاملہ کے متعلق کسی قسم کا کوئی تذکرہ ثابت نہیں ہے۔

البتہ سیرۃ حلبیہ، روض الانف، سیرۃ النبی، طبقات ابن سعد میں جب دوبارہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری کی روانگی حبشہ کا ذکر آتا ہے اور صحمہ کے نام دوسرے نامۂ مبارک کے بھیجنے کا تذکرہ ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہی بیان کی گئی کہ مہاجرین حبشہ کی واپسی اور ام حبیبہ کے نکاح کیلئے یہ سفارت بھیجی گئی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سفارت ۷ھ

کے وسط یا آخر میں بھیجی گئی ہے۔ اور جب غزوۂ خیبر میں مسلمانوں کو فتح ہو گئی ہے۔ تب متصل ہی مہاجرینِ حبشہ کا قافلہ مدینہ پہنچا ہے۔ احادیث میں مذکور ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اندازہ نہیں کر سکتا کہ فتح خیبر سے مجھکو زیادہ خوشی ہوئی یا مہاجرین کی واپسی سے اور قریب قریب یہی زمانہ حضرت ام حبیبہ کے مدینہ پہنچنے کا ہے۔ بظاہر یہ مغالطہ کہ حضرت ام حبیبہ کا نکاح سنہ ہجری میں ہوا یہاں سے پیدا ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحمہ کے نام دوبارہ جو والا نامہ بھیجا ہے اس کی غرض کی تعیین میں اصحاب سیر سے کچھ سہل انکاری ہو گئی ہے۔

بعض روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ پہلا خط دعوتِ اسلام کے سلسلے میں بھیجا گیا اور ساتھ ہی ام حبیبہ کے نکاح کے متعلق بھی قاصد کو پیغام دیا گیا۔ اور دوسرا خط صرف مہاجرین کی واپسی کے سلسلہ میں بھیجا گیا۔ اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلا خط دعوتِ اسلام کی غرض سے گیا اور تحریری یا زبانی اسوقت نکاح کا معاملہ قطعاً درپیش نہ تھا۔

البتہ دوسری سفارت کے وقت دونوں اغراض پیش نظر تھیں۔ مہاجرین کی واپسی بھی اور نکاح ام حبیبہ بھی ـــــــ ابن سعد کی روایت صراحت کرتی ہے کہ ام حبیبہ کے نکاح اور مہاجرین کی واپسی دونوں کا مطالبہ دوسرے والا نامہ سے متعلق ہے اور یہی صحیح ہے طبقات میں ہے۔

وکان اول رسول بعثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرو بن امیۃ الضمری الی النجاشی وکتب الیہ	پس پہلا قاصد جو دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا وہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری ہیں۔ جو نجاشی کے پاس قاصد

كتابين يدعوه في احدهما الى الاسلام الخ. وفي الكتاب الآخر يامره ان يزوجه ام حبيبة بنت ابي سفيان بن حرب وكانت قد هاجرت الى ارض الحبشة مع زوجها عبد الله بن جحش الاسدي فتنصر هناك ومات وامره رسول الله صلى الله عليه وسلم في الكتاب ان يبعث اليه عن قبله من اصحابه وحملهم ففعل فزوجه ام حبيبة بنت ابي سفيان بن حرب وصدق عنه اربعمائة دينار وامر بجهاز المسلمين وما يصلحهم وحملهم في سفينتين مع عمرو بن امية الضمري الخ

بنکر گئے۔ آپ نے نجاشی کے نام دو نامے یکے بعد دیگرے بھیجے ہیں۔ پہلے فرمان میں اسلام کی دعوت دی گئی تھی اور دوسرے میں ام حبیبہ بنت ابی سفیان بن حرب سے نکاح کی نسبت ذکر تھا یہ ام حبیبہ اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئیں تھیں مگر وہاں جاکر عبداللہ (العیاذ باللہ) نصرانی ہوگیا اور اسی حالت میں مرگیا اور اپنے فرمان میں یہ بھی لکھا تھا کہ اب مسلمان مہاجرین کو مدینہ بھیجدو نجاشی نے دونوں احکام کی تعمیل کی ام حبیبہ کا نکاح کر کے آپ کی طرف سے خود ہی چار سو دینار مہر ادا کردیا اور مہاجرین اور حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ کو دو کشتیوں پر مع سامان اور ضروریات کے سوار کرادیا۔

نیز اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ ام حبیبہ کا نکاح حبشہ میں ہی ہوا ہے اور خود نجاشی نے پڑھایا اور اپنے پاس سے مہر کی ادائیگی کی۔

مغالطہ کی دوسری وجہ حضرت عمرو بن العاص کا واقعہ ہوسکتا ہے۔ وہ یہ کہ غزوۂ خندق (احزاب) کے بعد جو کہ ۵ھ ہجری میں واقع ہوا۔ اہل مکہ کے حوصلے بہت زیادہ پست

ہو گئے تھے ۔حضرت عمرو بن العاص نے جو کہ نہایت مدبّر اور دور اندیش حضرات میں سے تھے اس حالت کو بھانپ لیا! ور اپنے احباب سے تذکرہ کیا کہ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حبشہ چلے جائیں اور مکہ کی سکونت فی الحال ترک کر دیں۔ اگر یہ شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جیتا تب ہمکو حبشہ میں امن مل سکتا ہے اور اگر قوم کو فتح ہوئی تب ہم ہر طرح بے خوف وخطر ہیں۔

مشورہ کے کچھ عرصہ کے بعد ان سب نے تیاری شروع کی اور نجاشی کے لئے عمدہ چمڑے بطور تحفہ فراہم کئے اسلئے کہ نجاشی اس تحفہ کو بیحد پسند کرتا تھا۔ یہ قافلہ مکّہ چھوڑ کر حبشہ کی طرف چلدیا۔ اور مسافت بعیدہ طے کرکے منزل مقصود تک پہنچا۔ حضرت عمرو بن العاص کا بیان ہے کہ جب میں نجاشی کے دربار میں پہنچا تو میں نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو دربار سے نکلتے ہوئے دیکھا مجھکو جستجو ہوئی کہ یہ شخص نجاشی کے دربار میں کس لئے آیا اور یہاں کس غرض سے مقیم ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرستادہ ہے! اور مہاجرین کے متعلق کچھ گفتگو کرنے آیا ہے۔

انہوں نے اپنے ہمراہیوں سے ذکر کیا کہ میرا نجاشی کے دربار میں اچھا رسوخ ہے۔ جو تحائف ہم لیکر آئے تھے وہ بھی نجاشی کو بیحد پسند آئے اور اس کی نگاہ میں ہماری کافی وقعت ہوگئی ہے۔ اب موقع ہے کہ کم از کم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس سفیر کو نجاشی سے حاصل کرکے قتل کر دیں، تاکہ سفارت کے قتل سے اس نبی کی توہین ہو اور ہم کسی قدر اپنے دل کو تسلی دے سکیں۔ میرے رفقاء نے میری اس بات کو بیحد پسند کیا۔ میں دوبارہ جب دربار میں حاضر ہوا تو اصحمہ کو خوش دیکھکر میں نے عرض کیا

"حضور والا۔ یہ شخص (عمرو بن امیہ ضمری) ہمارا سخت دشمن ہے اور ہم اس کے آقا کے ہاتھوں بہت دکھ اٹھا چکے ہیں کیا اچھا ہو کہ حضور والا اس کو ہمارے حوالہ کر دیں اور ہم اس کو قتل کر کے دل کو خوش کر لیں"

نجاشی یہ سنکر بہت برافروختہ ہوا جس سے مجھکو اپنی جان کا خوف ہونے لگا۔ جب اس کا غصہ کچھ کم ہوا تو مجھ سے کہنے لگا۔

"مجھے سخت تعجب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے چچا زاد بھائی ہیں باوجود اس کے ابتک ان کا صحیح حال تم سے پوشیدہ ہے۔ بخدا وہ خدا کے سچے پیغمبر اور رسول ہیں۔ ان کی مخالفت تمکو کبھی راست نہ آئیگی۔ میں نے عرض کیا۔ حضور والا بھی ایسا کہتے ہیں؟ نجاشی نے کہا بیشک خدا کی قسم جو کچھ میں کہتا ہوں، بالکل صحیح ہے تم میرا کہنا مانو"

میرے دل پر اس بات کا بیحد اثر ہوا۔ اور میں اسی وقت قبول اسلام پہ آمادہ ہو گیا۔ لیکن اپنے رفقاء سے اس بات کا قطعًا ذکر نہ کیا۔

عمرو بن العاصؓ اسکے بعد مدینہ پہنچے اور مشرف باسلام ہو گئے۔ لیکن صحیح اور محقق روایت یہ ہے کہ انکا ارادہ بیشک یہی تہا کہ فورًا حاضر خدمت ہوں مگر بعض مصالح کی بنا پر انہوں نے تاخیر کی اور فتح مکہ سے چھ ماہ قبل حضرت خالد بن ولید کے ساتھ شروع ۸ھ ہجری میں حاضر دربار رسالت ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

غرض اس طویل تحریر کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاص کا غزوۂ خندق کے محاکمہ سے "جو کہ آخر ۵ھ ہجری میں پیش آیا" متاثر ہو کر اور کافی غور و خوض کے بعد اپنے رفقاء کے ساتھ حبشہ جانیکی تجویز پیش کرنا۔ اور اس کے بعد طویل سفر طے کر کے حبشہ پہنچنا اور

وہاں عمرو بن امیہ کی موجودگی اور تحقیق کے بعد مہاجرین کی واپسی کے متعلق ان کی آمد معلوم ہوتا۔ اور اسی سفر میں حضرت ام حبیبہ کے نکاح کا معاملہ معلوم ہوتا۔ ایسے امور ہیں کہ بعض راویوں کو یہ شبہ پیدا ہوگیا کہ یہ نکاح سنہ ہجری میں ہوا ہے۔ حالانکہ واقعات سے آپ معلوم کر چکے ہیں کہ عمرو بن امیہ کی پہلی سفارت بھی محرم سنہ ہجری میں حبشہ پہنچی ہے جو صرف دعوتِ اسلام ہی کی غرض سے بھیجی گئی تھی تو ایسی حالت میں سنہ ہجری میں عمرو بن امیہ کا حضرت ام حبیبہ کے نکاح کے متعلق دربار نجاشی میں موجود ہونا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔ اور حضرت عمرو بن العاص کے واقعہ میں راویوں نے بیانِ تاریخ میں سہل انکاری سے کام لیا ہے جو تحقیق کے یقیناً خلاف ہے۔

غرض جب اس نکاح کی اطلاع حضرت ام حبیبہ کے والد ابوسفیان کو مکہ میں ہوئی جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے" تو ان کو اس سے کوئی ناگواری نہ پیدا ہوئی بلکہ واقعہ کو سنکر ابوسفیان نے یہ عربی مثل بیان کی۔

ذلك الفحل لا يقدع انفه۔ یہ ایسا نر ہے کہ جس کی ناک پر نیزہ مار کر اسکو ہٹایا نہیں جاتا۔

اہل عرب کا یہ دستور ہو کہ جب عمدہ نسل کی اونٹنی کیساتھ کوئی بدنسل اونٹ جفتی کرنا چاہتا ہے تو مالک اس کی ناک پر نیزہ مار کر اس کو ہٹا دیتا ہے۔

اسلئے یہ مثل ایسے موقع پر بولتے ہیں کہ یہ شخص شریف النسب ہو اس کے ساتھ رشتہ و قرابت باعثِ عزت ہے نہ کہ باعثِ ذلت و رسوائی۔

ایک اشکال اور اسکا حل۔

ابن سعد نے طبقات میں، طبری نے اپنی تاریخ میں، اور ابن سید الناس نے عیون الاثر میں، اور انکے اتباع میں بعض دیگر اصحاب سیر نے جس جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی ان سفارتوں کا تذکرہ کیا ہے جو ۶ سنہ و ۷ سنہ ہجری میں دعوت اسلام کی غرض سے مختلف بادشاہوں کے پاس بھیجی گئیں تو اس میں نجاشی کے پاس سفارت بھیجنے کے سلسلہ میں دو نامہائے مبارک کا ذکر آتا ہے۔ ایک دعوت اسلام کی غرض سے۔ اور دوسرا مہاجرین کی واپسی اور حضرت ام حبیبہ کے نکاح کے متعلق۔ اور ان دونوں خطوط کا تعلق ایک ہی بادشاہ سے بیان کیا ہے۔ اور ان اصحاب سیر میں سے کسی ایک نے بھی یہ تذکرہ نہیں کیا کہ اصحمہ نجاشی کے علاوہ کسی اور نجاشی کے نام بھی آپ نے دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں کوئی نامۂ مبارک روانہ کیا ہے۔

مگر مسلم میں حضرت انس سے ایک روایت ہے

عن انس انّ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب الیٰ کسریٰ والی قیصر والی النجاشی والیٰ کل جبارٍ یدعوھم الی اللہ ولیس بالنجاشی الذی صلّی علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔	حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ فارس۔ قیصر روم اور نجاشی حبشہ اور ہر ایک صاحب سطوت و حکومت کے پاس دعوت اسلام کیلئے نامہائے مبارک روانہ فرمائے لیکن یہ نجاشی وہ نہیں ہے جس کے جنازہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ نماز پڑھی

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دعوتِ اسلام کا معاملہ حبشہ کے دو بادشاہوں سے متعلق ہے ایک وہ نجاشی ہے جس کے جنازہ کی نماز آپ نے غائبانہ مدینہ منورہ میں پڑھی۔ اور دوسرا نجاشی وہ ہے جس کے پاس آپ نے دعوت اسلام کے لئے نامۂ مبارک بھیجا۔ اور عمرو بن امیہ ضمری اس کی سفارت کے لئے بھیجے گئے۔

اسی رویت کی بنا پر حافظ ابن حجر عسقلانی، حافظ ابن قیم اور زرقانی شارح مواہب جیسے محدثین نے یہ تصریح کردی کہ اصحمہ نجاشی حبشہ کے پاس دعوت اسلام کے لئے کوئی نامۂ مبارک نہیں بھیجا گیا اور آخر ۶ سنہ ہجری اور اوائل ۷ سنہ ہجری میں جو چھ نامہا مبارک سلاطین کے نام بھیجے گئے ہیں اسمیں اس نجاشی کے پاس دعوت نامہ گیا ہے جو اصحمہ کے علاوہ دوسرا النجاشی تھا نہ اس کا نام معلوم ہے اور نہ اس کے قبول وعدم قبول اسلام کا کوئی حال معلوم۔

حافظ ابن حجر نے اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ لکھا ہے۔

وفی حدیث انس الذی اشرت الیہ عند مسلم ان النجاشی الذی بعث الیہ معہو لاء غیر النجاشی الذی اسلم	حدیث انس میں کہ جس کا ذکر میں بحوالہ مسلم کر چکا ہوں یہ ہے کہ وہ نجاشی جس کے پاس مذکورہ بادشاہوں کے ساتھ دعوت اسلام کے لئے نامۂ مبارک بھیجا گیا ہے اس کے علاوہ ہے جو مسلمان ہو گیا تھا (یعنی اصحمہ کے علاوہ ہے)
(فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۹۶ و ۹۷)	

اور حافظ ابن قیم زاد المعاد میں تحریر فرماتے ہیں۔

لما رجع من الحدیبیۃ کتب الی ملوک الارض وارسل الیہم رسلہ فکتب الی ملک الروم فقیل لہ انہم لا یقرؤون کتابا الا اذا کان مختوما فاتخذ خاتما من فضۃ ونقش علیہ ثلثۃ اسطر محمد	جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس تشریف لے آئے تو بادشاہوں کے نام اسلام کے دعوت نامے بھیجے اور اپنے سفراء کو انکے پاس روانہ فرمایا لیکن آپ کے اس ارادہ کے وقت بعض صحابہ نے عرض کیا کہ بادشاہوں کا یہ دستور ہے کہ وہ غیر مہر شدہ خط نہیں پڑھتے اور نہ قبول کرتے ہیں تب آپ نے چاندی کی

سطرٌ، رسولٌ سطر، اللهٌ سطرٌ، و ختم به الکتب الی الملوک وبعث ستته نفر فی یوم واحد فی المحرم سنة سبع فاولهم عمرو بن امیة الضمری بعثه الی النجاشی واسمه اصحمة بن الجبر وتفسیر اصحمة "عطیة" فعظم کتاب النبی صلی الله علیه وسلم ثم اسلم وشهد شهادة الحق وکان من اعلم الناس بالانجیل وصلی علیه النبی صلی الله علیه وسلم یوم مات بالمدینة وهو بالحبشة هکذا قال جماعة منهم الواقدی وغیره ولیس کما قال هؤلاء فان اصحمة النجاشی الذی صلی علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم لیس هو الذی کتب الیه وهو الثانی لا یعرف اسلامه بخلاف الاول فانه مات مسلما وقد روی مسلم فی

ایک انگشتری بنوائی اور اس پر تین سطروں میں محمد رسول اللہ نقش کرادیا اس طرح کہ محمد ایک سطر میں رسول دوسری سطر میں اور اللہ تیسری سطر میں  اور اس مہر کو خطوط پر ثبت فرمایا اور چھ سفیر بیک وقت محرم سنہ ہجری میں روانہ فرمائے۔ عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کے پاس بھیجا نجاشی کا نام اصحمہ بن ابجر ہے اصحمہ کے معنی (عطیہ) کے ہیں اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کی تعظیم کی اور بالآخر مسلمان ہوگیا۔ اور صدق دل سے کلمہ پڑھ لیا یہ انجیل کا بہت بڑا عالم تھا جب اس کا حبشہ میں انتقال ہوا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اس کے جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھی ہے۔ یہ ایک جماعت کا کہ جیسے واقدی وغیرہ ہیں خیال ہے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے اسلئے کہ جس پر آپ نے نماز پڑھی ہے وہ یہ نجاشی نہیں ہے جس کے پاس والا نامہ بھیجا ہے بلکہ دوسرا ہے اس کے قبول وعدم قبول اسلام کا کچھ حال معلوم نہیں ہے۔ اور پہلا نجاشی اصحمہ مسلمان ہو کر مرا ہے اور مسلم نے اپنی صحیح میں بروایت قتادہ حضرت انس سے روایت کی ہے

صحیحہ من حدیث قتادۃ عن انس قال کتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیٰ کسریٰ (الحدیث)، وقال محمد بن حزم ان ھذا النجاشی الذی بعث الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرو بن امیۃ الضمری لم یسلم. والاول ھو اختیار ابن سعد وغیرہ والظاھر قول ابن حزم۔

زاد المعاد صفحہ ۳۱ ج ۱

وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کے نام لکھا الخ اور محمد بن حزم کہتے ہیں کہ جس نجاشی کے پاس حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو آپ نے بھیجا ہے وہ مسلمان نہیں ہوا۔ بہرحال پہلے قول کو ابن سعد وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ اور بظاہر ابن حزم کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ (زاد المعاد)

محدثین کی اس تصریح کے بعد ابن سعد کی روایت اور ان کے بیانات میں اجمال وتفصیل کا فرق نہیں رہتا۔ بلکہ اختلاف قایم ہوجاتا ہے۔ ابن سعد وغیرہ کی روایت صراحت کرتی ہے کہ جن چھ بادشاہوں کو سنہ ۶ ہجری میں نامہائے مبارک روانہ کئے گئے ہیں۔ انہیں اس نجاشی کے نام حضرت عمرو بن امیہ ضمری نامۂ مبارک لیکر گئے ہیں جسکا نام اصحمہ ہے اور جس کے جنازہ کی غائبانہ نماز آپنے پڑہی ہے۔ اور زرقانی وغیرہ محدثین مسلم کی حدیث انس کی توضیح میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس نجاشی (اصحمہ) کے نام کوئی نامۂ مبارک نہیں بہیجا گیا جو مسلمان تہا اور جسکی غائبانہ نماز ہوئی اور جس کے پاس نامۂ مبارک بہیجا گیا اس کے مسلمان ہونے نہ ہونے کا کوئی حال معلوم نہیں ہوا اور نہ اس نجاشی کا نام معلوم ہوسکا یا یہ کہ وہ مسلمان نہیں ہوا جیسا کہ ابن حزم نے تصریح کی ہے۔

ایسی حالت میں ہمارے لئے یہ آسان تہا کہ ہم صحیح مسلم کی حدیث انس کے ظاہر

الفاظ کے اعتبار پر محدثینِ کرام کی تصریح و توضیح کو قبول کر لیتے! اور ابن سعد اور ان کے اتباع کی روایت کو وہم یا اختلافی مضمون پر محمول کر لیتے مگر ناقدانہ نظر و فکر روایت و درایت دونوں اعتبار سے اس کی موافقت نہیں کرتے۔

اسلئے کہ بخاری باب الجنائز میں جب صلوۃ علی الغائب کے تحت میں اصحمہ نجاشی کی نماز سے متعلق روایت کی گئی ہے تو شارحین بخاری حافظ ابن حجر۔ شیخ بدرالدین عینی۔ قسطلانی وغیرہ اس کی شرح میں زمانہ وفات نجاشی کے اختلاف کو نقل کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ نجاشی کی وفاۃ سنہ ۸ ہجری یا سنہ ۹ ہجری میں ہوئی ہے۔ ان دو سنین کے علاوہ اور کسی سنہ کا ذکر نہیں آتا۔

نیز اس بات پر تمام محدثین و اصحابِ سیر کا اتفاق ہے کہ حضرت ام حبیبہ کے نکاح کا معاملہ اور مہاجرین کی واپسی کا مطالبہ اس نجاشی کے ساتھ پیش آیا ہے جو مسلمان ہو چکا تھا اور جسکا نام کتب حدیث و سیر میں (اصحمہ) مذکور ہے۔ اور یہ دونوں واقعات باختلافِ روایات سنہ ۶ یا سنہ ۷ ہجری سے متعلق ہیں یا سابق تحقیق کے مطابق اواخر سنہ ۶ ہجری میں پیش آئے۔ اور یہ بھی محقق ہے کہ ہجرت حبشہ کے تمام واقعات کا سلسلہ بھی اسی نجاشی کے ساتھ وابستہ ہے جو مسلم ہے اور جسکا نام (اصحمہ) ہے تو اب قدرتی طور پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جب اوائلِ نبوت کے وقت سے سنہ ۶ یا سنہ ۹ ہجری تک حبشہ کی حکومت (اصحمہ) کے زیرنگین رہی اور درمیانی حصہ میں اس کے اور مسلمانوں کے درمیان مسلسل مختلف واقعات و معاملات میں ربط و ضبط موجود ہے تو محرم سنہ ۷ ہجری میں اصحمہ نجاشی حبشہ کے پاس دعوتی خط روانہ کیا گیا ہے اور جس کی سفارت کا شرف عمرو بن امیہ ضمری کو حاصل ہوا، وہ اصحمہ کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے؟

ہوسکتا تھا کہ یہ کہدیا جاتا کہ حبشہ کی حکومت پر دو بادشاہ مستقل حکومت کرتے تھے اور دونوں کا لقب نجاشی تھا پس ایک نجاشی یعنی (صحمہ) نامہائے مبارک بھیجنے سے قبل ہی مشرف باسلام ہو چکا تھا اور دوسرے کے پاس آپ نے یہ نامۂ مبارک بھیجا۔ لیکن یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے نہ تاریخ اس کی موئید ہے اور نہ کسی روایت سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ لہٰذا محض وہمی تخمینہ سے اس قدر اہم معاملہ کا فیصلہ ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔

پھر طرفہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو نامۂ مبارک نجاشی کے نام حضرت عمرو بن امیہ ضمری کی معرفت گیا ہے۔ اس کے الفاظ میں بعض روایات میں الی النجاشی کے بعد (الاصحم) کا لفظ موجود ہے۔

اور علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں جب حدیث مسلم کے ظاہر الفاظ کی تائید میں اس خط کے صحمہ کے نام ہونے سے انکار کر دیا تو اس روایت کی طرف بھی توجہ فرمائی اور یہ تنبیہ کی کہ بعض روایات میں نجاشی کے بعد جو لفظ (صحم) کا اضافہ ہے وہ راوی کا وہم ہے اور اس کی طرف سے مدرج ہے۔

اگر ہم اس کو تسلیم بھی کر لیں کہ یہ لفظ راوی کی طرف سے اضافہ ہے۔ تب بھی مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ نامۂ مبارک (صحمہ) کے علاوہ کسی اور نجاشی کے نام ہے۔ شیخ بدر الدین عینی بخاری کتاب الجنائز کی اس حدیث کی شرح میں جو وفات صحمہ سے متعلق ہے نام کی تحقیق فرماتے ہوئے اس اشکال کی طرف متوجہ ہوئے ہیں تحریر فرماتے ہیں

فان قلت وقع فی صحیح مسلم کتب ۔۔۔ اگر تم یہ سوال کرو کہ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ [illegible]

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی النجاشی ۔۔۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی کے پاس دعوت

وھو غیر النجاشی الذی صلّی علیہ قلت قیل کانہ وھم من بعض الرواۃ وانہ عبر بعض ملوک الحبشۃ عن الملک الکبیر او یحمل انہ لما توفی قام مقامہ اٰخر فکتب الیہ

اسلام کے لئے نامۂ مبارک بھیجا تھا مگر یہ وہ نجاشی نہیں ہے کہ جس کے جنازہ کی غائبانہ نماز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھی۔ تو میں اس کا جواب یہ دونگا کہ یا تو یہ راویوں میں سے کسی راوی کا وہم ہے اور اسنے ملک حبشہ کہکر کسی چھوٹے حاکم حبشہ کو مراد لیا ہے یا اس روایت کو اس پر محمول کر لیا جائے کہ جب اصحمہ نجاشی کا انتقال ہوگیا اور اس کا قایم مقام نجاشی ہوا ہو اس کے نام نامۂ مبارک بھیجا گیا۔

شیخ بدر الدین حافظ حدیث ہیں فنون حدیث کے ماہر اور اس کے صحت وسقم پر فیصلہ کر دینے کا حق رکھتے ہیں وہ اگر راوی کا وہم فرمائیں تو ہم کو مجال انکار نہیں لیکن اس کے باوجود ہماری یہ سعی کہ وہم راوی بھی ثابت نہو اور تمام روایات باحسن وجوہ آپس میں مطابق ہو جائیں غالبًا کچھ بیجا اور نامناسب نہیں ہے اسلئے تھوڑی دیر کیلئے ہم اس توجیہ پر کلام کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ شیخ کا یہ فرمانا کہ۔

راوی اصحمہ کے علاوہ جس نجاشی کا ذکر کر رہا ہے وہ حبشہ کا مشہور بادشاہ نہیں ہے بلکہ حکام حبشہ میں سے کوئی حاکم مراد ہے" اسلئے دلچسپ نہیں معلوم ہوتا کہ نامۂ مبارک کی تمام روایات میں نجاشی کا لفظ صراحتًا موجود ہے اور یہ واضح ہے کہ "نجاشی" شاہ حبشہ کے علاوہ کسی نائب یا حاکم کے لئے استعمال نہیں ہوا۔ اور جس طرح قیصر روم، کسریٰ فارس، خاقان چین، ان ممالک کے مطلق العنان بادشاہوں کے سوا کسی گورنر کے لئے بھی نہیں کہا جاتا اسی طرح نجاشی حبشہ بھی صرف شاہ حبشہ کے ہی لئے مخصوص تھا اسی طرح بیک وقت دو

نجاشی بھی تاریخی حیثیت سے کسی طرح تسلیم نہیں کئے جاسکتے۔

نیز یہ فرمایا کہ اصحمہ نجاشی کے انتقال کے بعد دوسرے قایم مقام نجاشی کے پاس دعوت نامہ بھیجا گیا راوی اس کا تذکرہ کر رہا ہے تو یہ جب ہی صحیح ہوسکتا ہے کہ اس نامۂ مبارک کی روانگی کا زمانہ ۶ھ یا ۷ھ ہجری نہ تسلیم کیا جائے بلکہ اس کے بعد کوئی سن تسلیم کیا جائے تاکہ اعتراضات سابقہ نہ وارد ہوں یہی وجہ ہے کہ شیخ نے ان توجیہات کو نقل فرمانے سے قبل لفظ "قیل" استعمال فرمایا ہے جو عموماً ایسے ہی مواقع میں استعمال ہوتا ہے جہاں قوتِ استدلال کمزور ہو۔

اب ان تمام نقول وحوالجات اور بحث ونظر کے بعد ہمکو ایک مرتبہ مختصر الفاظ میں اس تمام طویل داستانِ اشکال کو سمجھ لینا چاہیے تاکہ اس کے حل کرنے میں آسانی ہو اور روایات مختلفہ آپس میں مطابق ہوسکیں۔

(۱) ابن سعد اور اس کے اتباع اصحاب سیر ایک ہی نجاشی حبشہ کے پاس دعوت اسلام کے سلسلہ میں نامۂ مبارک کا بھیجا جانا روایت کرتے ہیں اس کا نام "اصحمہ" ہے کہ عمرو بن امیہ ضمری دو مرتبہ اسی کے پاس خطوط لیکر گئے مہاجرین اور ام حبیبہؓ کے نکاح کا معاملہ اسی سے متعلق ہوا اور یہی مسلمان ہوا ہے اور اسی کے جنازہ کی غائبانہ نماز آپؐ نے مدینہ منورہ میں پڑھی ہے۔

(۲) صحیح مسلم کی روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو نجاشی "اصحمہ" مسلمان ہوا ہے اور جس کے جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھی گئی ہے وہ اس نجاشی کے علاوہ ہے جس کے پاس دعوت اسلام کے سلسلہ میں نامۂ مبارک بھیجا گیا۔

(۳) حافظ ابن حجر، حافظ ابن قیم، زرقانی اور ان کے اتباع حدیث مذکورہ کی توضیح وتائید

ہیں صراحت کرتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سنہ ٦ و سنہ ٧ ہجری میں جن چھ بادشاہوں کے نام پیغام اسلام کے خطوط بھیجے گئے ہیں اسی میں اس نجاشی کے پاس بھی نامۂ مبارک گیا ہے جو اصحمہ کے علاوہ ہے حتی کہ زرقانی شرح مواہب میں، مستدرک حاکم، مواہب اور دیگر حدیث و سیر کی اس روایت میں کہ جس میں نامۂ مبارک کے لفظ نجاشی کے بعد "اصحم" کا لفظ ہے۔ راوی کا وہم بتلاتے ہیں اور متنبہ کرتے ہیں کہ یہ قطعاً غلط ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ اقرار کرتے ہیں کہ سنہ ٨ یا سنہ ٩ ہجری تک تخت حبشہ پر اصحمہ ہی سریر آرائے سلطنت تھا۔

(۴) اگر ابن سعد کی روایت صحیح ہو کہ صحیح مسلم اور محدثین کی روایات اور ان کی تشریحات کس طرح درست ہو سکتی ہیں۔

(۵) اگر صحیح مسلم کی اس حدیث کے ظاہر الفاظ کی وہی تعبیر ہے جو حافظ ابن حجر وغیرہ محدثین نے کی ہے تو یہ کسی طرح درست نہیں ہے اس لئے کہ سنہ ٦ و سنہ ٧ ہجری میں اصحمہ زندہ ہے اور سریر آرائے حکومت حبشہ ہے نیز تاریخ و سیر کی کوئی روایت نہیں بتاتی کہ حبشہ میں بیک وقت دو نجاشی مختلف حصص ملک میں سریر آرائے سلطنت ہیں

(۶) اگر سنہ ٦ و سنہ ٧ ہجری کے خطوط کا تعلق اصحمہ نجاشی کے ساتھ ہے تو پھر حدیث مسلم کا مصداق کس نجاشی کو تسلیم کیا جائے اور اس حدیث کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

"واللہ اعلم بحقیقۃ الحال" روایات کی ان پیچیدگیوں کے حل کرنے کے لئے ہم کو چند لمحات ایک دوسری روایت کی نذر کرنے چاہئیں تا کہ معاملہ صاف ہو کر بات واضح اور مدلل ہو جائے

بیہقی نے ابن اسحٰق کی روایت سے بیان کیا ہے کہ سنہ ٨ یا سنہ ٩ ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی حبشہ کے نام دعوت اسلام کے سلسلہ میں نامۂ مبارک بھیجا۔

ابن اسحٰق نے اس نامۂ مبارک کے مضمون کو تو بیان کیا ہے لیکن یہ ظاہر نہیں کیا کہ اس سفارت کا شرف کس صحابی کے حصہ میں آیا اور اس نجاشی کا نام کیا ہے۔

اب اشکال کے تمام اجزاء سامنے رکھکر خود ہی فیصلہ کیجئے اور بآسانی اس گتھی کو سلجھائے ابن سعد اور انکی پیروی میں جن اصحاب سیر نے نجاشی کے نام دعوت نامہ کا ذکر کیا ہے حقیقت میں وہ مجمل اور مختصر تذکرہ ہے یعنی اس روایات میں صرف انہی پیغامات کا ذکر ہے جو ۶ھ یا ۷ھ ہجری میں چھ بادشاہوں کے نام بیک وقت روانہ ہوئے ہیں۔ اس کے بعد ۸ھ و ۹ھ اور ۱۰ھ ہجری میں اسی طرح جو دوسرے پیغامات دربارِ رسالت سے امراء و سلاطین کے نام روانہ ہوئے ہیں انکا تذکرہ نہیں ہے اور جس طرح ان کا ذکر موجود نہیں اسی طرح ان روایات میں انکار بھی ثابت نہیں ہے۔ گویا بعد کے اس قسم کے واقعات کے بارہ میں یہ تمام روایات خاموش ہیں۔ اور اس خاموشی کا سبب یا رواۃ کے وہم و غلط فہمی پر مبنی ہے اور یا اس سلسلہ کی کڑی نہ سمجھکر ان سے قصداً پہلوتہی برتی گئی ہے۔

رہا صحیح مسلم کی حدیث کا معاملہ سو ہمکو کوئی حاجت نہیں کہ ہم اس کے بعض راویوں پر وہم کا الزام لگائیں یا تاریخ و سیرت سے ثبوت حاصل کئے بغیر بلا دلیل بیک وقت دو نجاشی یا ایک بڑا نجاشی اور دوسرا کوئی اس کا نائب و حاکم تسلیم کر کے اس حدیث کی توجیہ کریں بلکہ ہمکو اقرار کرنا چاہیئے کہ راوی نے جو روایت کی ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس نجاشی کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ اس مشہور نجاشی کے علاوہ ہے جس کے جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھی گئی، اور جسکا اسلام مسلم دنیا میں آفتاب کی طرح روشن ہے بلکہ یہ نجاشی "اصحمہ" نجاشی کی وفات کے بعد

اس حبشہ کی حکومت پر متمکن ہوا اور جیسا کہ بیہقی کی روایت سے ثابت ہوتا ہے ۸ سنہ یا ۹ سنہ ہجری میں اس کے پاس بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے سلسلہ میں نامۂ مبارک بھیجا ہے اور چونکہ اس کا نام اور اس کے قبول و عدم قبولِ اسلام کا حال کسی طرح معلوم نہ ہوسکا اسلئے راوی نے یہ دیکھ کر کہ نجاشی کے نام سے کہیں مغالطہ نہ پیدا ہوجائے اور اس کو کہیں اصحمہ نہ سمجھ لیا جائے اس کو دور کرنیکے لئے اس نجاشی کا ان الفاظ کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔

اسلئے ہمارا یہ کہنا کچھ بیجا جرأت نہیں ہے کہ ان الفاظ سے یہ سمجھ لینا کہ مسلم کی یہ حدیث "اصحمہ" کے پاس نامۂ مبارک بھیجنے کا انکار کرتی اور دوسرے نجاشی کے حق میں اثبات کرتی ہے صحیح نہیں ہے۔ اور چونکہ حدیث میں نجاشی حبشہ کے ذکر کے ساتھ ساتھ قیصر و کسریٰ کا بھی تذکرہ ہے اور ان دونوں کے نام پیغامات کی روانگی کا زمانہ وہی ۶ سنہ یا ۷ سنہ ہجری ہے اسلئے یہ التباس پیدا ہوگیا ہے کہ حدیث میں انہی بادشاہوں کے خطوط کا تذکرہ ہے جن کے پاس بیک وقت قاصد روانہ کئے گئے تھے۔

حالانکہ اسی حدیث میں والی کل جبار یدعوھم الی اللہ کے الفاظ سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث میں صرف دعوت بھیجنے کا تذکرہ ہے خواہ مختلف اوقات میں دعوتیں بھیجی گئی ہوں اسلئے کہ یہ بالاتفاق مسلّم ہے کہ ۶ سنہ یا ۷ سنہ ہجری میں صرف چھ بادشاہوں کے نام پیغامات روانہ کئے گئے ہیں اور اسکے بعد ۸ سنہ و ۹ سنہ اور ۱۰ سنہ ہجری میں بھی بعض امراء و سلاطین کے نام اسی قسم کے دعوت نامے بھیجے گئے ہیں مثلاً عبید بن جلندی کے نام ۸ سنہ ہجری میں دعوت نامہ بھیجا گیا ہے۔ غرض اس جگہ راوی کا مقصد اصحمہ کے علاوہ ایک اور نجاشی کے نام بھی دعوت نامہ

جانے کو ظاہر کرنا ہے اور ایک سنہ کے مخصوص چھ بادشاہوں کی تعیین کرنا مقصود نہیں ہے
اور چونکہ اصحمہ کا واقعہ اسقدر عام تھا کہ اس میں کسی مسلمان کے لئے تشریح و توضیح کی
حاجت نہ تھی جیسا کہ واقعات گذشتہ سے بخوبی معلوم ہو چکا ہے اور دوسرے
نجاشی کا واقعہ اس طرح عام طور سے لوگوں کو معلوم نہ تھا بلکہ دوسرے بادشاہوں کے
مقابلہ میں اس دوسرے نجاشی کا واقعہ بہت کچھ پوشیدہ رہا تھی کہ اس کے نام اور
اس کے قبول و عدم قبول اسلام اور اس کے متعلق سفارت کی تعیین تک نہ ہو سکی اسلئے
راوی نے اس کو اس طرح بیان کرنا ضروری سمجھا۔ اس طرح بحمد اللہ ابن سعد کی روایت
بھی بحالہ درست رہتی ہے اور صحیح مسلم کی روایت میں بھی راوی کے وہم یا دور از کار
توجیہات کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور شیخ بدرالدین رحمہ اللہ کا یہ احتمال یقین کو
پہنچ جاتا ہے کہ "اصحمہ" کے انتقال کے بعد جو نجاشی اس کا قائم مقام ہوا راوی اس کا
تذکرہ کر رہا ہے اور اس کے پاس سنہ میں نہیں بلکہ سنہ، ۹ سنہ ہجری میں نامہ
مبارک بھیجا گیا اور اس کی توضیح میں بعض محدثین کو جو غلط فہمی پیش آگئی ہے اس
کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے۔ لہذا اب ہم اشکال کی طرح اس کے حل کو بھی اس طرح
ترتیب دے سکتے ہیں۔

(۱) ابن سعد کی روایت میں صرف "اصحمہ" کے پاس نامہ ہائے مبارک بھیجنے کا ذکر
ہے مگر دوسرے نجاشی کے پاس بھیجنے یا نہ بھیجنے کا کوئی تذکرہ نہیں اس لئے
یہ روایت مجمل ہے مگر بالکل صحیح اور درست ہے۔

(۲) صحیح مسلم کی روایت کی جو تعبیر زرقانی یا حافظ ابن قیم رحمہم اللہ وغیرہ نے فرمائی
ہے اس میں کچھ التباس ہو گیا ہے۔

(۳)۔ صحیح مسلم کی روایت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ راوی "اصحمہ" کے علاوہ اس نجاشی کا ذکر کرتا ہے جس کے پاس سنہ ۸ یا سنہ ۹ ہجری میں دعوت نامہ بھیجا گیا اور جسکا حال عام نظروں سے پوشیدہ رہا اور اس لئے اس کے نام اور اس کے قبول و عدم قبول اسلام کا بھی پتہ نہ چلا۔

(۴) اس دوسرے نجاشی کے پاس اسلام کے پیغام کے سلسلہ میں سنہ ۸ یا سنہ ۹ ہجری میں جو نامہ مبارک بھیجا گیا بیہقی نے بروایت ابن اسحٰق اس کو روایت کیا ہے۔ جسکا مفصل حال انشاء اللہ سنہ ۹ ہجری کے واقعات میں آئیگا۔

سیرت حلبیہ کی تنقید

سیرتِ حلبیہ میں بھی اس مسئلہ پر کافی بحث کی گئی ہے اصل حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد اس کا نقل کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ نجاشی کے مفصل واقعہ کو نقل کرنیکے بعد صاحب سیرت حلبیہ نے حسب ذیل الفاظ میں اسپر تنقید کی ہے۔

وھو صریح فی ان ھذا المکتوب الیہ	یہ اس کے لئے صریح ہے کہ اس مکتوب کا مکتوب الیہ
ھوالذی ھاجر الیہ المسلمون	وہی نجاشی ہے جسکی طرف سنہ ۵ھ میں مسلمان ہجرت
سنۃ خمس من النبوۃ ونعاہ النبی	کر کے گئے اور جس کی وفاۃ کی آپنے اطلاع دیکر
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوماً	اس کے جنازہ کی مدینہ میں غائبانہ نماز پڑھی جب
توفی وصلی علیہ بالمدینۃ منصرفہ	آپ تبوک سے واپس تشریف لائے یہ واقعہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من	سنہ ۹ ہجری کا ہے اور اس کے خلاف ابن حزم
تبوک وذلک فی السنۃ التاسعۃ	وغیرہ نے جو یہ بات کہی ہے کہ یہ نجاشی جس کے
والذی قالہ غیرہ کابن حزم ان	پاس نامہ مبارک حضرت عمرو بن امیہ لیکر گئے

هذا النجاشي الذي كتب اليه
صلى الله عليه وآله وسلم الكتاب
وبعث به عمرو بن امية الضمري
لم يسلم وانه غير النجاشي الذي
صلى عليه النبي صلى الله عليه
وسلم الذي آمن به واكرم
اصحابه وفي صحيح مسلم ما
يوافق ذلك فعنه عن انس رضي
الله عنه ان النجاشي الذي
كتب اليه ليس بالنجاشي
الذي صلى عليه. ويروى بانه
يجوز ان يكون صلى الله عليه
وسلم كتب للنجاشي الذي صلى
عليه والنجاشي الذي تولى بعده
على يد عمرو بن امية فلا مخالفة
ومن ثم قال في النور والظاهر ان
هذه الكتابة متاخرة عن الكتابة
الى صحمة الرجل الصالح الذي
آمن به صلى الله عليه وسلم

مسلمان نہیں ہوا اور یہ اس نجاشی کے علاوہ ہے
جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز غائبانہ
پڑھی اور جو مسلمان تھا اور جس نے صحابہ کے ساتھ
حسن معاملہ کیا اور صحیح مسلم میں اسی کے موافقت
ظاہر ہوتی ہے اسلئے کہ حضرت انس کی روایت
ہے کہ وہ نجاشی جس کے پاس آپ نے نامہ مبارک
لکھا اس نجاشی کے علاوہ ہے جس پر آپ نے غائبانہ
نماز پڑھی۔ لیکن ابن حزم وغیرہ کے اس مسلک
پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس میں ہی کیا تضاد
ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نجاشی
کے پاس بھی نامہ مبارک بھیجا ہو جس پر آپ نے
غائبانہ نماز پڑھی اور اس کے بعد دوسرے
نجاشی کے پاس بھی حضرت عمرو ہی کی معرفت
بھیجا ہو؟ شاید اسی وجہ سے "نور" میں یہ کہا گیا کہ
یہ کتاب اس مکتوب کے بعد میں ہے جو اصحمہ رجل
صالح کو لکھا گیا تھا جو مسلمان بھی ہوا اور صحابہ کے
ساتھ ہجرت کے زمانہ میں حسن معاملہ برتا۔ لیکن
اس میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نامہ مبارک
کے جواب میں جو نجاشی کا جواب مذکور ہے اور

واکرم اصحابہ ھذا کلامہ	حضرت عمرو کے سامنے یہ شہادت دی کہ یہی وہ
وفیہ ان رد الجواب علی النبی	نبی منتظر ہیں جنکا انتظار اہل کتاب کو تہا یہ بات
صلی اللہ علیہ وسلم فی الکتاب	تو اس کا پتہ دیتی ہے کہ یہ مکتوب اسی نجاشی کا نام
المذکور ورد ہ علی عمرو بن امیۃ	ہے جو رجل صالح تہا اور دوسرے کا جواب معلوم
بقول اشہد باللہ انہ النبی الذی	نہیں ہوا اور نہ کتب سیرت میں مذکور
ینتظرہ اھل الکتاب الی اٰخرہ	ہے اور ابن حزم کا مقولہ گذر چکا وہ کہتے ہیں کہ
انما ہذا سبب الاول الذی ھو الرجل	دوسرا اسلمان نہیں ہوا بعض کہتے ہیں کہ ظاہر
الصالح ویکون جواب الثانی لم	یہی ہے کہ یہ نامہ مبارک دوسرے نجاشی کے نام
یعلم وقد تقدم عن ابن حزم	ہے اور اس وقت یہ کہنا پڑے گا کہ راوی سے
انہ لم یسلم وقال بعضھم انہ	وہم ہوا اور اس نے دونوں کو خلط ملط کر دیا وہ
الظاھر وحینئذٍ یکون الراوی	سمجہا مکتوب الیہ ثانی اور مکتوب الیہ اول دونوں
خلط وھم ان المکتوب الیہ ثانیا	ایک ہی ہیں جیسا کہ کتاب "ہدی" میں اشارہ
ھو المکتوب الیہ اولا کما اشار	پایا جاتا ہے۔ جلد ۳ صفحہ ۲۷۴ میں کہتا ہوں کہ ان
الیہ فی الھدی واللہ اعلم۔	تمام مباحث میں صحیح راہ وہی ہے جسکو ہمنے مفصلاً
جلد ۳ صفحہ ۲۷۴	عرض کر دیا ہے۔

اس تفصیلی تحقیق کے بعد علامہ شبلی نے اس کے متعلق سیرت النبی میں جو ریمارک کیا ہو وہ بھی نقل کر دینا مناسب ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں۔

۔ نجاشی بادشاہ حبش کو آپ نے دعوت اسلام کا جو خط بھیجا تہا اس کے جواب میں اسنے عریضہ بھیجا کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے سچے پیغمبر ہیں حضرت

جعفر طیار جو ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے یہیں موجود تھے نجاشی نے ان
کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی۔ ابن اسحٰق نے روایت کی ہے کہ نجاشی نے
اپنے بیٹے کو ساٹھ مصاحبوں کے ساتھ بارگاہ رسالت میں عرض نیاز کے
کے لئے بھیجا۔ لیکن جہاز سمندر میں ڈوب گیا اور یہ سفارت ہلاک ہوگئی۔

سابقہ تمام واقعات وحالات کے پیش نظر یہ بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ علامہ شبلی مرحوم جب نجاشی کا واقعہ اس جگہ ذکر فرما رہے ہیں وہ اصحمہ بن الجبر ہے اور اسی کا لڑکا "ارہا" ساٹھ مصاحبوں کے ساتھ دربار رسالت کی حاضری کے لئے حبشہ سے چلا تھا مگر کشتیاں غرق ہوگئیں اور یہ سفارت کامیاب نہ ہوسکی۔

لیکن علامہ نے ان مذکورہ بالا سطور کے بعد تحریر فرمایا ہے۔

عام ارباب سیر لکھتے ہیں کہ نجاشی نے ۹ھ میں وفات پائی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم موتہ میں تشریف رکھتے تھے۔ اور یہ خبر سنکر آپ نے
غائبانہ اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی لیکن یہ غلط ہے۔ صحیح مسلم میں تصریح کی
ہے کہ جس نجاشی کی نماز جنازہ آپ نے پڑھی وہ یہ نہ تھا بلکہ سابق نجاشی تھا،

آنحضرت تبوک میں تشریف رکھتے تھے

تو اب علامہ مرحوم کی حدیث مسلم کی یہ توجیہ واقعہ کی تصحیح کسی طرح درست نہیں ہوسکتی اسلئے کہ عام ارباب سیر ہی نہیں بلکہ تمام محدثین واصحاب سیر اس میں متفق ہیں کہ اصحمہ نجاشی کے جنازہ کی غائبانہ نماز ۸ھ یا ۹ھ ہجری میں پڑھی گئی۔ اور جیسا کہ ہماری مسطورہ بالا تشریح سے واضح ہوچکا ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث کی یہ توجیہ کس طرح درست ہوسکتی ہے جو علامہ مرحوم نے بیان فرمائی ہے۔ نیز یہ نہ صرف ہمارے ہی نزدیک ناقابل قبول ہے بلکہ محدثین وشارحین بخاری ومسلم کے نزدیک بھی مسلم نہیں اسلئے کہ محدثین نے

تصریح کی ہے کہ جس نجاشی کے پاس نامہ مبارک بھیجا گیا ہے اس کا اسلام ثابت نہیں ہے اور نہ اس کا نام معلوم ہے۔ لیکن مولانا شبلی مرحوم ایک طرف محدثین کی تصریح کے خلاف اس کو مسلمان ثابت کرتے ہیں اور اصحمہ سے متعلق واقعات کو اس دوسرے نجاشی کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں اور دوسری طرف اس کا انکار فرماتے ہیں کہ اس نجاشی کے جنازہ کی نماز آپ نے نہیں پڑھی بلکہ وہ سابق نجاشی تھا۔

مولانا عبدالرؤف صاحب داناپوری طبیب کلکتہ نے بھی سیرت "اصح السیر" میں اس طرف توجہ فرمائی ہے لیکن صرف اختلاف روایت اور اشکال کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ روایات اسقدر پیچیدہ اور مختلف و متضاد ہوگئی ہیں کہ ان کی باہم تطبیق نہایت مشکل ہوگئی اسلئے میں فقط اس اختلاف کو ہی نقل کر کے اس بحث کو ختم کئے دیتا ہوں (انتہی) ان حوالجات کی نقل سے یہ مقصد ہے کہ ارباب بصیرت کو یہ معلوم ہو جائے کہ مضمون زیر بحث ہر ایک سیرت نویس کے پیش نظر رہا ہے اور اس نے اس کی دشواریوں کو محسوس بھی کیا ہے۔

رہا یہ امر کہ اصحمہ نجاشی کا انتقال کس سنہ میں ہوا ۸ سنہ ہجری میں یا ۹ سنہ ہجری میں سو اس سے قبل معلوم ہو چکا ہے کہ اس بارہ میں محدثین و اصحاب سیر کے اقوال مختلف ہیں۔ ہر دو جماعتوں کے بعض افراد غزوہ موتہ ۸ سنہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں اور بعض غزوہ تبوک ۹ سنہ ہجری کا۔ اسلئے اسکے متعلق کوئی حتمی فیصلہ مشکل ہے البتہ محدثین و ارباب سیر میں سے اکثر محققین ۹ سنہ ہجری کو ترجیح دیتے ہیں اور یہی بظاہر راجح معلوم ہوتا ہے۔

حافظ زین الدین عراقی نے الفیہ میں اور شیخ عبدالرحیم عراقی نے اس کی شرح

میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔

فی التسع غزوۃ تبوک بعد ان ؁ صلی علی اصحم غائباً فمن

وفی سنۃ تسع کانت غزوۃ تبوک وتعرف بغزوۃ العسرۃ (———)

وبالفاضحۃ بینہا وبین المدینۃ نحو اربع عشرۃ مرحلۃ وبینہا و

بین دمشق احدی عشرۃ مرحلۃ وفیہا صلی علی اصحم ترخیم صحمۃ

النجاشی ملک الحبشۃ بعد ما اخبرہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بذلک

الصلوۃ علی الغائب

۹ سنہ ہجری میں غزوہ تبوک پیش آیا اس کا نام غزوہ العسرۃ اور فاضحہ بھی ہے اور اس کے اور مدینہ کے درمیان چودہ مراحل ہیں اور اس کے اور دمشق کے درمیان گیارہ مراحل ہیں۔ اسی سنہ میں اصحمہ شاہ حبشہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غائبانہ نماز پڑھی اور آپ کی اطلاع پر صحابہ نے بھی اس کی نماز پڑھی۔

اصحم "اصحمہ" کی ترخیم ہے۔

واخرج اصحاب الصحیح قصۃ صلاتہ	اصحاب صحیح نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے
صلی اللہ علیہ والہ وسلم علیہ	اس کی نماز غائبانہ پڑھنے کا قصہ متعدد طرق سے
صلوۃ الغائب من طرق منہا روایۃ	نقل کیا ہے منجملہ ان کے ایک روایت عطاء کی ہے
عطاء عن جابر لما مات النجاشی	حضرت جابر سے کہ جب نجاشی کا انتقال ہوا تو نبی
قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آج خدا کے نیک
قد مات الیوم عبد صالح یقال لہ	بندے اصحمہ کا انتقال ہو گیا تم سب کھڑے ہو اور
اصحمۃ فقوموا فصلوا علی اصحمۃ	اپنے بھائی اصحمہ پر نماز پڑھو پس ہم نے آپ کے

فصففنا خلفہ۔ قال الطبری و	پیچھے صف بندی کی۔ طبری اور ایک جماعت کا
جماعة كان ذلك في رجب سنة	یہ خیال ہے کہ یہ واقعہ رجب ۹ سنہ ہجری میں پیش آیا اور ان کے
تسع وقال غيره كان قبل الفتح	برعکس دوسری جماعت کا یہ گمان ہے کہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے

دوسرا پیغام قیصر روم کے نام

روم

الٓمّٓ۔ غلبت الروم فی ادنی الارض (روم) الم۔ رومی مغلوب ہو گئے۔ زمین قریب میں۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل مشرق و مغرب کی دو حکومتیں جس طرح اپنی سطوت و جبروت، طاقت و حکومت میں نہایت پرشوکت سمجھی جاتی تہیں اسی طرح ان دونوں کے درمیان عرصہ سے کشمکش جاری تہی اور دونوں ایک دوسرے کی طاقت کے فنا کر دینے کے درپے رہتی تہیں۔

ان دونوں میں سے ایک روم کی وہ با جبروت حکومت تہی جس کے زیر اقتدار نہ صرف یورپ تہا بلکہ تمام شام، اور عرب و عجم کے بہی بعض حصے آچکے تھے۔ قوانین و ضوابط، اور نظام حکومت کے اعتبار سے روم کو وہ رتبۂ عالی حاصل تہا کہ یورپ کی موجودہ متمدن حکومتیں آجتک رومن لا کے اساس کو وحی الٰہی کیطرح سمجھتی ہیں اور اپنے قوانین کا جزو بناتے ہوئے ہیں۔ اسی طرح عجم و فارس کی حکومت بہی درفش کاویانی کے زیر سایہ اپنی وسعت و حدود مملکت کے اعتبار سے نہ صرف ایران پر قابض تہی بلکہ ایک طرف ہندوستان کی سرحد تک پھیلی ہوئی تہی تو دوسری جانب عراق عجم سے بہی آگے تک اسکا دائرہ وسیع تہا۔ ہوس ملک گیری کی وہ آویزش

جو اکثر دو طاقتوں کو لڑا کر پُرامن رعایا کی زندگی کو تباہ و برباد کر دیا کرتی ہے، یہاں بھی کب اپنے نظریہ کے خلاف کر سکتی تھی۔

اسلئے چھٹی صدی کے شروع سے تقریباً بیس سال تک ان دونوں حکومتوں کے درمیان سخت ہنگامہ آرائی رہی شروع میں تقریباً پندرہ سال تک قسمت کا پانسہ رومیوں کے خلاف رہا۔ اور خسرو پرویز نے دامن فرات سے وادی نیل تک اور ساحل باسفورس تک سب تاراج کر دیا تھا۔ شام، مصر، ایشائے کوچک، یہ تمام مشرقی حصے روم کے اقتدار سے نکل کر ایران کے قبضہ میں داخل ہو چکے تھے۔ یہی نہیں بلکہ خود حکومت کے پایہ تخت قسطنطنیہ کا جو شہنشاہ قسطنطین اعظم کی یادگار ہے کہ جس نے صنم پرستی کو ترک کر کے سب سے اول یوروپ میں مذہب عیسوی کو قبول کیا اور رعایا کو بہ جبر عیسائی بنایا، ایرانی محاصرہ کئے ہوئے تھے اور روم کا مشہور تاجدار ہرقل (ہرکلیوس) قسطنطنیہ سے فرار کے لئے آمادہ ہو چکا تھا۔

ادھر عیسائیت و مجوسیت، یا روم و ایران کی یہ کشمکش جاری تھی اور دوسری طرف مسلمانوں میں قدرتاً اس کشمکش کے ساتھ ایک خاص دلچسپی پیدا تھی۔ مسلمانوں کی خواہش تھی کہ رومی "جو کہ عیسائی تھے" ایرانیوں کے مقابلہ میں "جو کہ مجوسی اور مشرک تھے" غالب رہیں۔ مگر رومیوں کی پیہم شکستوں اور ایران کی فتح و کامرانی سے مسلمان دل شکستہ ہو رہے تھے کہ یکبیک زبان وحی ترجمان نے قرآن عزیز کی یہ بشارت سنائی۔

الم ۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ	الم۔ رومی اقرب زمین میں مغلوب ہو گئے اور وہ اس مغلوبیت کے بعد چند سال میں ہی غالب ہو جائیں گے۔ فیصلہ قبل اور بعد اللہ کے لئے ہی ہو

قبل ومن بعد یومئذٍ یفرح المؤمنون   اسوقت مسلمان خوش ہوجائیں گے۔

یہی وہ بشارت تھی جس پر صدیق اکبر نے ایک مشرک سے رومیوں کی فتح پر شرط لگائی تھی اور اگرچہ تعین مدت کے بارہ میں ابتداءً انسے غلطی ہوئی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تنبیہ پر کہ عربی لغت میں "بضع" کا لفظ نو تک استعمال ہوتا ہے صدیق اکبر کو تنبہ ہوا اور دوبارہ شرط کرنے پر صدیق اکبر ہی کامیاب رہے۔

قدرت کی کرشمہ سازی دیکھئے کہ قرآن عزیز کی اس بشارت کے بعد ہی پندرہ سال کی پیہم شکستوں اور پایہ تخت کے محاصرہ ہوجانے کے باوجود ۶۱۶ء میں جنگ نے دوسری کروٹ بدلی اور ہوا کا ایسا رخ پلٹا کہ اب ایرانیوں کو شکست پر شکست ہونی شروع ہوئی اور قیصر روم کے وہ تمام مقبوضات جو ایرانیوں نے چھین لئے تھے واپس ہونے لگے حتیٰ کہ ۶۲۴ء میں شام کا وہ تمام علاقہ" جسکو چند سال پہلے ایرانیوں نے تباہ کرکے عرب سلاطین میں سے اس غسانی خاندان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا کہ جس نے صدیوں سے حکومت روم کے زیر اقتدار رومن حکومت کے استحکام و ترقی میں بیش از بیش حصہ لیا تھا"، ایک عظیم الشان جنگ کے بعد ایرانیوں سے واپس لیلیا اور یہی وہ جنگ تھی کہ جس نے حکومت ایران کے حوصلے پست کردیئے اور کامیابی کا سہرا رومیوں کے سر پر باندھا۔ رومیوں کی اس فتح و نصرت اور ایرانیوں کی شکست کا اثر اہل عرب پر بھی پڑا اور مسلمانوں کو اس سے بیحد مسرت و شادمانی اور مشرکین کو سخت حزن و ملال ہوا۔

حدود روم

اس زمانہ میں روم کی حد ان حدود کے ساتھ محدود تھی۔

شمال مشرق میں ترکستان اور سلطنت روس۔ جنوب میں شام واسکندریہ مغرب میں بحیرۂ روم وحکومت اندلس۔

روم کی وجہ تسمیہ

رومیوں کے نسب کے بارہ میں مورخین کو اختلاف ہے لیکن اس میں سب کا اتفاق ہے کہ انکا سلسلہ نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر پہنچتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ رُوم بن سماجیق بن برتبان بن علقان بن عیص بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ رومیل بن اصفر بن نصر بن عیص بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ بہرصورت ان کو بنی الاصفر نسب کی وجہ سے نہیں کیا جاتا بلکہ ان کے رنگ و روپ پر چونکہ سپیدی کے غلبہ سے زردی جھلکتی ہے اسلئے اہل عرب ان کو بنی الاصفر کے لقب سے یاد کرتے ہیں[2]۔

ہرقل قیصر روم

اس زمانہ میں رومیوں کا مشہور تاجدار، ہرقل سربرآرائے سلطنت تھا جو اپنی حکومت کے اعتبار سے اپنے بزرگوں کی طرح قیصر کے لقب سے موسوم تھا۔ ہرقل جس طرح حکومت وسطوت میں ممتاز سمجھا جاتا تھا اسی طرح مذہبی علوم اور عہد قدیم و عہد جدید (توراۃ و انجیل) کا ماہر اور متبحر عالم مانا جاتا تھا۔

ہرقل نے یہ منت مانی تھی کہ خدائے برتر نے اگر مجھکو اس جنگ میں کامیاب کیا تو میں پاپیادہ بیت المقدس کی زیارت کرونگا۔ خدا نے جب اسکو کامیابی عطا فرمائی تو وہ بیحد مسرور ہوا اور ایک عرصہ بعد اپنی نذر پوری کرنے اور خدائے واحد کا شکریہ

(1) اطلس عربی مطبوعہ مصر۔ (2) معجم البلدان۔

اداکرنے کے لئے اس طمطراق کے ساتھ پیادہ پا قسطنطنیہ سے بیت المقدس روانہ ہوا کہ جہاں قدم رکھتا تھا زمین پر فرش اور فرش پر پھول بچھائے جاتے تھے اسی طرح حمص تک پہنچا اور حمص پہنچکر وہاں کچھ روز قیام کیا۔

حضرت دحیہ کلبیؓ

یہ وہ وقت ہے جبکہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت دحیہ کلبیؓ کو ہرقل قیصر روم کے پاس دعوتِ اسلام کے لئے نامۂ مبارک دیکر بھیج رہے ہیں۔ آپ نے حضرت دحیہ کلبیؓ کو حکم فرما دیا تھا کہ تم اس خط کو حاکم بُصریٰ کے پاس لیجانا اور اسکے توسط سے قیصر تک پہونچا دینا۔ گذشتہ واقعات میں یہ ذکر اجمالی طور پر آچکا ہے کہ روم کے زیرِ اقتدار شام میں ایک عرب حکومت قایم تھی جس کے حکمرانوں کو آلِ غسّان یا غساسنہ کہتے ہیں اس خاندان کے بانی کا نام جفنہ تھا۔ اسلئے اسکو کبھی آل جفنہ بھی کہا جاتا ہے اس خاندان میں بعض حکمران نہایت بہادر اور جری گذرے ہیں اور انہوں نے روم کے اقتدار کی خاطر ایرانیوں کے مقابلہ میں بے نظیر شجاعت وبہادری کا بارہا مظاہرہ کیا بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ قیصر کی سطوت کا داہنا بازو یہی شام کے عرب حکمران تھے اسلئے ان عرب حکمرانوں کو قیصر کے دربار میں بہت درخور تھا اور قیصر انکا بیحد اعزاز کرتا تھا اس مختصر حکومت کا دار السلطنت مشہور شہر بُصریٰ تھا جو آجکل "حوران" کہلاتا ہے "یہی وہ شہر ہے جس کے دورانِ سفر میں بحیرا راہب کا مشہور واقعہ نبئ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا تھا"

سنہ ھ مطابق سنہ ۶۲۹ء میں حضرت دحیہؓ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک لیکر روانہ ہوئے تو راستہ میں انکو معلوم ہوا کہ حاکم بصری اسوقت بصریٰ میں موجود نہیں ہے

حمص میں ایک عرصہ سے اسلئے مقیم ہے کہ قیصر کی زیارت بیت المقدس اور رسد رسانی کا انتظام کرے حضرت وحیہ بن خلیفہ کلبی یہ معلوم کر کے حمص کو روانہ ہو گئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی مشہور محدث ابن سکن کی کتاب "صحابہ" سے نقل کرتے ہیں کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحیہؓ کے بعد ہی فوراً عدی بن حاتم کو بھی روانہ کیا تاکہ وہ حضرت وحیہؓ کی امداد و اعانت کریں اسلئے کہ عدی مذہب کے اعتبار سے نصرانی تھے اور شاہی درباروں کے آداب و طریق سے بخوبی واقف،

ہرقل کی پیش گوئی

ابن ناطور حاکم بیت المقدس کا بیان ہے کہ ابھی پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے قاصد راہ میں ہی تھے کہ ایک روز صبح کو ہرقل بہت پریشان بستر راحت سے اٹھا ندماء دربار میں سے ایک ندیم خاص نے عرض کیا کہ آج نصیب اعدا طبیعت زیادہ مضمحل نظر آتی ہے نہ معلوم حضور والا کو کیا پریشانی ہے؟ ہرقل نے کہا کہ شب کو میں نے ستاروں پر نظر کی تو دیکھا کہ ایک نیا ستارہ طلوع ہوا ہے۔ نجوم و کہانت کے ذریعہ جب میں نے سوچا تو معلوم ہوا کہ اس امت کے سردار کی ولادت کسی ایسی سرزمین میں ہوئی ہے کہ جس کے باشندے ختنہ کراتے ہیں اور اس کی بادشاہت تمام عالم پر چھا گئی۔

تم بتا سکتے ہو کہ اس زمانہ میں کس قوم میں ختنہ کی رسم ہے۔ اہل دربار نے عرض کیا کہ یہود کے علاوہ اور کسی قوم میں ختنہ کا دستور نہیں ہے آپ اسقدر ملول نہوں اپنی تمام قلمرو میں حکم دیدیجیے کہ کوئی یہودی بچہ زندہ باقی نہ رہے۔

اس واقعہ کے چند روز بعد حمص سے حاکم بصریٰ نے ایک عربی شخص کو بیت المقدس کے دربارِ شاہی میں بھیجا یہ شخص نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ کے حالات

زندگی اور دعوتِ الٰہی کے واقعات سناتا تھا۔

ہرقل کی خدمت میں جب یہ شخص پیش ہوا اور بعثتِ نبوی کا ذکر کیا تو ہرقل نے حکم دیا کہ اس شخص کو علیحدہ لیجا کر دیکھو کہ یہ مختون ہے یا نہیں جب ہرقل کو اطلاع دی گئی کہ واقعی وہ مختون ہے تو ہرقل نے اُس شخص سے دریافت کیا کہ کیا یہ رسم تمام عرب میں جاری ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ ہاں تمام عرب ختنہ کراتے ہیں۔ ہرقل نے یہ سنکر کہا کہ بیشک تو جس شخص کی نبوت کا حال سناتا ہے وہی دنیا کا سردار ہے جو تمام عالم پر غالب آئیگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رح اس واقعہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ عربی شخص عدی بن حاتم ہے جسکو حضرت دحیہ کی اعانت کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ حافظ رحمہ اللہ کا قیاس صحیح ہو اور چونکہ عدی شام کے علاقوں سے بہت زیادہ واقف تھے اسلئے حضرت دحیہ سے پہلے ہی حمص پہنچ گئے ہوں اور حارث شاہِ بصریٰ نے فوراً ہی انکو بیت المقدس روانہ کر دیا ہو۔ اور یہ شبہہ پیدا کرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا "کہ ہرقل کے ایک سوال میں اسکے ندماء نے یہ کہا تھا کہ اس زمانہ میں ختنہ کی رسم یہود کے علاوہ کسی قوم میں نہیں پائی جاتی اور عدی بقول حافظ ابھی تک نصرانی تھے تو ان کا مختون ہونا کیسے باور ہو" اسلئے کہ عدی اگرچہ عیسائی تھے لیکن عربی نژاد ہونے کیوجہ سے عرب کا دستور ان میں بھی پایا جانا کوئی تعجب انگیز امر نہیں ہے۔

دعوتِ اسلام

ہرقل انہی حالات میں بیت المقدس میں مقیم تھا کہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک لیکر حمص[1] پہنچے اور حارث غسانی کو والا نامہ سپرد کیا

(۱) مولانا شبلی مرحوم نے اس جگہ لکھا ہے کہ حضرت دحیہ نے بصریٰ ہی میں حارث کو جاکر نامہ مبارک دیا یہ صحیح نہیں۔ طبری میں صراحت ہے کہ حارث اس زمانہ میں بصریٰ سے حمص گیا ہوا تھا اور حضرت دحیہ رض نے حمص میں جاکر حارث کو نامہ مبارک دیا ہے۔

حارث نے نامۂ مبارک کو معہ حضرت وحیہ کے قیصر کے دربار میں بیت المقدس بھیجدیا۔

حضرت وحیہ[1] جب بیت المقدس پہنچے تو اہل دربار نے انکو سمجھایا کہ جب تم قیصر کے سامنے پہنچو تو تخت کے سامنے سجدہ کرنا اسلئے کہ اس دربار کا یہی دستور ہے۔ حضرت وحیہؓ نے جواب دیا کہ ہم مسلمان ہیں ہمارا مذہب خدا کی ذاتِ اقدس کے سوا کسی کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ میں ہرگز ہرگز ایسا نہ کرونگا۔ اہل دربار نے کہا کہ اچھا اگر تم یہ نہیں کرسکتے تو جب تم دربار میں پہنچو تو خود اپنے ہاتھ سے اس نامہ کو قیصر کے سامنے رکھدینا اسلئے کہ تخت شاہی پر نامہ رکھدینے کے بعد کسی کو یہ جرأت نہیں ہوسکتی کہ وہ اسکو ہاتھ لگائے۔ صرف قیصر ہی اسکو اپنے ہاتھ سے اٹھا سکتا ہے۔

قیصر کو جب نامۂ مبارک ملا تو اس نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص اگر یہاں مقیم ہو تو اسکو لاؤ۔ صلح حدیبیہ کا زمانہ تھا قریش اور مسلمانوں کی مصالحت کیوجہ سے شام کی تجارت کی راہیں پر امن تہیں اسلئے بیت المقدس کے قریب ہی "غزہ" میں قریش کے تاجروں کا ایک قافلہ تجارت کے سلسلہ میں مقیم تہا۔ امیر قافلہ ابوسفیان تھے "جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے"، قیصر کے قاصد غزہ پہنچے اور قافلہ والوں کو جا کر لے آئے۔

قیصر نے بڑے تزک و احتشام اور کرّوفر کے ساتھ دربار شاہی منعقد کیا اور تخت کے چاروں طرف بڑے بڑے امراء پادری اور راہبوں کے صف بستہ بیٹھ جانے کے بعد حکم دیا کہ قاصد، عرب تاجروں، اور ترجمان، کو بلاؤ۔ جب دربار مکمل ہوگیا تو ہرقل نے عرب تاجروں سے کہا کہ تم میں سے اس مدعی نبوت کا قریبی رشتہ دار کون ہے؟

(۱) سیرۃ حلبیہ۔

ابوسفیان نے کہا "میں" قیصر نے انکو حکم دیا کہ تخت کے قریب آؤ اور ابوسفیان کے باقی ہمراہیوں سے کہا کہ تم اس شخص کے پیچھے بیٹھ جاؤ میں اس شخص سے کچھ سوالات کرتا ہوں اگر کسی جواب میں بھی یہ جھوٹ بولے تو تم مجھکو مطلع کر دینا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ قسم بخدا اگر مجھے یہ حیا دامنگیر نہ ہوتی کہ میرے جھوٹ کی یہ جماعت فوراً تردید کردیگی تو میں کبھی کذب بیانی سے نہ چوکتا مگر اسقدر پھر بھی کہدیا کہ آپ کس شخص کے متعلق سوال کرتے ہیں وہ تو ساحر اور کذاب ہے۔

قیصر نے کہا کہ میں نے گالیاں دینے کے لئے نہیں بلایا جو کچھ دریافت کرتا ہوں اُس کا جواب دو۔[1]

قیصر۔ مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان۔ نہایت شریف ہے۔

قیصر۔ اس سے پہلے بھی کبھی اس خاندان میں کسی نے نبوت کا دعوی کیا ہے؟

ابوسفیان۔ کبھی نہیں۔

قیصر۔ اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ ہوا ہے؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

قیصر۔ اس کے پیرو ذی وجاہت ہیں یا کمزور؟

ابوسفیان کمزور۔

قیصر۔ اس کے پیرو بڑھتے رہتے ہیں یا گھٹتے رہتے ہیں؟

ابوسفیان۔ بڑھتے رہتے ہیں۔

---

(۱) فتح الباری۔

قیصر۔کسی شخص نے اس کے دین میں داخل ہوکر اسکو ترک تو نہیں کیا؟

ابوسفیان۔کسی نے ایسا نہیں کیا۔

قیصر۔اسکے دعوئے نبوت سے پہلے تم اسکو جھوٹا تو نہیں سمجھتے تھے؟

ابوسفیان۔نہیں۔

قیصر۔کبھی وہ عہد کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے؟

ابوسفیان۔کبھی نہیں۔مگر آجکل اس کے اور ہمارے درمیان جدید معاہدۂ صلح (صلح حدیبیہ کیطرف اشارہ تھا) ہوا ہے۔ نمعلوم کہ وہ اسپر قایم بھی رہتا ہے یا نہیں[1]

قیصر۔تمکو کبھی اسکے ساتھ جنگ کی بھی نوبت آئی ہے؟

ابوسفیان۔ہاں۔

قیصر۔نتیجہ کیا رہا۔؟

ابوسفیان۔کبھی وہ غالب آیا اور کبھی ہم۔

قیصر۔اس کی تعلیم کیا ہے۔؟

ابوسفیان۔وہ کہتا ہے کہ ایک خدا کی پرستش کرو، کسی کو اسکا شریک نہ بناؤ، باپ دادا کی مشرکانہ ریت کو چھوڑ دو، نماز پڑھو، سچ بولو، پاکدامنی سیکھو۔صلہ رحمی کرو[2]

قیصر نے سوالات ختم کئے اور ترجمان کے واسطہ سے کہا کہ میں نے اس شخص کی خاندانی شرافت کے متعلق اسلئے دریافت کیا تھا کہ پیغمبر ہمیشہ شریف خاندان ہی ہوا

(۱) ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں صرف یہی ایک فقرہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف کہہ سکا ورنہ تو تمام گفتگو میں کسی جگہ بھی ایک حرف کی گنجایش نہ مل سکی۔

(۲) بخاری شریف۔

کرتے ہیں۔ اور یہ جو میں نے دریافت کیا کہ اُس سے پہلے بھی کسی نے اس کے خاندان میں سے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور تم نے اس کی نفی کر دی سو اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ یہ اپنے خاندان کے دعوی کی تقلید کر رہا ہے۔ میں نے یہ بھی سوال کیا کہ اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ ہو گذرا ہے اور تم نے اس کا انکار کیا سو اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ باپ دادا کی کھوئی ہوئی حکومت کا طالب ہے۔ میں نے جب یہ سوال کیا کہ تمکو کبھی اس کے جھوٹا ہونیکا بھی تجربہ ہوا یا نہیں اور تم نے کہا کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تو میں نے یہ یقین کر لیا کہ جو شخص انسانوں کے ساتھ کبھی جھوٹ نہ بولے وہ ہرگز کبھی خدا پر جھوٹ نہیں بول سکتا۔ میں نے یہ جو سوال کیا کہ اس کے پیرو کمزور ہیں یا ذی اثر تو اول پیغمبروں اور نبیوں کے پیرو اکثر کمزور ہی ہوا کرتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ اس کے پیرو بڑھتے رہتے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں تو ایمان کی کشش کا یہی عالم ہے اس میں روز افزوں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ میں نے یہ پوچھا تھا کہ اس کے دین میں داخل ہو کر کوئی ناراضی کے ساتھ اسکو چھوڑ نہیں بیٹھتا تو اسلئے دریافت کیا کہ ایمان کی خوبی ہی یہ ہے کہ وہ جبر و اکراہ سے نہیں بلکہ اپنی صداقت کے ساتھ دلنشین ہوتا ہے۔ تم نے میرے سوال کے جواب میں یہ بھی کہا کہ وہ عہد کی خلاف ورزی کبھی نہیں کرتا تو پیغمبر کی یہی شان ہے۔ تم نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ ایک خدا کی عبادت کا حکم کرتا ہے۔ شرک سے منع کرتا ہے، نماز، راست گوئی، پاکدامنی کی تعلیم دیتا ہے سو یہ تمام باتیں اگر سچی ہیں تو میری اس پائےگاہ تک اسکا قبضہ ہو جائے گا۔ مجھکو یہ تو ضرور خیال تھا کہ ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے۔ لیکن یہ تو ہرگز گمان نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ اگر میں اس کے پاس جا سکتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔

اس کے بعد حکم دیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا خط پڑہا جائے۔ ترجمان نے خط پڑہنا شروع کیا۔ پیغامِ رسالت کے الفاظ یہ تھے۔

(نقل نامۂ مبارک بنامِ ہرقل قیصرِ روم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسولہ الیٰ ھرقل عظیم الروم، سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ، اما بعد، فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فانّ علیک اثم الیریسیین ویا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ فان تولّوا فقولوا اشھدوا بانّا مسلمون۔

شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ یہ خط محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے ہے جو کہ اللہ کا بندہ اور اسکا رسول ہے ہرقل شاہ روم کے نام سلامتی اسپر ہو جو ہدایت کا پیرو ہے۔ بعد حمد و صلوٰۃ ہیں۔ تجھکو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کرے تمام آفات سے محفوظ رہیگا۔ اور اللہ تعالیٰ تجھکو دوہرا اجر عطا فرمائیگا اور اگر تو نے انکار کیا تو تمام رعایا کا وبال تیری ہی گردن پر رہے گا۔ اے اہل کتاب آؤ اس کلمہ کی طرف جو تمہارے اور ہمارے درمیان برابر ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھیرائیں اور نہ ہم ایک دوسرے کو اللہ کے سوا اپنا رب بنائیں اور اگر تمکو اس سے انکار ہے تو تم گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔

نیاق برادرِ قیصر

اہل عجم کا دستور تہا کہ جب امراء، حکام، اور بادشاہوں کو خط لکھتے تو حاکم یا بادشاہ کے

نام سے شروع کرتے اور اپنا نام آخر میں لکھتے۔ اسلئے جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پڑھا گیا جسکی ابتدا خود نام مبارک سے کی گئی تھی تو قیصر کے بھائی نیاق کو سخت ناگوار گذرا، وہ نہایت غیظ و غضب کے ساتھ کہنے لگا کہ اس عربی نے بادشاہ کی سخت توہین کی، روم کے بادشاہ کے نام خط لکھا جائے اور شروع اپنے نام سے ہو، یہ کہکر چاہتا تھا کہ نامہ مبارک کو چاک کردے۔ قیصر نے یہ دیکھکر سختی سے اسکو روکا اور کہنے لگا کہ اس میں توہین کی کیا بات ہے اُسنے مجھکو سلطانِ روم ہی تو لکھا ہے، واقعہ کے خلاف تو کوئی بات نہیں لکھی پھر یہ غیظ و غضب کیسا[1]

قیصر نے یہ بھی کہا کہ میں نے ...... اس شان کی تحریر اس سے پہلے کبھی نہیں سنی۔ قیصر اور ابی سفیان کی گفتگو نے امراء دربار، پادریوں، اور راہبوں، کو سخت برہم کر دیا تھا اب نامہ مبارک کو سنکر اور زیادہ برافروختہ ہوگئے یہ حالت دیکھکر قیصر نے عرب تاجرں کو دربار سے اٹھا دیا۔ ابوسفیان جب دربار سے اٹھے تو اپنے رفقا سے کہنے لگے کہ ابوکبشہ[2] کے بیٹے کی (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) کی بات بالا ہے کہ روم کا بادشاہ بھی اس سے خائف نظر آتا ہے۔

---

(۱) قسطلانی و خصائص سیوطی۔ (۲) شیخ بدرالدین عینی شارح بخاری فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ابن ابوکبشہ متعدد وجوہ سے کہا جاتا ہے۔ (۱) ابوکبشہ ایک شخص عرب میں گذرا ہے جو عرب کے مشرکانہ عقائد کا سخت مخالف تھا (۲) ابوکبشہ آپ کی والدہ کے رشتہ میں آپکے کسی نانا کی کنیت ہے (۳) ابوکبشہ حلیمہ سعدیہ کے شوہر حارث کی کنیت ہے۔ (۴) بعض کا خیال ہے کہ ابوکبشہ عرب میں ایک شخص گذرا ہے جو ستارہ شعریٰ کی پرستش کا موجد تھا۔ عرب آپ کو اسلئے ابن ابوکبشہ کہتے ہیں کہ اہل عرب کے نزدیک آپ بھی ایک نئے مذہب کے موجد تھے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابوکبشہ آپکے ننہالی رشتہ میں کسی جد کا نام ہے عرب کا دستور ہے کہ جب کسی کی توہین کرتے ہیں تو اسکو اسکے غیر معروف جد کی طرف نسبت کرتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں سیرۃ حلبیہ میں ایک اور دلچسپ واقعہ مذکور ہے۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ دیکھا کہ قیصر کے قلب میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت جاگزیں ہوتی جاتی ہے تو مجھ سے خاموش نہ رہا گیا اور میں نے عرض کیا۔

اے بادشاہ۔ آپ کو معلوم نہیں یہ شخص ایسی عجیب وغریب باتیں کہتا ہے کہ عقل بھی اس کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس کی ان عجیب باتوں میں ایک بات سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ جب وہ مکہ میں تھا تو اس نے ایک روز اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرے خدا نے مجھکو ایک ہی شب میں مسجد حرام سے بیت المقدس اور بیت المقدس سے آسمانوں تک سیر کرائی، اور مسلمان اس واقعہ کو اسراء اور معراج کے نام سے یاد کرتے ہیں

قیصر ابھی خاموش تھا کہ ابن ناطور حاکم بیت المقدس نے عرض کیا۔ جہاں پناہ۔ ایک واقعہ اسی زمانہ کا مجھ پر بھی گذرا ہے جس سے میں ہمیشہ متعجب رہتا تھا اور ابوسفیان کی اس بات نے تو مجھکو اور بھی زیادہ تعجب میں ڈالدیا۔

واقعہ یہ ہے کہ میں ہمیشہ شب کے وقت نگرانی میں ہیکل[1] کے دروازے بند کرادیا کرتا تھا ایک شب کو کہ غالباً وہی شب تھی جسکا ذکر ابوسفیان کرتا ہے،، معمول کے مطابق میں ہیکل کے دروازے بند کرانے لگا تو تمام دروازے بغیر کسی خاص کوشش کے بند ہوگئے مگر ایک دروازہ بند نہ ہوسکا، میں نے اور ماتحت عملہ کے آدمیوں نے بہت کوشش کی مگر کامیابی نہوئی۔ میں نے اس معاملہ کو کوئی اہمیت نہ دی اور اسی طرح دروازہ کھلا رہنے دیا، صبح جب ہیکل میں حاضری کے لئے داخل ہونے لگا تو اس دروازہ کے قریب ہی کسی چوپایہ کے قدموں اور سموں کے نشان نظر آئے اور سامنے پتھر کے نزدیک بھی ایسے نشان موجود تھے کہ جس سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ اس

[1] مسجد اقصیٰ جو نصاریٰ کے عہد تسلط میں ہیکل کے نام سے موسوم تھی۔

پتھر کے نزدیک کوئی جانور باندھا گیا ہے۔

بخاری میں ہے کہ رومیہ میں ہرقل کا ایک بہت بڑا مقرب اور مذہبی عالم (پاپا) رہتا تھا۔

قیصر نے اُس کے نام خط لکھا کہ جس میں اس معاملہ کے متعلق تصدیق چاہی تھی قیصر بیت المقدس سے روانہ ہو کر حمص آگیا اور اُسوقت تک اسی جگہ مقیم رہا جب تک کہ اُسکا جواب قیصر کے پاس نہ آگیا۔

طبری بروایت ابن اسحٰق روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پڑھا جا چکا تو ہرقل نے حضرت دحیہ سے تنہائی میں یہ کہا کہ مجھے یقین کلّی ہے کہ جن کی جانب سے تم خط لیکر آئے ہو وہ خدا کے سچے رسول ہیں لیکن جیسا کہ تم دیکھ چکے ہو میری قوم اس معاملہ میں سخت برہم ہے وہ ہرگز میری پیروی نہ کریگی۔ البتہ تم شہر رومیہ میں جاؤ۔ وہاں کا حاکم مذہبی حیثیت سے اسقف (پاپا) کا درجہ رکھتا ہے۔ قوم پر اسکا مذہبی اثر بہت زیادہ ہے وہ اگر اس پیغمبر کی رسالت کی تصدیق کر دیگا تو پھر مجھکو بھی انکے سمجھانے کا موقعہ مل سکے گا۔ تم خود رومیہ جاؤ اور ضغاطر کے پاس میرا خط لیجاؤ اور فوراً اس کا جواب لیکر واپس آؤ۔

ضغاطر حاکمِ رومیہ

بخاری اور طبری میں اگرچہ تفصیل و اجمال کا فرق ہے لیکن نفسِ واقعہ میں اتفاق ہے غرض حضرت دحیہ رومیہ پہنچے اور ضغاطر کو قیصر کا خط دیا۔ ضغاطر نے قیصر کو جواب میں

(۱) جمہور صحابہ اور محدثین و اصحابِ سیر اس پر متفق ہیں کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی ہے۔ حضرت صدیقہ عائشہ اور چند دیگر علماء ایسی معراج روحانی کے قائل ہیں جو صرف نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کیساتھ مخصوص ہے لیکن معراج منامی یعنی اس واقعہ کو محض خواب سمجھنا کسی مسلم کا بھی عقیدہ نہیں ہے۔ اور اصول روایت (بقیہ آئندہ)

لکھاکہ بیشک نبی منتظر کی بعثت کا حال صحیح و درست ہے اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ وہ خدا کے سچے رسول ہیں۔ طبری کے الفاظ یہ ہیں۔

صاحبك والله نبی مرسل تعرفہ بصفتہ ونجدہ فی کتبنا باسمہ۔ (حیہ تیرا صاحب احمد صلے اللہ علیہ وسلم، بیشک نبی مرسل ہے ہم اسکی صفات سے بخوبی واقف ہیں اور اسکے نام کا تذکرہ آسمانی کتابوں میں پاتے ہیں۔

قیصر کے پاس جب ضغاطر کا پیغام پہونچا تو اس نے اعیان و ارکانِ دولت کو شاہی محل میں جمع کیا اور حکم دیا کہ محل کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں اس کے بعد اہلِ دربار کو مخاطب کرکے کہنے لگا۔ اے اہلِ روم۔ اگر تم رشد و ہدایت، اور فلاح و نجاحِ ابدی کے طالب ہو، اور چاہتے ہو کہ تمہارا ملک اسی طرح محفوظ رہے تو عرب کے اس نبی کی پیروی کرو اور اسکے احکام کی تعمیل پر آمادہ ہو جاؤ۔

قیصر نے گفتگو ختم ہی کی تھی کہ چہار جانب سے شور و شغب شروع ہو گیا اور حاضرین نے اس گفتگو کے خلاف اپنی نفرت و حقارت کا کافی مظاہرہ کیا اور نہ صرف یہ بلکہ دربار سے غیظ و غضب میں اٹھکر دروازوں کی طرف بڑھے مگر دیکھا کہ دروازے بند تھے، اور پھر قیصر نے جب یہ رنگ دیکھا تو انکو واپس بلایا اور کہنے لگا کہ بیوقوفو میں نے تم سے یہ باتیں محض آزمایش کے لئے کہی تھیں۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ تم اپنے مذہب میں کسقدر ثابت قدم ہو۔ اہلِ دربار نے قیصر کی جب یہ گفتگو سنی تو بہت خوش ہوئے اور اظہارِ مسرت میں قیصر کی تخت بوسی کی اور اس کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۱۶) اور روایت کے اعتبار سے ان روایات کا انکار قطعًا نہیں کیا جاسکتا جو جسمانی معراج کی مؤید ہیں بلکہ قرآنِ عزیز کی نصوص بھی اسی کی تائید کرتی ہیں البتہ صحیحین کی روایات کے علاوہ جو روایات اس واقعہ میں نقل کیجاتی ہیں وہ تنقید کی محتاج ہیں۔ (۲) روم کا ایک شہر ہے۔

قیصر کے دل میں اگرچہ صداقت اسلام کی روشنی آچکی تھی مگر تخت وتاج کی حرص اس روشنی پر غالب آگئی اور اس طرح یہ روشنی ظلمتِ کفر کی تاریکی میں بجھکر رہ گئی۔

ضغاطر کی شہادت

طبری کی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت دحیہ جب ضغاطر کے پاس قیصر کا پیغام لیکر پہنچے تو اس نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی اور پھر کلیسا میں جاکر عبادت کے وقت ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے یہ تقریر کی۔

یا معشر الروم۔ انہ قد جاءنا	رومی حضرات۔ ہمارے پاس عرب کے پیغمبر احمد کا
کتاب من احمد یدعونا فیہ	خط آیا ہے اس نے ہمکو خدا تے واحد کے دین
الی اللہ عزّ وجلّ وانی اشہد	حق کیطرف دعوت دی ہے اور میں شہادت
ان لا الہ الا اللہ وان احمد	دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور احمد
عبدہ ورسولہ۔ الخ۔	خدا کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں۔

ضغاطر کی اس تقریر کو سنکر تمام رومی سخت برہم ہوگئے اور اپنے اس ہر دلعزیز بسقف کو اتنا زدوکوب کیا کہ وہ بیچارہ جاں بحق ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت دحیہ نے جب یہ واقعہ دیکھا فوراً وہاں سے روانہ ہوکر حمص آگئے اور قیصر کو ضغاطر کا خط سپرد کرکے تمام واقعہ سنایا۔ قیصر نے جب یہ واقعہ سنا تو بہت مایوس ہوا لیکن اسکے باوجود اس نے شاہی محل میں ارکانِ دربار کو جمع کرکے وہ گفتگو کی جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔

دعوت اسلام ضغاطر کے نام

اور ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم

نے جب حضرت دحیہ کو قیصر کے پاس روانہ فرمایا تھا تو ساتھ ہی رومیہ کے مشہور عیسائی عالم "ضغاطر" کے نام بھی اسلام کی دعوت کے لئے نامۂ مبارک لکھا تھا اور فرمایا تھا کہ وہ رومیہ جاکر ضغاطر کو پہونچا دیں۔ نامۂ مبارک کے الفاظ یہ ہیں۔

سلامٌ علےٰ من آمن انا علےٰ اثر
ذلك فان عیسی بن مریم روح
الله وکلمته، القاها الی مریم
الزکیة وانی اومن بالله وما
انزل الینا وما انزل الی ابراهیم
واسمعیل واسحق ویعقوب
والاسباط وما اوتی موسی
وعیسی وما اوتی النبیون من
ربهم لا نفرق بین احد منهم
ونحن له مسلمون- والسلام
علےٰ من اتبع الهدی-

سلام اسپر جو خدا پر ایمان لایا میں اسی عقیدہ پر
ہوں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام،
اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں خدا نے اس کو
پاکدامن مریم پر القا کیا اور میں خدا پر اور اس کے
ان کتابوں اور احکام پر ایمان رکھتا ہوں جو ہمپر
نازل ہوئیں اور حضرت ابراہیم اسمٰعیل اسحٰق یعقوب
(علیہم السلام) اور انکی اولاد پر نازل ہوئیں اور ان پر
بھی میرا ایمان ہے جو حضرت موسیٰ و عیسیٰ دیگر انبیا
علیہم الصلوۃ والسلام کو انکے رب کی جانب سے دی
گئیں ہم ایمان و اعتقاد میں کسی ایک نبی کے تسلیم
کرنے میں بھی باہمی فرق نہیں کرتے اور ہم تو
مسلمان ہیں سلام ہو اسپر جو ہدایت کی پیروی کرے

ابن سعد اور طبری کی روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے اسلئے کہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ جب قیصر کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت دحیہ، رومیہ "ضغاطر" کے پاس بھی جانیوالے ہیں اور اسلام کا پیغام سنائیں گے تو اس نے انکو اپنا بھی ایک خط دیا اور ان سے یہ کہدیا کہ وہ ادھر ہی کو واپس ہوں تاکہ مجھکو بھی معلوم ہو جائے کہ ضغاطر اس مدعی

نبوت کے متعلق کیا گمان رکھتا ہے۔ قیصر ابھی حمص ہی میں مقیم تھا کہ حضرت دحیہ اسکا جواب لیکر واپس آئے اور ضغاطر کا تصدیق نبوت کرنا اور اس کی وجہ سے شہید ہو جانا یہ تمام واقعہ قیصر سے بیان کیا۔

مثلہم فی التوراۃ و مثلہم فی الانجیل ،

ایک عجیب واقعہ

مشہور محدث ابن جوزی نے اپنی کتاب "سیرۃ عمر بن الخطاب" میں حضرت دحیہ کی سفارت کے سلسلہ میں ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

جب قیصر نے اپنی قوم کے عمائد کو اسلام کی دعوت قبول کرنے میں متنفر پایا تو مجلس برخاست کر دی اور دوسرے روز مجھکو علیحدہ ایک عالیشان محل میں بلایا۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ مکان کے چہار جانب تین سو تیرہ تصاویر لگی ہوئی ہیں قیصر نے مجھکو مخاطب کر کے کہا کہ یہ کل تصاویر جو تم دیکھتے ہو نبیوں اور رسولوں کی ہیں کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس میں تمہارے صاحب کی شبیہ کونسی ہے۔ میں نے بغور دیکھکر ایک تصویر کی طرف اشارہ کیا کہ یہ شبیہ۔ بادشاہ نے کہا کہ بیشک یہی آخری نبی کی شبیہ ہے۔ قیصر نے پھر دریافت کیا کہ اس تصویر کے داہنی جانب کس کی شبیہ ہے۔ میں نے جواب دیا کہ یہ نبی آخرالزماں کے ایک رفیق ابوبکرؓ کی شبیہ ہے۔ قیصر نے پوچھا کہ بائیں جانب یہ کس کی شبیہ ہے۔ میں نے کہا کہ یہ اس نبی کے دوسرے رفیق عمر بن خطابؓ کی شبیہ ہے۔ قیصر نے یہ سنکر کہا کہ توراۃ کی پیش گوئی کے مطابق یہی وہ دو شخص ہیں جنکے ہاتھوں اس دین کی ترقی معراج کمال

کو پہونچے گی حضرت دحیہ فرماتے ہیں کہ میں جب سفارت کو انجام دیکر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا تو یہ تمام قصہ آپ کو سنایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیصر نے یہ سچ کہا واقعی اس دین کی ترقی انہی دو شخصوں کے ہاتھوں کمال تک پہنچے گی۔

محدث ابنِ جوزی اُن چند محدثین میں سے ہیں جو احادیث کی جرح و تعدیل میں سخت سمجھے جاتے ہیں۔ محدثین کا قول ہے کہ ابن جوزی کی "جرح" اور "محدث حاکم" کی تعدیل کا اسوقت تک اعتبار نہ کیا جائے جب تک کہ انکی اس جرح و تعدیل میں دوسرے محدثین بھی اُن کے ہمنوا نہوں۔

اسلئے ابنِ جوزی کی یہ روایت بے اصل نہیں کہی جا سکتی پس اگر یہ روایت صحیح ہے تو قیاس اسکو چاہتا ہے کہ روم کے عیسائی بادشاہوں نے عہدِ قدیم (توراۃ) و عہدِ جدید (انجیل) کی بیان کردہ صفات و حلیہ کے مطابق حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصاویر بنوائی ہونگی۔ اور فوٹوگرافی سے پہلے فن مصوری کا کمال اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ کسی شخص کو آنکھ سے دیکھے بغیر صرف زبانی حلیہ بتانے پر بھی ایسی تصاویر بنائی جاتی تھیں کہ تصویر اور صاحب تصویر میں کوئی نمایاں فرق نظر نہیں آتا تھا۔

زوالِ روم

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زبانِ وحی ترجمان سے ارشاد فرمایا تھا۔

قد مات کسریٰ فلا کسریٰ بعدہٗ۔ و کسریٰ مرگیا اور اب کسریٰ اس کے بعد نہو گا۔

اذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہٗ۔ اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو اسکے بعد قیصر نہو گا

لہ ۱۵ھ مطابق ۶۳۶ء میں صدیق اکبر کی طرف سے شام پر مسلسل حملے ہوئے اور دورِ فاروقی میں تمام شام کی حکومت اسلام کے زیر نگین آگئی۔ یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارت سے تقریبًا چھ سال بعد ہی رومی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ (فتوحات اسلامیہ زینی دحلان جلد اول)

والذی نفسی بیدہ لتنفقن کنوزھما فی سبیل اللہ۔[1]

یعنی "خسرو پرویز" اور "ہرقل" کے اقتدار کے بعد دونوں سلطنتوں کا اقتدار زوال پذیر ہو جائیگا اور تخت روم و فارس پر پھر کسیکو اقتدار نصیب نہو گا۔ اور قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم دونوں سلطنتوں کے خزانے اللہ کے راستہ میں خرچ کروگے

صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اور دورِ فاروقی یعنی تقریباً نصف چھٹی صدی عیسوی میں قیصر کی زندگی ہی میں روم پر اسلامی شوکت و اقتدار کا قیام اور رومی حکومت کا زوال شروع ہو گیا۔ اور قیصر نے جس مملکت کی خاطر نورِ اسلام کو قبول نہ کیا تھا وہ بہت جلد اسلامی اقتدار کے زیرنگیں آگئی۔ کیا اچھا فرمایا حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے

لو تفطن ھرقل لقولہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فی الکتاب الیہ اَسلِم تسلم وحمل الجزاء علی عمومہ فی الدنیا والآخرۃ تسلم واسلم من کل ما یخافہ ولکن التوفیق بید اللہ (سیرۃ حلبیہ صفحہ ۲۶۹)

اگر ہرقل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامۂ مبارک کے جملہ اسلم تسلم "اسلام لے آ محفوظ رہیگا" کی حقیقت کو سمجھ لیتا اور اس سلامتی کی بشارت کو دنیا و آخرت دونوں کے حق میں یقین کر لیتا تو ضرور مسلمان ہو جاتا اور دنیا کی ہر قسم کی ذلت "زوال حکومت" سے (جسکا اس کو خوف تھا) محفوظ ہو جاتا۔ مگر اصل توفیق خدا کے ہاتھ ہے۔

---

(۱) مسلم جلد ثانی۔

تیسرا پیغام کسریٰ فارس خسرو پرویز کے نام

فارس۔

قیصر روم کے واقعہ میں معلوم ہوچکا ہے کہ فارس (ایران) کی حکومت کی وسعت چھٹی صدی عیسوی کے شروع میں اسقدر زیادہ تھی کہ ایک جانب ہندوستان کی سرحد تک اس کا رقبہ تھا تو دوسری جانب عراق عجم۔ شام۔ اور روم کے قلب تک اس کی حدود وسیع ہوگئی تھیں۔ اور "درفش کاویانی" نہ صرف فارس بلکہ روم کے اکثر علاقوں پر بھی لہرا رہا تھا۔ مگر ۶۱۶ء میں یکایک ہوا نے رُخ بدلا اور رومیوں نے زبردست قربانی کے بعد ۶۲۴ء تک اپنے تمام علاقہ جات واپس لیلئے۔ تاہم حکومت فارس کی شان و شوکت اور اسکا دبدبہ ایشیا و یوروپ دونوں پر قایم تھا اور ایران کی حکومت ایشیا کی عظیم الشان طاقت سمجھی جاتی تھی۔ اور عرب کے اکثر قطعات بحرین۔ عمان۔ یمن وغیرہ ابھی تک اسی کے زیرنگین تھے اور جس طرح اس حکومت کا اقتدار تھا اسی طرح کج کلاہ ایران خسرو پرویز کے زمانہ میں دربار کی شان بھی بہت بڑھی ہوئی تھی۔ آداب شاہی کے طریق، درباریوں کے درباری لباس، شاہی باڈی گارڈ کی پرہیبت سجاوٹ، کی مجموعی حیثیت بڑے بڑے جری اور دلاور انسانوں کے دلوں میں رعب پیدا کردیا کرتی تھی۔

حاکم بحرین۔

اسی زمانہ "یعنی ۶۲۹ء مطابق ۸ھ" میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو بن نامۂ مبارک کی سفارت کا شرف بخشا جس میں آپ نے

کسریٰ فارس "خسرو پرویز" کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ آپ نے حضرت عبداللہ کو حکم دیا کہ وہ اس نامہ مبارک کو بحرین لیجائیں اور حاکم بحرین کے توسط سے خسرو تک اس کو پہنچا دیں۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ بحرین پہنچے اور حاکم بحرین منذر کے توسط سے کسریٰ کے دربار تک رسائی ہوئی۔ خسرو پرویز بڑے جاہ وجلال کے ساتھ دربار کر رہا تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قاصد عبداللہ نے نامہ مبارک کسریٰ کے سامنے رکھدیا۔ خسرو پرویز نے حکم دیا کہ ترجمان حاضر ہو۔ ترجمان آیا اور اس نے نامہ مبارک پڑھا۔ الفاظ یہ ہیں۔

(نامہ مبارک بنام خسرو پرویز کسریٰ فارس)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ من محمد
رسول اللہ الیٰ کسریٰ عظیم فارس سلام
علےٰ من اتبع الھدیٰ وآمن باللہ
ورسولہ واشھد ان لا الہ الا اللہ
وانی رسول اللہ الی الناس کافۃ
لینذر من کان حیاً اسلم تسلم
فان ابیت فعلیک اثم المجوس (طبقات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط ہے اللہ کے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی طرف سے کسریٰ شاہ فارس کے نام جو ہدایت کی پیروی کرلے اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اسپر سلام۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور میں خدا کا پیغمبر ہوں تمام لوگوں کی طرف تاکہ جو لوگ زندہ ہیں ان تک خدا کا پیغام پہنچا دیا جائے

(۱) پرویز۔ نوشیرواں عادل مشہور بادشاہ کا پوتا اور ہرمز کا بیٹا تھا شام کے اکثر حصص اس بادشاہ کے زمانہ میں ایران کی حکومت میں شامل ہوگئے تھے اور آیۃ الم۔ غلبت الروم فی ادنی الارض الآیہ اسی واقعہ میں نازل ہوئی حضرت عبداللہ چونکہ اس سے پہلے متعدد بار فارس کے دربار میں جا چکے تھے اور وہاں کی مختلف شہروں کی سیاحت کر چکے تھے اسلئے ان کو اس سفارت کے لئے موزوں سمجھا گیا۔

اسلام لے آ سالم رہیگا۔ پس اگر تو انکار کرے تو

تیری گردن پر تمام مجوس پارسیوں کا وبال رہیگا۔

گذشتہ واقعہ میں معلوم ہوچکا ہے کہ عجم کا یہ دستور تھا کہ جب کسی بادشاہ کو کوئی تحریر لکھی جاتی تھی تو ابتدا اُسی کے نام سے کیجاتی تھی کاتب کا نام آخر میں درج ہوتا تھا اور اس کے برعکس عرب کا دستور یہ تھا کہ پہلے خدا کا اور اس کے بعد کاتب کا نام ہوتا تھا نامۂ مبارک جب پڑھا گیا تو خسرو پرویز سخت غضبناک ہوا اور کہنے لگا کہ میرے غلام کو اور یہ جرأت کہ میرے نام اس طرح خط لکھے اور طیش میں آکر نامۂ مبارک کو پرزہ پرزہ کردیا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ اسی وقت دربار سے رخصت ہوکر مدینۂ طیبہ روانہ ہوگئے اور دربار نبوی میں حاضر ہوکر تمام واقعہ عرض کردیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس طرح اس نے میرے خط کو چاک کیا حق تعالیٰ جلد ہی اسی طرح اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کردیگا۔ بخاری نے اس واقعہ کو اس طرح روایت کیا ہے۔

عن ابنِ عباس انّ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بعث بکتابہ الی کسریٰ فلما قرءکسریٰ مزّقہ فدعا علیہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان یمزّقوا کل ممزّق۔	حضرت عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کے پاس نامۂ مبارک بھیجا کسریٰ نے جو اسکو پڑھا تو پرزہ پرزہ کردیا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بددعا کی خدائے تعالیٰ ایرانیوں کے اقتدار کو بھی اسی طرح پراگندہ کردے۔

مولانا نظامی قدس اللہ سرہ العزیز نے اس واقعہ کو "شیرین خسرو" میں بڑے جوش کے ساتھ بیان کیا ہے۔

مولانا نظامی اور داستان خسرو پرویز

(۱) شیریں خسرو میں مولانا نظامی رحمۃ اللہ علیہ نے دو جگہ خسرو پرویز، بعثتِ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور دعوت اسلام کے واقعہ کو بہت زیادہ وضاحت اور جذبۂ اسلامی کے ساتھ بیان فرمایا ہے اسلئے جی چاہتا ہے کہ اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ان اشعار کو بھی نقل کر دیا جائے تاکہ اس مقدس اور بزرگ شاعر کا شاعرانہ زورِ بیان روح میں تازگی اور قلب میں سامان عبرت پیدا کر دے۔

خسرو، شیریں کے ساتھ خلوت کدہ میں بیٹھا ہوا ہے اور زرتشتی مذہب کا ایک مشہور پیشوا "موبد" جسکا نام "بزرگ امید" ہے بادشاہ کے سامنے حکمت کے جواہر ریزے بکھیر رہا ہے اور اس کو عمدہ عمدہ نصائح سنا رہا ہے۔

بزرگ امید بیان کر رہا ہے کہ خدا کے رازہائے سربستہ کی کلید کسی کے پاس نہیں ہے اور وہاں تک کسی کی رسائی ناممکن اور محال ہے۔

البتہ ذاتِ احدیت اپنے معصوم پیغمبروں اور رسولوں پر جو اس کے "پیغامبر" اور "امین" ہوتے ہیں، کبھی کبھی انہیں سے بعض باتیں منکشف کرا دیتا ہے مگر وہ اس کی امانت میں خیانت نہیں کرتے اور مرضی الٰہی کے خلاف ہرگز ہرگز ان کو کسی پر ظاہر نہیں کرتے۔

اسی سلسلہ میں خسرو کو "نبی امی" صلے اللہ علیہ وسلم کے دعوی رسالت کا واقعہ یاد آجاتا ہے اور "بزرگ امید" سے آپ کے متعلق بھی دریافت کرتا ہے۔

خسرو کے سوال اور بزرگ امید کے جواب کو "مولانا" ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

مگر پیغمبراں کہ ایشاں امین اند
بہ نامحرم نگویند آنچہ بینند

سخن خون شد بہ معصوماں حوالت
ملک پرسید از تاجِ رسالت

کہ شخصے در عرب دعویٰ کند کیست
بہ نسبت دینِ او با دینِ ما چیست

جوابش داد کاں حرفِ الٰہی
بروں است از سپیدی و سیاہی

بگنبد در کند ہر شخص ناورد
بروں از گنبد است آوازِ ایں مرد

مکن بازی شہا با دینِ تازی!
کہ دیں حق است با حق نیست بازی

بجوشید از نہیب اندامِ پرویز
چو اندامِ کباب از آتشِ تیز

ولے چوں بخت پیروزے نہ بودش
صلائے احمدی روزیے نہ بودش

افسوس کہ "بزرگ امید" کے صداقت آفریں کلمات نے پرویز کے قلب پر کچھ بھی اثر نہ کیا اور اس بدبخت کی بدبختی نے اسکو دولتِ اسلام سے محروم ہی رکھا۔

اس کے بعد مولانا نے خسرو پرویز کی حکومت کے سقوط اور زوال اور اوسکی تباہی و بربادی کے سلسلہ میں اس واقعہ کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

چنیں گفتاں سخن پرداز شب خیز
کزاں آمد خلل در ملکِ پرویز

کہ از شبہا شبِ روشن چو مہتاب
جمالِ مصطفےٰ را دید در خواب

خراماں گشتہ بر تازی سمندے
مسلسل کردہ چوں گیسو کمندے

بہ نرمی گفت با او کہ اے جواں مرد
رہِ اسلام گیر از کفر برگرد

جوابش داد تا بے سر نہ گردم
ازیں آئیں کہ دارم بر نہ گردم

سوارِ تند شد زاں جا روانہ
بہ تندی زد برو یک تازیانہ

ز خوابِ خویش چوں خسرو بر آمد — چو آتش دودی از مغزش بر آمد
سہ ماہ از ترسناکی گشت بیمار — نخفتے ہیچ شب ز اندوہ و تیمار
یکے روز از خمارِ تلخ شد تیز — بخلوت گفت با شیریں کہ برخیز
بیا تا در جواہر خانۂ گنج — بہ بینم آنچہ از دلہا برد رنج
ز گنج و گوہر و ابریشمینہ — گزینم آنچہ خواہم از خزینہ
وزاں بیچارگاں را مایہ بخشم — رواں را زیں روش پیرایہ بخشم
سوئے گنجینہ رفتند آں دو ہم رائے — ندیدند از جواہر بر زمیں جائے
خریطہ بر خریطہ بستہ زنجیر — ز خسرو تا بہ کیخسرو ہمیں گیر
چہل یک خانہ کہ او را گنج داں بود — چہل زاں آشکارا یک نہاں بود
بہر گنجینہ یک یک می رسیدند — متاعے را کہ ظاہر بود دیدند
چو شہ گنجے کہ پنہاں بود دیدش — ہمہ با قفل ہر گنجے کلیدش
کلیدِ نسخہ پیش آورد گنجور — زمیں از بارِ گوہر گشت رنجور
کلیدی درمیان بود از زرِ ناب — چو شمعے روشن از بس رونق و تاب
ز خازن باز جست آں گنج را سر — کہ قفلے آں کلیدش بود بر در
نشاں دادند چوں آگاہ شد شاہ — زمیں را گفت کندن پر نشاں گاہ
چو خاریدند سنگ از سنگِ خارا — پدید آمد یکے طاق آشکارا
درو بستہ یکے صندوقِ مرمر — بر آں صندوق سیمیں قفلے از زر
بفرمانِ شہ آں در بر کشادند — درونِ قفل را بیروں نہادند
طلسمے یافتند از سیم سادہ — بر او یک پارہ لوحے زر نہادہ

برآں لوح زراز سیمے سرشتہ | زراندر سیم ترکیبے نوشتہ
طلب کردند پیرے تافرو خواند | شہنشہ زاں فروخواندن فروماند
چوں آں ترکیب راکردند خارش | گزارندہ چنیں کردہ گزارش
کہ شاہ کاردشیر(۱) بایکاں بود | بجستی پیشوائے چابکاں بود
زرازِ انجم وگردوں خبر داشت | دراحکام فلک نیکو نظر داشت
زہفت اختر چنیں آورد بیروں | کہ درچندیں قراں ازدورِ گردوں
بدیں پیکر پدید آمد جوانے | دراقلیم عرب صاحب قرانے
بعجز گوش مالد اختراں را | بدیں خاتم بود پیغمبراں را
زملت ہا برآید نام شاہی | بشرع او رسید ملت خدائی
بدو باید کہ دانا بگرود زود! | کہ جنگِ او زیاں شد صلح او سود
چو شاہنشاہ درآں صورت نظر کرد | سیاست دردل وجانش اثر کرد
بعینہ گفت ایں شکلِ جہاں تاب | سوارے بود کاں شب دیدہ درخواب
چناں درکالبد جوشید جانش | کہ بیروں ریخت مغز از استخوانش
بپرسید از بریدانِ جہاں گرد | کہ در عالم کہ دیدہ است ایں چنیں مرد
ہمہ گفتند کہ ایں تمثالِ منظور | کہ دل را دیدہ بخشد دیدہ را نور
نماند جز بداں پیغمبرِ پاک | کز و درمکہ عنبر بوئے شد خاک
محمدؐ کہ ایزد از خلقش گزیدہ است | زبانش قفلِ دانش را کلید است
بروں شد شاہ ازاں گنجینہ دل تنگ | ازاں گوہر فتادہ برسرش سنگ

---

(۱) اردشیر۔ خسرو پرویز کے اجداد میں سے نہایت زیرک اور منجم بادشاہ تھا۔

جو شیرین دید شہ را شور در مغز — پریشاں پیکرش زاں پیکر نغز
بشہ گفت اے بزیبائی ورا (۱) دی — طرازِ تاج و تختِ کیقبادی
دریں پیکر کہ پیش از ما نہفتند — سخندانی کہ بیہودہ نہ گفتند
چنیں پیغمبرِ صاحب ولایت — کز و پیشینہ کردند ایں حکایت
بخاصہ حجتے دارد الٰہی — دہد بر دین او حجت گواہی
رہ و رسمِ چنیں بازی نباشد — بر و جائے سرافرازی نباشد
اگر بر دینِ او رغبت کند شاہ — نماند خار و خاشاکے دریں راہ
ز باد افراہِ ایزد رستہ گردد — باقبالِ ابد پیوستہ گردد
بہ شیریں گفت خسرو راست گوئی — بدیں حجت اثر پیداست گوئی
و لیے ز انجا کہ یزداں آفریدست — نیاکان (۲) مرا ملت پدیدست
رہ و رسم نیاکان چوں گذارم — ز شاہانِ گذشتہ شرم دارم
دلم خواہد و لے بختم نہ سازد — نو آئیں آنکہ بخت اورا نوازد
درآں دوراں کہ دوراں رام او بود — ز مشرق تا بمغرب نام او بود
رسولِ ما بہ حجت ہائے قاہر — نبوت در جہاں میکرد ظاہر
گہے میکرد مہ را خرقہ سازی — گہے میکرد بر مہ خرقہ بازی
گہے با سنگ خارا راز میگفت — گہے سنگش حکایت باز میگفت
حضورش گنج را ناچیز میکرد — نسیمش گنج بخشی تیز میکرد
شکوہش کوہ را بنیاد میکند — بروبے خاک راچوں باد میکند

(۱) جوانمردی۔ (۲)۔ نیاکان۔ شاہانِ پیشرو۔

خلایق را بدعوت جام درداد | بہر کشور صلائے عام درداد
بفرمود از عطا عطرے سرشتن | بنام ہر کسے شطرے نوشتن
عرب را تازہ کرد از خط جمالے | عجم را برکشید از نقطہ خالے
چو از نام نجاشی باز پرداخت | ز بہر نام خسرو نامہ ساخت

نامہ مبارک

سر نامہ بنام پادشاہے | کہ بے جائے ست بے او نیست جائے
خداوندے کہ خلاق الوجود ست | وجودش تا ابد فیاض جود است
قدیمے کاولش مطلع ندارد | عظیمے کآخرش مقطع ندارد
تصرف با صفاتش لب بدوزد | خرد گر دم زند جائے بسوزد
اگر ہر زاہدے کاندر جہان است | بدوزخ در کشد حکمش روان است
اگر ہر عاصیے کو ہست غمناک | فرستد در بہشت از کیستش باک
خداوندیش را علت سبب نیست | دہ و گیر از خداوندان عجب نیست
بیک پشہ کشد پیل افسرے را | بمورے بر دہد پیغمبرے را
ز سیمرغے برد قلاب کاری | دہد بر دانہ را قلب داری
سپاس او را کن از صاحب سپاسی | شناسائی بس آن کو را شناسی
ز ہر یادے کہ بے او لب بگردان | ز ہر چہ آن نیست ازو مذہب بگردان
ز ہر دعوی کہ بنمائی الہ اوست | بہر معنی کہ بینی پادشہ اوست
ز قدرت در گذر قدرت خدا است | تو فرمان دار شو فرمان او راست

خدائی ناید از مشتِ پرستار   خدائی را خدا آمد سزاوار
تو اے عاجز کہ خسرو نام داری   اگر کے خسروی صد جام داری
تو مخلوقی کہ آخر مُرد خواہی   ز دستِ مرگ چوں جان بُرد خواہی
اگر بے مرگ بودے بادشاہی   بسا دعوی کہ رفتے در خدائی
کہ میداند کہ مشتِ خاک محبوس   چہ در سر دارد از نیرنگ و ناموس
مبیں در خود کہ خود بین را بصر نیست   خذر بین شو کہ خود بینی ہنر نیست
ز خود بگذر کہ در قانونِ مقدار   حسابِ آفرینش ہست بسیار
زمین از آفرینش ہست گردے   در و ایں ربع مسکوں آب خوردے
عراق از ربع مسکون ست بہرے   در آں بہرہ مداین ہست شہرے
دراں شہر آدمی باشد زہر باب   توئی زاں آدمی یک شخص در خواب
قیاسے باز گیر از راہِ بینش   حد و مقدارِ خود بین ز آفرینش
بہ بین تا پیشِ تعظیمِ الٰہی   چہ باشد در حساب ایں بادشاہی
گواہی دہ کہ عالم را خدا نیست   نہ در جائے نہ جا جستن جائیست
خدائے کادمی را سروری داد   مرا بر آدمی پیغمبری داد
ز طبع آتش پرستے را جدا کن   بہشتِ شرع بین دوزخ رہا کن
مجوسی را مجس بردو د باشد   کسے کاتش کشد نمرود باشد
در آتش ماندہ ایں ہست ناخوش   مسلماں شو مسلم گرد ز آتش

چو نامہ ختم شد صاحب نوردش
بعنوانِ برمحمدؐ مہر کردش

(قاصدِ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم و خسرو پرویز شاہِ ایران)

بدستِ واثق جلد و سبک خیز — فرستاد آں وثیقہ سوئے پرویز
چو قاصد عرض کرد آں نامہ بر تو — بجوشید از سیاست خونِ خسرو
بہر حرفے کزاں منشور میخواند — چو افیوں خوردۂ مخمور در ماند
ز تیزی گشت ہر مویش سنانے — ز گرمی ہر رگش آتش فشانے
چو انواع نگاہِ عالم تاب را دید — تو گوئی سگ گزیدہ آب را دید
سوادے دید روشن وحشت انگیز — نوشتہ از محمد سوئے پرویز
غرورِ پادشاہی بردش از راہ — کہ گستاخی کہ آرد باچو من شاہ
کرا زہرہ کہ با ایں احترامم — نویسد نام خود بالائے نامم
رخ از سرخی چو آتشگاہِ خود کرد — بچشم اندیشہ بد کرد و بد کرد
درید آں نامہ گردوں شکن را — نہ نامہ بلکہ نامِ خویشتن را
فرستادہ چو دید آں خشمناکی — سبک رجعت نمود آں مردِ خاکی
ازاں آتش کہ او دودِ تہی داد — چراغ آگہاں را آگہی داد
ز گرمی آں چراغِ گردن افراز — دعا را داد چوں پروانہ پرواز
عجم را زاں دعا کسری ورا فتاد — کلاہ از تارک کسریٰ ورا فتاد

انجامِ بد

ز معجزہائے شرعِ مصطفائی — بروآشفتہ شد آں پادشاہی

سریرش راسپہر از زیر بر داشت — پسر در کشتنش شمشیر بر داشت
بر آمد ناگہ از گردوں طراقے — ز ایوانش فرد افتاد طاقے
سپلے بر دجلہ ز آہن بود بستہ — در آمد سیل و آں پل شد شکستہ
پدید آمد سموم از آتش انگیز — نہ گلگوں ماند در آخر نہ شبدیز[1]
تبہ شد لشکرش در حرب و یلغار — عقابش[2] را کبوتر زد بمنقار
در آمد مردے[3] از در چوب در دست — بخشم آن چوب را بگرفت و بشکست
بدو گفتہ من آں پولا د و ستم — کہ دینت را بدیں خواری شکستم
وراں دوراں ز معجزہائے مختار — بسے عبرت چنیں آمد پدیدار
تو آں سنگین دلاں را بین کہ دیدند — بہ تائید الٰہی نگرویدند
اگرچہ شمع دیں دودے ندارد — چو چشم اعمٰی بود سودے ندارد

بدایت شاں نہ بُد چوں در ہدایت
بداں محروم ماندند از عنایت[4]

---

(۱) خسرو کا مشہور گھوڑا جسکے متعلق مشہور ہے کہ شیریں کو اس کے وطن سے فرار کرانے میں اس کی سبک رفتاری کام آئی۔ (۲) ایرانی پرچم پر عقاب کی تصویر ہوتی تھی اس کی طرف اشارہ ہے

(۳) فرشتہ مراد ہے۔

(۴) اس تمام نظم میں ان واقعات کے علاوہ جسکا ذکر ہم روایات صحیحہ سے نقل کر چکے ہیں اکثر واقعات ابو نعیم اصفہانی کی دلائل النبوۃ" اور شیخ جلال الدین سیوطی کی "خصائص" کی اُن روایات سے ماخوذ ہیں جو محدثین کے نزدیک یا صد درجہ ضعیف ہیں اور یا موضوع ہیں۔

اور سیرتِ حلبیہ میں ہے کہ ابھی کسریٰ نے نامہ کے مضمون کو پورا سنا بھی نہ تھا۔ کہ غصہ میں نامۂ مبارک کے پرزے پرزے کر دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیر کو دربار سے نکلوا دیا۔ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا تو ناقہ پر سوار ہو وہاں سے روانہ ہو گئے۔ کسریٰ کو ہوش آیا تو دریافت کیا کہ سفیر کہاں گیا تلاش کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ جا چکا۔

کسریٰ کے دربار میں حضرت عبداللہ کی تقریر

اور سہیلی نے روض الانف میں روایت نقل کی ہے کہ جب عبداللہ بن حذیفہ پایۂ تخت ایران میں داخل ہوئے اور کسریٰ کے دربار میں پہنچے اور کسریٰ نے نامۂ مبارک کے شروع الفاظ پر اظہار ناراضی کیا تو حضرت عبداللہ نے اہلِ دربار کے سامنے یہ تقریر کی۔

اے اہلِ فارس عرصۂ دراز سے تمہاری زندگی ایسی جہالت میں گذری ہے کہ تمہارے پاس کوئی الہامی کتاب ہے اور نہ کسی نبی نے تم میں ظہور کیا ہے جس حکومت پر تمکو گھمنڈ ہے وہ خدا کی زمین کا بہت مختصر حصہ ہے خدا کی اس زمین پر اس سے کہیں بڑی بڑی حکومتیں موجود ہیں اور رہ چکی ہیں اور اے بادشاہ تجھ سے پہلے بہت سے بادشاہ گزرے ہیں ان میں سے جس نے آخرت کو منتہائے مقصود سمجھا دنیا سے اپنا حصہ لیکر بامراد گیا اور جس نے دنیا کو مقصود بنایا اس نے آخرت کے حصہ کو ضائع کر دیا حصولِ دنیا کی سعی میں ہر شخص سرگرداں و مختلف الخیال ہے لیکن آخرت کا انصاف سب کے لئے یکساں ہے افسوس ہے جس پیغام کو تیرے پاس لیکر آیا تو نے اس کو حقارت سے دیکھا حالانکہ تجھکو معلوم ہے کہ یہ پیغام ایسی جگہ سے آیا ہے جسکا خوف تیرے قلب پر ظاہر ہے

یہ یاد رہے کہ یہ حق کی آواز تیری تحقیر سے دب نہیں سکتی اور تیرا جھٹلانا تجھکو اس اعلانِ حق کی زد سے نکال نہیں سکتا اور واقعۂ ذی قار اس کی ایک واضح شہادت ہے خسرو پرویز یوں تو پہلے سے ہی غضبناک ہو رہا تھا حضرت عبداللہ کی اس بیباکانہ تقریر سے آپے سے باہر ہوگیا اور غصہ میں آکر نامۂ مبارک کو چاک کر ڈالا اور حضرت عبداللہ سے کہنے لگا چہ خوش مجھکو عرب پر غالب آنے میں ادنیٰ سا بھی خطرہ نہیں ہیں، بلا شرکت غیر سے اس پر قابض ہو سکتا ہوں کیا تجھے معلوم نہیں کہ فرعون کس طرح بنی اسرائیل کا مالک بنا۔ تم بنی اسرائیل سے بہتر نہیں ہو اور میں فرعون سے بہتر ہوں۔ پھر میرے تم پر غالب آنے اور تمکو غلام بنا لینے میں کیا چیز مانع ہے۔

رہا میری حکومت کا معاملہ سو یہ میں جانتا ہی ہوں کہ اسپر کتوں کیطرح تمہارے دانت ہیں اور تم چاہتے ہو کہ اس سے اپنا پیٹ بھرو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو اور ذی قار کا واقعہ شام کا واقعہ ہے یہ ایران ہے شام نہیں ہے۔

خسرو پرویز کا غصہ اب بھی فرو نہیں ہوا اور اس نے صوبۂ یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ سرزمینِ عرب میں ایک شخص مدعیٔ نبوت ہے تم فوراً دو شخص حجاز روانہ کرو تاکہ وہ اس سے باز پرس کریں کہ اس نے ہمارے ساتھ ایسی گستاخی کس لئے کی۔

باذان نے اپنے سیرمنشی بابویہ اور خرخسرہ کو اس سفارت پر حجاز روانہ کیا جب یہ دونوں طائف پہنچے تو قریش کے چند اشخاص سے انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اسوقت مدینہ میں موجود ہے قریش نے انسے دریافت کیا کہ وہ کس لئے اسکو دریافت کرتے ہیں۔ ان دونوں نے جواب دیا کہ ہم اس مدعیٔ نبوت سے اسکی اس جرأت کا کہ اس نے فارس کے شاہنشاہ کے

دربار میں گستاخانہ خط لکھا، جواب طلب کرنے جا رہے ہیں قریشیوں نے جب یہ سنا تو بیحد خوش ہوئے اور آپس میں کہنے لگے یہ بہت اچھا ہوا کہ فارس کا شاہنشاہ اسکے درپے آزار ہے اب ہمکو اس سے جنگ کرنیکی ضرورت باقی نہ رہیگی۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کی جماعت میں رونق افروز تھے کہ بابویہ اور خرخسرہ مدینہ طیبہ پہونچے اور حاضر دربار نبوی ہوئے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے سادہ مگر پرعظمت دربار کا جو اثر ان دونوں پر پڑا خسرو پرویز کے پرہیبت دربار نے بھی کبھی اسقدر انکو متاثر نہیں کیا تھا۔

بابویہ نے باذان کا خط پیش کیا آپنے مضمون خط معلوم کرکے ارشاد فرمایا کہ ابھی تم قیام کرو سوچ کر جواب دیا جائیگا۔ سفارت نے پندرہ روز مدینہ میں قیام کیا بعض ارباب سیر نے بیان کیا ہے کہ آپنے جب بابویہ اور خرخسرہ کے چہرہ کو دیکھا تو طبع مبارک مکدر ہوگئی بابویہ اور اس کا ساتھی ایرانی رسم ورواج کے مطابق داڑھی منڈائے اور مونچھوں کو متکبرانہ انداز سے بل دیئے ہوئے تھے۔ آپنے دیکھکر ارشاد فرمایا کہ یہ متکبرانہ انداز کی تعلیم تمنے کہاں سے حاصل کی۔ بابویہ نے عرض کیا کہ حضور ہمارے سلطان کا یہی طرز ہے اور ہم سب اسی لئے اس طرز کو محبوب رکھتے ہیں۔ آپنے یہ سنکر فرمایا ہمارے مالک نے تو ہمکو یہ حکم دیا ہے کہ ہم باوقار زندگی اختیار کریں داڑھی بڑھائیں اور لبیں ترشوائیں۔ مغرور آدمی خدا کو پسند نہیں۔

پندرہ روز کے بعد آپنے انکو مجلس میں بلایا اور ارشاد فرمایا کہ جس دنیوی جاہ وجلال کے دربار سے تم میرے پاس آئے ہو قسمت نے اسکا پانسہ پلٹ دیا اور تمہارے بادشاہ "خسرو پرویز" کو خود اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل[1] کردیا۔ جاؤ تمکو جلد ہی معلوم ہوجائیگا

[1] طبری نے بروایت واقدی بیان کیا ہے کہ شیرویہ نے اپنے باپ خسرو پرویز کو ۱۰ جمادی الاول سنہ ۷ھ میں قتل کردیا۔

کہ اسلامی حکومت کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہونچ جائیگی۔

بابویہ نے جب یہ سنا تو کہنے لگا دیکھئے آپ کہیں مجھکو دہوکا تو نہیں دے رہے ہیں اگر ایسا ہے تو یاد رکھئے کہ ہمارا بادشاہ بڑی شان وشوکت رکھتا ہے آپ اس طرح اسکی قلمرو سے جان بچاکر نہیں نکل سکتے۔ آپ نے زیرلب تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا نہیں۔ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ سب صحیح ہے تمکو خود اس کا اندازہ ہوجائیگا۔ جب تم یہ جانتے ہو کہ میں اس کی قلمرو سے بھاگ نہیں سکتا تو پھر تمکو کیا خوف ہے۔

بہرحال نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب باذان کے سفیروں کو واپس ہونیکی اجازت مرحمت فرمائی تو خرخسرہ کو ایک مطلا پٹکہ مرحمت فرمایا یہ پٹکہ سلطان مصر مقوقس نے آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا اور بابویہ کو بھی اسی طرح کچھ عنایت فرماکر سفارت کو عزت واحترام کے ساتھ واپس فرمایا۔

باذان حاکم یمن۔

عرب کے صوبوں میں سے ایک مشہور سرسبز وشاداب صوبہ یمن ہے۔ یمن کے معنی عربی لغت میں "برکت" کے ہیں اس صوبہ کی سرسبزی وشادابی کیوجہ سے اہل عرب اسکو یمن کہتے ہیں۔ یہاں عمالقہ، اہل سبا، اہل معین، عاد، اور حمیر کی مشہور سلطنیں قائم رہ چکی ہیں اور وقتاً فوقتاً روم۔ فارس۔ اور حبشہ کی حکومتیں اسپر حملہ آور ہوتی رہی ہیں

یمن کی حدود یہ ہیں۔ مشرق میں عمان وبحرین۔ مغرب میں بحر احمر۔ شمال میں حجاز نجد اور یمامہ۔ جنوب میں بحر عرب۔ قدیم زمانہ میں ہندوستان۔ فارس۔ مصر اور عراق کی باہم تجارت اہل یمن ہی کے توسط سے ہوا کرتی تھی عروج اسلام سے پہلے اہل حبشہ کو شکست دیکر فارس نے اسپر قبضہ کرلیا اور سنہ میں جبکہ خسرو پرویز کو اسلام کا پیغام بھیجا گیا

اہل فارس ہی اسپر قابض تھے اور یہ فارس کا ایک صوبہ تہا اور اسپر باذان حکمرانی کرتا تہا

باذان کے پاس جب بابویہ اور خرخسرہ پہنچے تو انہوں نے دربارِ نبوی کے تمام حالات بیان کئے اور جو پیش گوئی اور جواب نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تہا اسکو بھی نقل کر دیا۔

باذان نے جب پیغامِ نبوی سنا تو کہنے لگا کہ جو حالات تم نے سنائے ہیں اور پیغام تم نے لاکر دیا ہے اگر یہ سب صحیح ہے تو وہ شخص یقیناً خدا کا سچا پیغمبر ہے۔

ادہر تو بابویہ اور خرخسرہ "یمن" واپس آئے اور دوسری طرف شیرویہ کا پیغام باذان کے پاس پہنچا کہ خسرو پرویز قتل کر دیا گیا۔ اور رعایا کو اس کے ظلم سے نجات مل گئی اور اب میں سریر آرائے سلطنت ہوں۔ تمکو اسی طرح حکومت کا وفادار رہنا چاہئے جیسا کہ ابتک تمہارا طرزِ عمل رہا ہے۔ اور عرب کے جس شخص کے متعلق خسرو نے بازپرس کا حکم دیا تہا تا اطلاعِ ثانی اُس کے ساتھ کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ باذان ان تمام حالات و واقعات کو دیکھنے اور سننے کے بعد صداقتِ اسلام کا قائل اور ایک بڑی جماعت کے ساتھ مشرف باسلام ہوگیا۔ باقی اہل یمن سنہ ۱۰ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔

زوالِ فارس۔

مورخین کہتے ہیں کہ شیرویہ اپنے باپ خسرو پرویز کی بی بی شیریں پر عاشق تہا۔ لیکن شیریں کسی طرح شیرویہ کی طرف متوجہ نہوتی تھی۔ شیرویہ نے یہ سمجھا کہ شاید خسرو کے قتل کر دینے کے بعد یہ مسئلہ حل ہو جائے اسلئے اُسکو قتل کر دیا۔ شیریں کو جب خسرو کے قتل کا حال

ع صنعا اس کا پایۂ تخت تہا۔

معلوم ہوا تو اُس نے زہر کھاکر اپنا کام تمام کرلیا۔

تھوڑے ہی عرصہ بعد شیرویہ ایک روز شاہی دواخانہ پہونچا اور کسی زہریلی دوا کو لو تندارو سمجھکر کھا گیا۔ ہر چند علاج معالجہ ہوا لیکن شیرویہ جانبر نہو سکا اس کے بعد خسرو کی بیٹی بوران تخت نشین ہوئی مگر وہ بھی کچھ زیادہ مدّت تک حکومت نہ کر سکی[1] غرض خسرو پرویز کے بعد تخت فارس پر کسی حکمران کو اطمینان سے حکومت کرنا نصیب نہوا اور حکومت فارس کے اقتدار کا آفتاب "گہن میں آگیا۔

آخر سنہ ۱۴ھ میں خلیفہ دوم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لشکر اسلام فارس میں داخل ہوا اور اس کے اقتدار کو جو کہ "یزدگرد" کے نام سے آخری سانس لے رہا تھا ہمیشہ کے لئے ختم کردیا اور "درفش کاویانی" کی جگہ تمام قلمرو میں "پرچم اسلامی" لہرانے لگا۔ اور اس طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت حرف بحرف صحیح ہوئی۔

اِذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ۔[2] جب کسریٰ "خسرو پرویز" ہلاک ہوجائیگا تو پھر اسکے بعد کوئی کسریٰ پیدا نہوگا یعنی فارس کی حکومت کا وہ اقتدار جو خسرو پرویز کے زمانہ میں تھا ختم ہوجائیگا اور اس کی حکومت پرزہ پرزہ ہوجائیگی۔

چوتھا پیغام شاہِ ہرمزان کے نام[3]

زمانۂ نبوت میں فارس کے ایک قطعہ پر خاندانِ شاہی کے ایک شہزادہ ہرمزان کی حکومت تھی۔ اہواز۔ رامہرمز۔ تستر۔ اور سوس اسکے قلمرو کے مشہور شہر تھے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہرمزان کو بھی اسلام کا پیغام بھیجا۔ یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ اس نامۂ مبارک

(۱) ناسخ التواریخ ۱۲ (۲) مسلم جلد ثانی۔ (۳) سنہ ہجری کے واقعات میں جن خطوط کا تذکرہ فہرست سابقہ میں آچکا ہے۔ یہ ان سے جدا ضمنی طور پر یہاں درج کیا گیا ہے۔

کی سفارت کا شرف کس کو نصیب ہوا۔ قیاس اسکو چاہتا ہے کہ عبداللہ بن حذافہ سہمی ہی "جو کہ خسرو پرویز کے پاس پیغام لیکر گئے تھے" اسکو بھی لیکر گئے ہونگے۔ نامہ مبارک کی عبارت یہ ہے۔

(نامۂ مبارک بنام ہرمزان حاکم رامہرمز)

مِنْ محمد عبد اللہ و رسولہٖ الی الھرمزان انی ادعوک الی الاسلام اَسلِمْ تَسْلَمْ۔	یہ خط ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو اللہ کا بندہ اور اسکا رسول ہے ہرمزان کے لئے میں تجھکو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام قبول کر اور سلامتی حاصل کر

نہیں معلوم کہ ہرمزان نے اسکا کیا جواب دیا لیکن اسلام قبول نہ کیا۔ اسکے بعد عہد فاروقی میں حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا۔ واقعہ کی تفصیل یہ ہے۔

سنہ ۱۵ھ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری نے جب سوس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ کرلیا تو آٹھ لاکھ درہم سالانہ پر صلح ہوگئی۔ یزدگرد جو کیانی سلطنت کا آخری تاجدار تھا قم میں مقیم تھا اسکو مسلمانوں کی اس مسلسل پیش قدمی نے بہت پریشان کر رکھا تھا۔ اسکو دیکھکر ہرمزان نے "جو کہ شیرویہ کا ماموں تھا اور فارس کے ایک حصہ پر حاکم تھا" یزدگرد سے کہا کہ اگر آپ مجھکو اہواز فارس عطا فرماویں تو میں عرب کی اس پیش قدمی کو روک دوں۔ یزدگرد نے فوراً ہی مان لیا اور عظیم الشان لشکر ساتھ کر دیا۔ ہرمزان نے خوزستان کے صدر مقام شوشتر کو فوجی چھاؤنی بنایا اور قلعہ کی مرمت کر کے جنگ کے لئے پوری طرح مستحکم کیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت نعمان بن مقرن حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت جریر ابن عبداللہ

(۱) فتح الباری ۱۲

بجلی کی رضی اللہ عنہم ازیر سیادت ایک لشکرِ جرار لیکر شوستر کی طرف کوچ کیا۔ ہرمزان نے پہلے روز قلعہ سے باہر نکلکر مقابلہ کیا مگر شکست کھاکر شہر پناہ کے پھاٹک بند کر لئے ایک روز شہر کا ایک آدمی ابو موسیٰ شعری کے پاس چھپکر آیا اور کہنے لگا کہ جان و مال کی امان دیجائے تو میں قلعہ فتح کرا سکتا ہوں حضرت ابو موسیٰ نے ایک شخص اشرس نامی کو اس کے ساتھ کر دیا۔ فارسی شخص نہر دجیل سے "جو دجلہ کی ایک شاخ ہے اور شوستر کے نیچے بہتی ہے" پار اُتر کر ایک تہ خانہ کی راہ سے شہر میں داخل ہوا اور اشرس کے منہ پر چادر ڈالکر کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے چلا آ۔ اشرس اور فارسی شخص کوچہ و بازار سے گذر کر ہرمزان کے دربار شاہی تک پہنچ گئے۔ ہرمزان اسوقت اپنے وزرا اور امراء کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ پارسی نے اشرس کو تمام عمارات اور راہوں کے نشیب و فراز دکھا کر واپس ابو موسیٰ شعری کے پاس لایا اور کہنے لگا کہ میں جو کچھ کر سکتا تھا کر گذرا آگے آپکی قسمت و تقدیر۔ اشرس نے اسکی تائید کی اور عرض کیا کہ اگر دوسو بہادر میرے ساتھ کر دیئے جائیں تو میں شہر پر بآسانی قبضہ کرا سکتا ہوں فوراً مجاہدین میں سے دوسو بہادر سامنے آئے اور اشرس کو ساتھ لیکر تہخانہ کے رستہ شہر پناہ کے دروازہ پر پہنچے اور پہرہ والوں کو قتل کر کے شہر کے دروازے کھولدیئے۔ دروازہ کے سامنے ابو موسیٰ فوج لئے کھڑے تھے۔ دروازہ کھلتے ہی فوج شہر میں داخل ہوئی اور شہر میں ہلچل مچ گئی۔ ہرمزان بھاگ کر قلعہ میں پہنچ گیا اور قلعہ کے دروازے بند کر کے ایک برج پر کھڑے ہو کر کہنے لگا کہ میرے ترکش میں اب بھی سو تیر باقی ہیں اور جب تک اسیقدر آدمی زمین پر نہ تڑپنے لگیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا تاہم اس شرط پر اُترآتا ہوں کہ تم مجھکو عمر ابن الخطاب کے پاس مدینہ بھیجدو اور جو فیصلہ بھی ہو عمرؓ ہی کے ہاتھ سے ہو۔ ابو موسیٰ نے اسکو منظور کر لیا اور فوراً ایک وفد جس میں حضرت

انس بن مالکؓ اور حضرت احنف بن قیس بھی شامل تھے، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کیا اور وفد کے ہمراہ ہرمزان کو بھی اس شان کے ساتھ بھیجا کہ شاہی لباس بدن پر، اور تاجِ شاہی سر پر، تھا جو لعل و یاقوت سے مرصع تھا، اور بھی بادشاہوں کی طرح بیش بہا زیورات بدن پر تھے۔

یہ جب مدینہ پہنچے تو خلیفۂ اعظم کو دریافت کیا معلوم ہوا کہ کوفہ کا ایک وفد آیا ہوا ہے مسجد نبوی میں اس سے باتیں کر رہے ہیں۔ یہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ صحنِ مسجد میں سر کے نیچے کپڑا رکھے ہوئے آرام فرما رہے ہیں ہرمزان نے ساتھیوں سے پوچھا کہ عمرؓ کہاں ہیں؟ انہوں نے اشارہ سے بتایا کہ یہ شخص جو سو رہے ہیں عمرؓ ہیں۔ ہرمزان نے کہا کہ ان کے دربان، چوبدار وغیرہ کہاں ہیں ہمراہیوں نے جواب دیا کہ ان چیزوں کا یہاں گذر نہیں۔ ہرمزان یہ سنکر کہنے لگا کہ یہ شان تو پیغمبروں کی ہوتی ہے۔ ہمراہیوں نے جواب دیا کہ یہ اگرچہ نبی نہیں ہیں لیکن مشکوٰۃ نبوۃ سے ہی فیضیاب ہیں۔ حضرت عمرؓ اس گفتگو سے بیدار ہوگئے۔ اٹھے تو سامنے شاہی ملبوس میں ایک شخص کھڑا نظر آیا۔ فوراً فرمایا، ہرمزان؟ ہرمزان نے جواب دیا کہ بیشک میں ہی ہرمزان ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے اسلام کو غالب کیا اور شرک ذلیل ہوا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ اور ہرمزان کے درمیان اس طرح سلسلۂ گفتگو شروع ہوا اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے ترجمان کی خدمت انجام دی۔

حضرت عمرؓ۔ ہرمزان تو نے دیکھا کہ غداری کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور خدائے تعالیٰ نے تیری پیہم غداریوں کا تجھکو کیا صلہ دیا۔

ہرمزان۔ عمر، جب زمانۂ جاہلیت تھا تو تم اور ہم دونوں قومیں جاہلیت میں مساوی تھیں

اس زمانہ میں خدا ہمارے ساتھ تھا ہم ہمیشہ تم پر کامیاب وغالب رہے اب خدا کی مدد تمہارے ساتھ ہے اور تم ہم پر غالب ہو۔

حضرت عمرؓ۔ اچھا باہم عہد کی خلاف ورزیوں کا تمہارے پاس کیا جواب ہے۔

ہرمزان۔ مجھے خوف ہے کہ اس سے پہلے کہ میں اسکا تفصیلی جواب دوں قتل نہ کر دیا جاؤں۔

حضرت عمرؓ۔ تو اسکا قطعی خوف نہ کر۔

ہرمزان۔ مجھکو پیاس لگی ہے۔

ایک شخص نے معمولی آبخورہ میں پانی لاکر دیا۔ ہرمزان کہنے لگا کہ اگر پیاس سے مر بھی جاؤں تو بھی اس آبخورے سے پانی نہیں پی سکتا۔ آخر ایک عمدہ پیالہ میں پانی دیا گیا تو کہنے لگا

ہرمزان۔ مجھکو خوف ہے کہ پینے کی حالت میں نہ مار ڈالا جاؤں۔

حضرت عمرؓ۔ بےخوف پانی پی۔ جب تک پانی پیکر فارغ نہو جائیگا کوئی تجھکو قتل نہیں کر سکتا۔

ہرمزان نے یہ سنکر فوراً پانی گرا دیا۔

حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ پیالے میں اور پانی لے آؤ اور جب تک یہ پانی سے فارغ نہو جائے ہرگز قتل نہ کیا جائے۔

ہرمزان۔ مجھے پانی کی کوئی ضرورت نہیں نہ مجھکو پیاس لگی ہے میں تو اس حیلہ سے تمہاری امان چاہتا تھا۔

حضرت عمرؓ۔ میں تجھکو ضرور قتل کروں گا۔

ہرمزان۔ تم مجھکو امان دے چکے اب ہرگز قتل نہیں کر سکتے۔

حضرت عمرؓ۔ بالکل جھوٹ۔

حضرت عمرؓ۔ بالکل جھوٹ۔

حضرت انس بن مالکؓ۔ امیر المومنین یہ سچ کہتا ہے آپنے اسکو امان دیدی۔

حضرت عمرؓ۔ انس۔ کیا مجزاۃ بن ثورؓ اور براء بن مالکؓ کے قاتل کو میں امان دے سکتا ہوں۔ صحیح صحیح بیان کرو ورنہ تمکو بھی سزا ملے گی۔

حضرت انسؓ۔ امیر المومنین۔ ابھی آپنے ہرمزان سے یہ فرمایا کہ جبتک تو اپنا جواب ختم نہ کریگا اور جبتک تو پانی پینے سے فارغ نہو جائیگا تجھے ہرگز قتل نہ کیا جائیگا۔ ہرمزان آپکو نہ خبر سنائیگا اور نہ پانی پئے گا پھر آپ کس طرح اسکو قتل کر سکتے ہیں۔ حضرت انس کے اس قول کی اہل مجلس نے بھی متفقہ تائید کی۔

حضرت عمرؓ۔ واللہ۔ ہرمزان تو نے مجھکو دھوکا دیا۔ اب تجھکو امان ہے مگر تجھکو چاہئے کہ اسلام میں داخل ہو جا۔

ہرمزان۔ میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

ہرمزان سے کسی نے دریافت کیا کہ تجھکو اس حیلہ کی کیا ضرورت تھی۔ پہلے ہی اسلام کیوں نہ قبول کر لیا۔

ہرمزان نے جواب دیا کہ میرے دل میں اسلام کی صداقت پہلے ہی اثر کر چکی تھی۔ لیکن یہ حیلہ صرف اسلئے کیا کہ کہنے والے یہ نہ کہیں کہ قتل کے خوف سے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے اور دو ہزار سالانہ ان کا وظیفہ مقرر کر کے ان کو مدینہ طیبہ ہی میں رہنے کی اجازت دیدی حضرت عمرؓ اکثر فارس کی جنگوں میں اُن سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

(پانچواں پیغام عزیزِ مصر مقوقس کے نام)

مصر و عزیزِ مصر

برِّ اعظم افریقہ کے شمالی حصہ کا وہ مشہور ملک جسکے تاج و تخت کے غرور میں فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا مصر کہلاتا ہے۔ عروجِ اسلام سے قبل یہ ملک روم کی سلطنت کا ماتحت سمجھا جاتا تھا اور اس کے فرمانروا رومی حکومت کے باجگذار تھے۔ مصر کے حدودِ اربعہ[1] یہ ہیں۔ شمال میں بحرِ روم۔ جنوب میں سوڈان۔ مشرق میں بحرِ قلزم۔ مغرب میں ریگستانِ صحارا۔ مصر میں اسوقت دو قومیں آباد تھیں۔ رومی جو مصر کو اپنی نوآبادی (کالونی) سمجھکر آباد تھے۔ تجارت و زمینداری بھی کرتے تھے اور سرکاری عہدوں پر بھی مامور تھے اور فوج کا ایک بڑا عنصر بھی یہی تھے۔ قبطی جو مصر کے خاص باشندے تھے اور فراعنۂ مصر کے عہدِ حکومت میں صدیوں تک پیغمبروں کی اولاد "بنی اسرائیل"، کو غلام بنائے رہے اور اسوقت بھی قیصر کی زیرِ سیادت حکمران سمجھے جاتے تھے انکا بادشاہ مقوقس بھی قبطی ہی تھا۔ مصر کے بادشاہوں کا لقب اگرچہ فرعون تھا، لیکن قرآنِ حکیم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں مصر کے بادشاہ کو عزیز کا لقب دیا ہے۔ مقوقس اگرچہ قبطی النسل تھا لیکن رومۃ الکبریٰ کے سلاطین کی عیسائیت کا اثر چونکہ مصر بھی قبول کر چکا تھا اسلئے مقوقس بھی مذہبًا عیسائی، اور اپنے مذہب کا بہت بڑا عالم تھا۔ مصر کا دار السلطنت اُس زمانہ میں مشہور شہر اسکندریہ تھا،

کہا جاتا ہے کہ اس ملک کی ابتدائی آبادی مصر بن مصرائم بن حام بن نوح علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی ہے اور اسی کی نسل اس ملک کی سب سے پہلی آباد قوم شمار کیجاتی ہے۔

---

(۱) مورخین لکھتے ہیں کہ مصر کی سب سے پہلی آباد قوم مصر بن حام کی اولاد تھی اور یہی لوگ یہاں برسرِ حکومت تھے مگر زمانہ کی تاریخِ عروج و زوال نے یہاں بھی اپنا اثر دکھایا اور حام بن نوح علیہ السلام کی اس نسل کے رہاتی آئندہ

دعوتِ اسلام

شاہِ مصر "مقوقس"(۱) بھی ان چھ بادشاہوں میں سے ہے جنکو سنہ ۶ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام اسلام کے لئے نامۂ مبارک لکھا۔ اس سفارت کا شرف حضرت حاطب بن ابی بلتعہ لخمی کو بخشا گیا۔ "حضرت حاطب اُن مشہور جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے بدر کے غزوہ میں شریک ہو کر اسلام کی فداکاری کا اُسوقت ثبوت دیا تھا جب مسلمان بے سروسامان بھی تھے اور تعداد میں بھی کم تھے۔ انہی صحابی کا وہ مشہور واقعہ ہے کہ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کا قصد فرمایا تو حاطب رضی اللہ عنہ نے قریشِ مکہ کو خفیہ خط لکھا اور اس میں آپکے اس ارادہ کی اطلاع دی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ یہ حال

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۶) تمدن و تہذیب اور سطوت و شوکت کا زوال شروع ہوا اور سام بن نوح علیہ السلام کی نسل میں سے عملیق بن لاوذ کی اولاد نے عروج حاصل کیا۔ اولادِ عملیق جنکو تاریخ میں عمالقہ کہا جاتا ہے۔ جسمانی اعتبار سے بھی قوی الجثہ اور بہادر تھے شام واطرافِ شام عراق واطرافِ عراق اور عرب عجم کے بعض حصص پر بڑی شان وشوکت کیساتھ حکمرانی کرتے تھے۔ عمالقہ نے مصر کی اس سرسبز و شاداب زمین کو بھی تاکا اور ولید بن دومون نے جو اپنی فراست و کیاست میں یگانۂ روزگار تھا مصر پر چڑھائی کر کے اس کو فتح کر لیا۔ یہی عمالقہ مصر میں آکر فراعنۂ مصر کہلائے اسلئے جو بادشاہ بھی مصر کے تخت پر بیٹھا فرعون کے لقب سے ملقب ہوا۔ قرآن عزیز نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں جس فرعون (عزیز مصر) کا ذکر کیا ہے وہ اسی فرعون اکبر ولید کا بیٹا ریان تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں جس فرعون کا تذکرہ آتا ہے اس کا نام ولید بن مصعب بتایا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں جس فرعون کا ذکر آتا ہے اور جس نے حضرت سارہ کیساتھ شاہی خاندان کی شاہزادی حضرت ہاجرہ کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالہ کر دیا تھا اسکا نام طوس بن مالیا یا سنان بن علوان تھا۔ اس میں بحث ہے کہ فرعون صاحب موسیٰ علیہ السلام عمالقہ میں سے تھا یا مصر کی قدیم قوم قبط میں سے لیکن اس پر اتفاق ہے کہ فرعون صاحب یوسف علیہ السلام عمالقہ میں سے تھا اور فرعون صاحب ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ الصلوٰۃ والسلام قبط میں سے تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے آپ نے صحابہ کو وصیت فرمائی تھی اذا فتحتم مصر فاستوصوا بالقبط خیرًا فان لہم صہرًا جب تم مصر فتح کر لو تو اہل قبط سے اچھا معاملہ کرنا اسلئے کہ ہمارا (اہل عرب کا) ان کے ساتھ نانہالی رشتہ ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بی بی حضرت ہاجرہ قبطی شہزادی تھیں۔ (معجم جلد ۸)

(۱) ابن ماکولا کہتے ہیں کہ مقوقس لقب ہے اور جریج بن متی نام ہے۔ (اسد الغابۃ جلد ۸)

معلوم ہوگیا۔ آپ نے حضرت علیؓ کو قاصد کے پیچھے روانہ کیا۔ حضرت علیؓ نے قاصد سے خط چھینکر دربارِ نبوی میں پیش کیا۔ تمام صحابہ حاطبؓ کے اس طرزِ عمل سے متعجب تھے۔ حضرت عمرؓ نے بیتابانہ عرض کیا یارسول اللہ حکم ہو تو اسکی گردن اڑا دوں؟ آپ نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ عمر۔ تمکو کیا معلوم کہ خدا نے اہلِ بدر کو مخاطب کرکے کہدیا ہو کہ ان کی غلطیاں معاف ہیں[1] حضرت حاطب نے یہ عذر پیش کیا کہ میرے تمام اہل وعیال مکہ میں ہیں مجھے قریش کی ایذادہی کا ہر وقت خوف لگا رہتا ہے۔ مجھے اس کا یقین تھا کہ بہرصورت خدا اپنے رسول کو کامیاب کریگا۔ اگر میں مشرکین سے یہ ظاہرداری برتوں گا تو اس طرح میرے اہل وعیال محفوظ رہیں گے اور اسلام کو بھی کوئی نقصان نہ پہونچیگا۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صفتِ رحمت جوش میں آئی اور حاطب کا عذر قبول ہوا۔ سیرت حلبیہ میں حضرت حاطب کی اس سفارت پر ماموری کا واقعہ اس طرح مذکور ہے۔

فانہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
عند منصرفہ من الحدیبیۃ
قال ایھا الناس ایکم ینطلق بکتابی
ھذا الی صاحب مصر واجرہ علے
اللہ فوثب الیہ حاطب رضی اللہ
عنہ وقال انا یارسول اللہ قال
بارک اللہ فیک یاحاطب

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے واقعہ حدیبیہ سے فارغ ہوکر ایک روز ارشاد فرمایا۔ لوگو۔ تم میں سے کون شخص آمادہ ہے کہ میرا نامہ مصر کے پادشاہ کو پہنچادے اور اللہ کے ہاں اجر حاصل کرے۔ حضرت حاطب یہ سنکر فوراً آگے بڑھے اور عرض کیا یارسول اللہ میں اس خدمت کیلئے حاضر ہوں آپ نے فرمایا۔ حاطب خدا تمکو برکت عطا فرماتے۔

---

[1] بخاری شریف میں اس واقعہ کے متعلق یہ الفاظ ہیں فقال انہ شھد بدرًا وما یدریک لعل اللہ اطلع علی من شھد بدرًا قال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم۔ آپنے فرمایا کہ یہ غزوہ بدر کے شرکاء میں سے ہیں۔ تمکو کیا معلوم کہ اللہ تعالی نے بدریوں سے فرمادیا ہو کہ اب جو چاہو عمل کرو ہمنے تمکو بخش دیا۔ یعنی غزوۂ بدر کی شرکت اور نفاق وکفر یکجا جمع نہیں ہوسکتے۔

غرض حضرت حاطبؓ مسافت طے کرتے ہوئے اسکندریہ پہنچے اور یہاں پہنچکر عزیز مصر کے ایسے مقرب کی تلاش کی جو انکو اُس کے دربار تک پہنچا دے۔ آخر مقوقس کے ایک حاجب خاص کے ذریعہ رسائی ہوئی۔

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے تاریخ مصر میں بیان کیاہے کہ حضرت حاطبؓ جب اسکندریہ پہنچے تو شاہ مقوقس دریائے نیل کے اندر کشتی میں سوار سیر میں مشغول تھا۔ حاطبؓ نے تاخیر مناسب نہ سمجھکر ایک کشتی کرایہ کی اور مقوقس کے پاس پہنچکر نامہ مبارک اسکے سپرد کردیا۔ مقوقس نے حضرت حاطب سے پہلے ایک دلچسپ سوال کیا۔

مقوقس۔ مدعیٔ نبوت اگر اپنے دعوئے نبوت و رسالت میں سچا ہے تو اپنے خدا سے یہ دعا کیوں نہیں مانگتا کہ اُس کے ان مخالفوں کو جنہوں نے اسکو مکہ سے نکال دیا تھا تباہ و برباد کردے۔

حاطب۔ حضرت عیسیٰ تمہارے نزدیک خدا کے رسول ہیں۔؟

مقوقس۔ بیشک۔

حاطب۔ جب یہود نے انکو سولی پر چڑھایا اور تمہارے عقیدہ میں انکو سولی پر ہلاک کردیا گیا تو انہوں نے خدا سے دعا مانگ کر کیوں نہ دشمنوں کو ہلاک کرادیا۔

مقوقس۔ سچ کہتا ہے۔ تو خود بھی دانا ہے اور جسکا تو سفیر ہے وہ بھی دانا حکیم ہے۔

مقوقس نے اس کے بعد حکم دیا کہ ترجمان حاضر ہو اور نامہ مبارک پڑھا جائے۔ ترجمان نے نامہ مبارک پڑھنا شروع کیا۔

نامہ مبارک کی عبارت یہ ہے۔

(۱) حسن المحاضرہ

(نامہ مبارک بنام شاہ مقوقس عزیز مصر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی المقوقس عظیم القبط سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام فاسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فعلیک اثم القبط۔ یااھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃٍ سواءٍ بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون ط

اللہ کے نام سے شروع جو رحمٰن و رحیم ہے یہ خط ہے اللہ کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے قبطیوں کے بادشاہ مقوقس کے نام جو ہدایت کی پیروی کرے اسپر سلام۔ بعد حمد و صلوٰۃ میں تجھکو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کرلے۔ سالم و محفوظ رہیگا اور اللہ تعالیٰ تجھکو دوہرا اجر عطا فرمائیگا اور اگر تونے اسلام قبول نہ کیا تو قبطیوں کی گمراہی کا وبال بھی تجھ ہی پر پڑے گا۔ اے اہل کتاب آؤ اس کلمہ کی جانب جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک مقرر کریں اور نہ آپس میں ہم ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب تسلیم کریں اور اگر تمکو یہ منظور نہیں تو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ان سے آپ کہدیجئے کہ ہم تو خدا کے ہی ماننے والے ہیں۔

مقوقس نے جب یہ خط سنا تو حکم دیا کہ اس خط کو ہاتھی دانت کی دو تختیوں کے درمیان رکھکر سرکاری خزانہ میں محفوظ رکھو۔ اور حضرت حاطب سے کہا کہ تم چند روز ابھی آرام کرو اسکے بعد خط کا جواب دیا جائیگا۔ حضرت حاطب چند روز مصر میں نہایت اعزاز و

واحترام کے ساتھ مقیم رہے۔ چند روز کے بعد مقوقس نے ان کو دربار میں بلایا اور نامۂ مبارک کا جواب لکھوا کر ان کے سپرد کیا۔

(جواب مقوقس شاہ مصر)

لمحمد بن عبد الله من المقوقس
عظیم القبط سلام علیک اما بعد
فقد قرأت کتابک وفهمت ما
ذکرت فیه وما تدعو الیه
وقد علمت ان نبیاً قد بقی
وکنت اظن انه یخرج بالشام
وقد اکرمت رسولک وبعثت
الیک بجاریتین لهما مکان فی القبط
عظیم وبکسوة واهدیت الیک
بغلة لترکبها والسلام علیک

یہ خط ہے محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیلئے قبطیوں کے بادشاہ مقوقس کی جانب سے "بعد حمد" میں نے خط پڑھا اور جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے اور جس شے کی طرف آپ نے دعوت دی ہے اسکو میں نے سمجھ لیا بیشک میں یہ جانتا ہوں کہ ایک نبی ابھی آنیے باقی ہیں لیکن میرا خیال یہ تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہونگے۔ میں نے آپکے قاصد کی بجید مدارات کی اور آپ کی خدمت میں دو لڑکیاں[1] روانہ کرتا ہوں قبطیوں میں انکی بہت بڑی عزت ہے اور آپکے لئے کپڑا اور سواری کیلئے خچر بھیجتا ہوں۔ اللہ تعالے آپ پر سلامتی نازل فرمائے۔

---

(۱) سیرت کی بعض کتابوں میں مذکور ہے۔ کہ مقوقس نے تین لڑکیاں۔ قیصر۔ سیرین۔ اور ماریہ ایک غلام مابور ایک خچر ایک گھوڑا لبزاز اور ایک گدھا عفیر ہزار مثقال سونا اور بیس قیمتی پارچات مصری بھیجے جمیں سے قیصر حضرت ابو جہم عبدی کو اور سیرین حضرت حسان رضی اللہ عنہما کو عطا ہوئیں اور بعض روایات میں ہے کہ چار لڑکیاں تھیں لیکن بیشتر اور مستند روایات میں دو کا ہی ذکر ہے۔ زاد المعاد وسیرۃ حلبیہ۔

حضرت حاطب دونوں کنیزوں "ماریہ" اور "سیرین" اور خچر "دلدل" اور پارچہ جات کو لیکر بصد اعزاز مصر سے روانہ ہو گئے۔ اور عزیز مصر "مقوقس" باوجود اس اقرار کے بھی سعادت اسلام سے محروم رہا۔ حضرت ماریہ اور سیرین دونوں راستہ ہی میں حضرت حاطب کی تعلیم سے مشرف باسلام ہو چکی تھیں۔ جب حاطب یہ تمام تحائف اور جواب خط لیکر دربار قدسی میں پہنچے تو آپ نے ہدایا کو قبول فرمایا اور مقوقس کا خط سنکر ارشاد فرمایا کہ "بدنصیب کو ملکی ہوا و ہوس نے اسلام سے محروم رکھا اور یہ نہ سمجھا کہ سلطنت ناپائیدار شئے ہے" حضرت ماریہ حرم نبوی میں داخل ہوئیں اور حضرت ابراہیم صاحبزادہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ سلم ان کے بطن سے تولد ہوئے پر اُم ابراہیم کہلائیں۔ اور سیرین حضرت حسان کو عطا ہوئیں۔ ماریہ اور سیرین دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔

شیخ جلال الدین سیوطی نے تاریخ مصر میں نقل کیا ہے کہ جب عزیز مصر "مقوقس" کے پاس نامۂ مبارک پہونچا اور اسکو مضمون خط معلوم ہوا تو نامہ مبارک سینہ سے لگا لیا اور کہنے لگا۔ بیشک یہی وقت ہے کہ نبی منتظر ظاہر ہو۔ ہمکو توراۃ و انجیل سے اس کی صفات و حالات معلوم ہیں، وہ پیغمبر دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع نہ کریگا۔ وہ صدقہ کا مال نہ کھائیگا، اور ہدیہ قبول کریگا، اس کے ہم جلیس مساکین و غربا ہونگے اور مہر[1] نبوت اس کے شانوں کے درمیان ہوگی۔

اور اپنی کتاب خصایص میں مقوقس کے متعلق یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے۔

مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ ابن مالک اور میں قبول اسلام سے پہلے ایک مرتبہ مصر

(۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان گوشت یا ہڈی کا ابھرا ہوا حصہ بیضوی شکل کا تھا۔ احادیث میں اس کی تشبیہ کبوتر کے انڈے کیساتھ دی گئی ہے۔ علماء اسکو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کی حسی دلیل قرار دیتے ہیں صحیحین (بخاری و مسلم) میں اس بارہ میں متعدد روایات موجود ہیں۔

"مقوقس" کے دربار میں پہنچے تو مقوقس نے ہم سے دریافت کیا کہ تم کس طرح یہاں بخیریت پہونچے۔ تمہارے اور ہمارے درمیان تو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور آن کے رفقا حائل ہیں کیا انہوں نے کوئی تعرض نہیں کیا؟ ہم نے جواب دیا نہیں۔ مقوقس نے اس کے بعد ہم سے آپکے حالات دریافت کرنے شروع کئے اور سلسلۂ گفتگو اس طرح شروع ہوا۔

مقوقس۔ اس کا خاندان کیسا ہے؟

مغیرہ۔ عالی خاندان ہے۔

مقوقس۔ پیغمبر عالی خاندان ہی ہوا کرتے ہیں۔

مقوقس۔ اس کی صداقت کا تمکو کیسا تجربہ ہے۔؟

مغیرہ۔ ہمیشہ سچ بولتا ہے۔ اسلئے باوجود مخالفت کے ہم بھی اسکو "صادق" و "امین" ہی کہتے ہیں۔

مقوقس۔ جو شخص انسانوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کب جھوٹ بول سکتا ہے؟

مقوقس۔ اس کے پیرو کس قسم کے اشخاص ہیں۔؟

مغیرہ۔ کثرت سے غرباء و مساکین۔

مقوقس۔ پیغمبروں کے پیرو اول غرباء ہی ہوا کرتے ہیں۔

مقوقس۔ یثرب کے یہودی اسکے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں۔؟

مغیرہ۔ سخت مخالف ہیں۔

مقوقس۔ وہ حسد سے ایسا کرتے ہیں ورنہ انہیں آپکی صداقت کا یقین ہے اور وہ بھی ہماری طرح ایک نبی کے منتظر ہیں جس کے صفات توراۃ میں موجود ہیں اسکے بعد مقوقس کہنے لگا

وہ خدا کا پیغامبر ہے۔ تمام عالم کو خدا کا پیغام سنانے آیا ہے اگر قبطیوں اور رومیوں تک

اس کا اثر پہنچا تو انکو بھی پیروی کرنی پڑے گی۔ حضرت عیسیٰ بن مریم کی تعلیم بھی یہی ہے کہ اس کی پیروی کرنا ضروری ہے جو صفات تم نے اس کی بیان کی ہیں۔ انبیاء سابقین علیہم السلام میں بھی یہی اوصاف تھے انجام کار اسی کے حق میں ہوگا اور کسی کو اس کی مخالفت کا یارا نہ رہیگا۔ اس کا دین خشکی اور تری سب میں پھیل جائیگا۔

ہم نے کہا کہ اگر تمام دنیا بھی اس کی بات کو مان لے اور اس کے دعوے کو تسلیم کرلے تب بھی ہم ہرگز ہرگز اس کی پیروی نہ کریں گے۔ مقوقس نے یہ سنکر سر ہلایا اور کہنے لگا کہ ابھی تم اس بات کو مذاق ہی سمجھ رہے ہو۔

میرے دل پر ان باتوں کا بیحد اثر ہوا اور میں نے اپنے رفیق سے کہا تعجب ہے کہ شاہان عجم تک اس شخص سے خوف کھاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں اور ہم اس کے رشتہ دار و پڑوسی ہونے پر بھی اسی کے دین سے اسقدر نفرت رکھتے ہیں۔ حالانکہ اس کے داعی ہمارے گھروں پر پہنچکر ہمکو اسلام کی دعوت دیتے ہیں؟ اس خیال نے میرے دل پر اسقدر اثر کیا کہ جب میں اسکندریہ سے روانہ ہوا تو میں نے کوئی کنیسہ اور کوئی گرجا نہ چھوڑا جہاں اس پیغمبر کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوشش نہ کی ہو حسن اتفاق کہ میری ملاقات ایک بہت بڑے عیسائی عالم سے ہوگئی میں نے اس سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق چند سوالات کئے۔ میری اور اس عالم کی گفتگو کا حاصل یہ ہے۔

مغیرہ۔ کیا تم کو کسی نبی کے آنیکا انتظار ہے، اگر ہے تو اسکی صفات کتب سابقہ میں کیا ہیں؟

عیسائی عالم۔ بیشک ہمکو ایک نبی کی آمد کا انتظار ہے، وہ آخر الانبیاء ہے ہمکو حضرت عیسٰی علیہ السلام نے تعلیم دی ہے کہ جب وہ ظاہر ہو تو ہم اسکا اتباع کریں وہ نبی عربی اور امی ہوگا اس کا نام احمد ہوگا، ان کا حلیہ اور صفات یہ ہیں۔

میانہ قد، آنکھیں بڑی ہونگی اوران میں سرخی کے ڈورے ہونگے، سُرخ و سپید رنگ، کپڑے موٹے پہنیں گے، معمولی غذا پر اکتفا فرمائیں گے، بڑی سے بڑی طاقت سے بھی خوف نہ کریں گے، ان سے جو جنگ کرینگے وہ بھی ان کا مقابلہ کرینگے۔ اُن کے اصحاب ان کے ادنیٰ اشارہ پر جان فدا کرینگے آپ کو اپنی اولاد ماں باپ اور بھائیوں سے بھی زیادہ محبوب سمجھیں گے، ایک حرم (مکہ) سے ہجرت کرکے دوسرے حرم (مدینہ) میں قیام کرینگے جس کی زمین پتھریلی ہوگی اور وہاں کثرت سے کھجوروں کے درخت ہونگے ان کا دین، دین ابراہیمی ہوگا۔

مغیرہ۔ اس کے علاوہ اور کچھ صفات بیان کیجئے۔

عیسائی عالم۔ تہ بند اونچا باندھیں گے "یعنی متکبروں کی طرح ایسا لباس نہ پہنیں گے جو پیروں پر گھسٹتا ہوا چلے" اعضاء کو دھوئیں گے[1] اُن کی بعثت[2] عام ہوگی، کل سرزمین ان کے لئے جا[3]نماز ہوگی

میں نے ان باتوں، اور دوسرے پادریوں سے جو کچھ سنا تھا، ان سب کو محفوظ رکھا اور خدمت اقدس میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوگیا اس واقعہ میں اگرچہ یہ تصریح نہیں ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کی مقوقس سے یہ ملاقات دعوت اسلام پہنچنے سے قبل ہوئی یا بعد میں مگر قیاس یہ چاہتا ہے کہ یہ ملاقات ستہ ھ کے واقعہ سے قبل ہوئی ہے اسلئے کہ حضرت مغیرہ کا مصر جانا صلح حدیبیہ کے واقعہ سے قبل ثابت ہوتا ہے۔ یہ مشرکین کی کسی جماعت کے ساتھ مصر گئے تھے اور وہاں سے واپس ہوکر بیعت الرضوان[4] میں شریک ہوئے۔

---

(۱) وضو کی طرف اشارہ ہے۔ (۲) ارسلت الی الخلق کافۃ (الحدیث) مسلم۔ (۳) وجعلت لی الارض مسجداً وطهورا (الحدیث) مسلم۔ (۴) معارف ابن قتیبہ جلد اول۔

زوالِ مصر

شیخ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ صدیقِ اکبرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں دوبارہ حضرت حاطب کو عزیز مصر "مقوقس" کے پاس مصر بھیجا تھا۔ حضرت حاطب اس مرتبہ مجاہدین کی ایک جماعت کیساتھ مصر اس لئے بھیجے گئے تھے کہ رومی سلطنت کا یہ باجگذار ملک بھی شام کے حصص کی طرح اسلامی حکومت کے اقتدار کو قبول کرلے، کیونکہ تاریخ اسلامی کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ رومیوں نے نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے مسلمانوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کردی تھی اور دومرتبہ خود پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو انکے مقابلہ کے لئے تبوک وغیرہ کا سفر پیش آچکا تھا۔ حضرت حاطب مصر کے بعض بلادِ شرقیہ سے معاہدہ کرکے واپس آگئے۔ اسکے بعد عہد فاروقی میں حضرت عمرو بن العاص مصر کی فتح میں مشغول ہوئے جب یہ مصر کے قطعات پر قبضہ کرتے ہوئے فسطاط کے میدان میں پہنچے اور وہاں کے مشہور قلعہ کی فصیلوں کے قریب پہنچکر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور حضرت زبیر جانبازی کرکے فصیل پر چڑھ گئے تو عیسائی سمجھے کہ مسلم لشکر قلعہ میں درآیا۔ یہ سمجھکر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت زبیرؓ نے گھسکر دروازہ کھولدیا اور اسلامی لشکر اندر داخل ہوگیا۔ مقوقس نے یہ دیکھکر صلح کرلی۔ صلحنامہ اگرچہ تمام مصر کے لئے لکھا گیا تھا لیکن قیصر کو جب یہ معلوم ہوا تو سخت برہم ہوا اور کہنے لگا کہ اگر قبطی نامرد ہوگئے تو رومی تو نامرد نہیں ہیں ہم اس صلح کو منظور نہیں کرتے۔ مقوقس نے بادل ناخواستہ جنگ کو پھر جاری رکھا۔ مگر مسلمانوں کے اسکندریہ تک پہنچ جانے پر اسکے حوصلے پست ہوگئے۔ اور وہ جذبہ دیکر صلح کرنا چاہتا تھا مگر قیصر کے خوف سے اس کی ہمت نہوتی تھی۔ تاہم ایک مدتِ معینہ تک التوارِ جنگ کی تحریک کی جسکو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

نے نہ مانا مقوقس نے ایکروز تمام شہریوں کو حکم دیا کہ ہتھیار سجکر شہر پناہ کی دیواروں پر نمایش کریں اس کی تعمیل عورتوں اور بچوں تک نے۔ حضرت عمرو بن العاص نے یہ دیکھکر کہا کہ ہم تمہارا مطلب سمجھ گئے لیکن مسلم مجاہدین اس نمایش سے مرعوب نہیں ہو سکتے۔ قیصر کی ٹڈی دل فوج جب انکے سیلاب کو نہ روک سکی تو وہ تمہاری حقیقت کیا سمجھ سکتے ہیں؟ مقوقس نے یہ سنکر کہا عمرو سچ کہتے ہیں کہ انہیں عربوں نے ہمارے بادشاہ قیصر کو قسطنطنیہ تک پہنچا دیا۔ رومی یہ کلمہ سنکر غضب ناک ہوئے مگر مقوقس جنگ سے بیزار تھا اسلئے حضرت عمرو بن العاصؓ سے اس شرط پر معاہدہ کر لیا کہ بوقت کامیابی مجھ سے اور میری قوم سے تعرض نہ کیا جائے۔ عمرو بن العاص نے اسکو منظور کر لیا اسپر مقوقس نے اندرونی طور پر مسلمانوں کو کافی امداد پہونچائی۔

شیخ جلال الدین سیوطیؒ مقوقس شاہ مصر اور حضرت بن العاصؓ کے باہمی معاہدہ کی دفعات حسب ذیل فرماتے ہیں۔

(۱) مجھے اور تمام قبطیوں کو امان دیدیجائے اور ہمارے مذہب، آبرو، جان، اور مال، کسی سے کچھ تعرض نکیا جائے۔

(۲) ہم آپ کی حفاظت میں آتے ہیں اور اسی کے بدلے میں ہم میں کا ہر ایک شخص باستثنا بچوں، عورتوں، اور بوڑھوں، کے دو اشرفی سالانہ ادا کریگا۔

(۳) قیصر نے میری صلح کی توہین کی اور اسکو نہ مانا اور مجھکو نادم و ذلیل کیا آپ ہرگز اس کے ساتھ صلح نہ کریں اسمیں ہمارے لئے سخت خطرہ ہے۔

(۴) میرا جب انتقال ہو تو اسکندریہ کے مقام "ابی حنش" میں مجھکو دفن کرنیکی اجازت دیجائے

(۱) اسی کا نام جزیہ ہے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے ان شرائط کو تسلیم کیا اور ۲۰ھ و ۲۱ھ میں تمام مصر فتح ہو کر اسلامی پرچم کے زیر نگین آ گیا۔ مقوقس نے اگرچہ آپ کی نبوت کی تصدیق کی، آپ کی سفارت کا انتہائی اعزاز و احترام کیا، خدمتِ اقدس میں ہدایا بھی بھیجے، مسلم اقتدار کو بھی بخوشی تسلیم کیا، بایں ہمہ نور اسلام سے محروم رہا اور اسلام قبول نہ کیا، اور جس ملک کے لالچ میں اس سعادت سے محروم رہا وہ بھی جلد ہی اس کے ہاتھ سے نکل کر اسلامی حکومت کا ایک صوبہ[1] بن گیا۔

نامۂ مبارک کی ایک تاریخی بحث

صاحب ناسخ التواریخ "جو شیعی شاہی مورخ ہے" لکھتا ہے کہ میں جس زمانہ میں یہ تاریخ لکھ رہا تھا اسی زمانہ میں سلطان عبدالمجید خاں سلطان ٹرکی نے شاہ قاچار کے پاس کچھ ہدایا بھیجے تھے۔ انمیں سب سے زیادہ نایاب تحفہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ نامۂ مبارک تھا جو آپ نے عزیزِ مصر شاہ مقوقس کے نام بھیجا تھا۔ حسن اتفاق کہ اسی زمانہ میں خدیو مصر ظلم پاشا کے بیٹے "عباس پاشا" نے قدیمی مصری دفینوں کا پتہ لگایا اور اس میں ہاتھی دانت کی تختیوں کے درمیان ایک کاغذ محفوظ دیکھا۔ کھول کر دیکھا تو وہ نامۂ مبارک تھا جو شاہِ مقوقس کے نام سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا۔ ظلم پاشا نے اسکو بحفاظت تمام سلطان ٹرکی کی خدمت میں بھیج دیا۔ سلطان نے جب اسکو ملاحظہ کیا تو اس کی عبارت اور اس خط کی عبارت میں تفاوت دیکھا جسکو وہ شاہ قاچار کے پاس بھیج چکا تھا۔ جو نامۂ مبارک، شاہ قاچار کے پاس بھیجا گیا تھا اس کی عبارت یہ تھی :-

---

(۱) مصر میں جلیل القدر صحابہ مدفون ہیں جن میں سے چند نام یہ ہیں۔ حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر، عبداللہ بن الحارث الزبیدی۔ عبداللہ بن حذافہ سہمی، عقبہ بن عامر جہنی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ حسن المحاضرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسولہ الی العظیم القبط والسلام علی من اتبع الہدی توکل باللہ العظیم فی کل الاحوال فان تولیت فعلیک بالعدل والقسط یا اہل الکتاب سیروا الی کلمۃ بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا تعودوا۔

شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ یہ خط ہے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب سے جو اللہ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔ قبطیوں کے بادشاہ کے نام۔ اس پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے اللہ بزرگ پر بھروسہ کر اور اگر تو ہدایت قبول نہ کرے تو عدل و انصاف کو کم از کم اپنا شعار بنائے اہل کتاب اس کلمہ کی طرف بڑھو جو تمام حالات میں ہمارے اور تمہارے درمیاں برابر ہے وہ یہ کہ ہم اور تم اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں اور نہ حد سے متجاوز ہوں

سلطان نے فوراً شاہِ قاچار کو اصل معاملہ کی اطلاع دی اور مصر سے آئے ہوئے نامۂ مبارک کی نقل کراکر اُن کے پاس بھیجدی ۔ اگر صاحب ناسخ کا یہ بیان صحیح ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ سلطان ٹرکی کے پاس پہلا جو خط تھا وہ مصنوعی تھا ۔ اس خط کی عبارت بھی بے ترتیب ہے اور آیتِ قرآنی میں بھی تبدیلی کی گئی ہے اصل نامۂ مبارک وہی ہے جو مصر سے دستیاب ہو تمام کتبِ حدیث و سیر میں بھی خط کی عبارت وہی منقول ہے ۔ اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے تاریخ مصر میں جو عبارت نامۂ مبارک کی نقل کی ہے وہ بھی اسی کے مطابق ہے ۔ نیز ابتداء واقعہ میں معلوم ہوچکا ہے کہ عزیز مصر مقوقس نے نامۂ مبارک کو عاج کی دو تختیوں میں محفوظ کر کے خزانہ میں بحفاظتِ تمام رکھوا دیا تھا یہی وہ خط ہے جو طلسم پاشا خدیو مصر کے ہاتھ آیا اور سلطان ٹرکی کے پاس بھیجدیا گیا ۔

چھٹا پیغام ہوذہ بن علی شاہِ یمامہ کے نام

یمامہ۔

شام اور عراق کو جدا کر کے جغرافیہ نویسوں نے عرب کو پانچ صوبوں پر تقسیم کیا ہے تہامہ۔ حجاز۔ نجد۔ یمن۔ عروض۔ عروض اس قطع کا نام ہے جو مشرقی حدودِ عراق سے خلیج فارس کے سواحل تک وسیع ہے۔ اس صوبہ میں یمامہ۔ عمان۔ اور بحرین تین قطعے ہیں۔

یمامہ کی حدود اربعہ یہ ہیں۔ مشرق میں، عمان، مغرب میں حجاز اور یمن کے بعض قطعات، جنوب میں الربع[1] الخالی، شمال میں نجد، یمامہ عہدِ قدیم میں قبائل طلسم وجدیس کا موطن تھا۔ حجر[2] یا قریہ ان کی حکومت کا صدر مقام تھا۔ عہد اسلامی کے قریب یہاں ایک قبیلہ بنو حنیفہ آباد تھا۔ مشہور متنبی کاذب مسیلمہ اسی قبیلہ کا تھا۔ جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جنگ کے بعد وحشیؓ کے ہاتھ سے ذلت کے ساتھ مارا گیا۔

بعض ارباب تاریخ نقل کرتے ہیں کہ یمامہ کا قدیمی نام "جو" تھا طلسم وجدیس کی باہمی جنگ وجدل میں ایک مرتبہ جدیس کے قبیلہ کی ایک عورت یمامہ بنت مرکو یما کے پایہ تخت کی شہر پناہ کے پھاٹک پر سولی دیکر لٹکایا گیا۔ اسی وقت سے اس شہر کا نام یمامہ مشہور ہوا اور پھر اس صدر مقام کے نام پر تمام خطہ کو یمامہ کہنے لگے۔

ہوذہ بن علی۔

یمامہ اگرچہ عربی قبائل کا مسکن تھا اور اس کے سردار وحکام بھی ہمیشہ عربی نسل سے

---

(۱) یمامہ، عمان کے مغرب میں حضرموت و بحرین کے درمیان جو صحرائے اعظم ہے وہ ربع الخالی یا الدہناء کہلاتا ہے۔

(۲) ہمدانی لکھتا ہے کہ قریہ اور حجر کے معنی ایک ہی ہیں آبادی کو کہتے ہیں قدیم عربی میں آبادی کو حجر اور جدید عربی زبان میں قریہ کہتے ہیں۔ معجم یاقوت حموی جلد ۸

ہی ہوتے رہے لیکن عروجِ اسلام کے زمانہ میں یہ قطعہ ایرانی حکومت کا ایک صوبہ سمجھا جاتا تھا۔ اور کسریٰ کے زیرِ اقتدار عربی حکام گورنری کے فرائض انجام دیتے تھے۔ سنہ ھ میں یمامہ کے سردار کے نام نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا پیغام بھیجا تو اُس وقت ہوذہ بن علی جو قبیلہ بنو حنیفہ کا فرزند تھا گورنر تھا۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس نامۂ مبارک کی سفارت کا شرف حضرت سلیط بن قیس بن عمرو عامری انصاری کو بخشا۔ سلیط مدینۂ طیبہ سے روانہ ہو کر یمامہ پہنچے اور ہوذہ کے دربار میں پہنچکر نامۂ مبارک اس کی سپرد کر دیا۔ ہوذہ نے بہت محبت اور خندہ پیشانی کے ساتھ اس خط کو لیا اور حضرت سلیط کو احترام و اعزاز کے ساتھ جگہ دی۔ اس کے بعد حکم دیا کہ ترجمان حاضر ہو۔ اُس نے آکر نامۂ مبارک پڑھنا شروع کیا۔ الفاظ یہ ہیں۔

نامۂ مبارک بنام ہوذۃ بن علی شاہِ یمامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	اللہ کے نام سے شروع جو رحمٰن و رحیم ہے یہ خط
من محمد رسول اللہ الیٰ ھوذۃ	اللہ کے پیغمبر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہے
بن علی سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ	ہوذہ بن علی کے نام۔ اس پر سلام جو ہدایت کا متبع
واعلم ان دینی سیظھر الیٰ	ہو، تجھکو معلوم رہے کہ میرا یہ دین (اسلام) تمام
منتھی الخف والحافر	عرب و عجم کی حدود تک پہنچے گا اور غالب رہے گا
فاسلم تسلم واجعل	پس تجھ کو چاہئے کہ اسلام قبول کرلے سالم رہے گا
لک ما تحت	مجھے تیرے ملک سے کوئی سروکار نہیں وہ تیرے
یدیک	قبضہ میں بدستور رہے گا۔

ہوذہ نے نامۂ مبارک سُنا اور خوشنودی کا اظہار کیا، حضرت سلیط نے ہوذہ کے

اس طرزِ عمل کو دیکھ کر اُس کو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی۔

ہوذہ! خدا نے تجھکو ایک بڑی جماعت کا سردار بنایا ہے اور تیرے پیشرو بہت سے نارِ جہنم میں ہیں۔ سردار وہ نہیں ہے جو ایمان کے آڑے آئے اور پھر اتقا ظاہر کرے۔ تیری قوم تیرے ہاتھوں سعادت کبریٰ حاصل کر سکتی ہے لہذا تو اپنے کو مصیبت میں نہ پھنسا۔ میں تجھکو بہترین چیز (قبولِ اسلام) کا مشورہ دیتا ہوں۔ اور بدترین چیز (کفر) سے بچاتا ہوں۔ میں تجھ کو عبادتِ الٰہی کا امر کرتا ہوں اور عبادت شیطان سے روکتا ہوں۔ اس لئے کہ اللہ کی عبادت میں جنت ہے اور شیطان کی عبادت میں جہنم۔ اگر تو میری اس نصیحت کو قبول کرے تو تیری مراد برآئے اور دہشت انگیز باتوں سے محفوظ ہو جائے۔ اور اگر تو نے نہ مانا تو تیرے اور ہمارے درمیان کاشفِ امورِ غیب (اللہ تعالیٰ) عنقریب فیصلہ کر دینے والا ہے۔

ہوذہ نے اطمینان کے ساتھ حضرت سلیط کی تقریر سُنی اور متانت کے ساتھ جواب دیا۔ اے سلیط مجھکو اس ذات (الٰہی) نے سرداری بخشی ہے اگر وہ تجھکو بھی یہ شرف بخشدے تو تو اس کو صد ہزار فخر سمجھے ابھی میں سوچ رہا ہوں اور ان امور پر غور کر رہا ہوں تجھکو موقعہ دے کہ میں اپنے دل میں کوئی مستقل فیصلہ کر سکوں۔ میں عنقریب کوئی جواب دونگا۔

اس کے بعد حضرت سلیط چند روز یمامہ میں مقیم رہے اور جب وہاں سے روانہ ہوئے تو ہوذہ نے "شہرِ ہجر" کے مشہور پارچہ جات اور بعض دیگر ہدایا دیئے کہ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میری طرف سے پیش کر دیئے جائیں اور ایک خط دیا جس میں نامۂ مبارک کا جواب دیا تھا۔ خط کے الفاظ یہ ہیں۔

ہوذہ بن علی کا پیغام نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نام

ما احسن ما تدعو الیہ	جس دین کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں وہ بہت
واجملہ وانا شاعر قومی و	خوب اور بہتر دین ہے۔ میں اپنی قوم میں مشہور خطیب
خطیبہم والعرب تھاب	اور شاعر ہوں اسی لئے عرب میری بجد عزت اور
مکانی فاجعل لی بعض	میرا بہت پاس کرتے ہیں اگر آپ کچھ مجھکو بھی حکومت
الامر اتبعک،	میں شریک کرلیں تو میں آپ کی پیروی کے لئے
	تیار رہوں۔

حضرت سلیط ہدایا اور ہوذہ کا خط لے کر خدمتِ اقدس میں پہنچے اور ہدایا پیش کرکے تمام حالات و واقعات بیان کئے۔

آپ نے ارشاد فرمایا " اگر وہ ایک جِیّہ زمین کا بھی ایسی حالت میں طالب ہو تو میں اس کو نہ دوں گا! وہ اور اس کا ملک سب فنا ہو جائے گا" آپ کے ارشاد کا آپکے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ ابن ہوذہ نے اس پیغام کا مقصد یہ سمجھا کہ یہ دنیا طلبی کا ایک ذریعہ ہے اس لئے قبولِ اسلام کے لئے اس نے یہ شرط ظاہر کی حالانکہ نامۂ مبارک میں صراحت تھی کہ مجھکو تیری سلطنت و حکومت سے کچھ سروکار نہیں اسلام اور ہوس ملک گیری تو دو متضاد چیزیں ہیں۔ اسلام قبول کرلے کہ یہی سعادتِ دارین اور نجاتِ ابدی کا راستہ ہے۔ مگر بقول شاعر ع

تہیدستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل

ہوذہ اس سعادت سے محروم رہا۔ اور جب آپ فتح مکہ سے فارغ ہو کر مدینہ واپس تشریف لائے تو بذریعۂ وحی آپ کو اطلاع ملی کہ ہوذہ اسی حالتِ محرومی میں دنیا سے گذر گیا۔

اور ۱۰ھ ہجری میں اسی کے قبیلہ بنی حنیفہ کی ایک بڑی جماعت قبیلہ کی جانب سے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی اور اُسنے نیازمندی اور قبول اسلام کا اظہار کیا۔ اور خلافتِ صدیقی میں جب مسیلمہ کے دعوئے نبوت کا خاتمہ ہو گیا تو قبیلہ کے باقی آدمی بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے اور یمامہ بھی ایرانی طاقت سے نکل کر اسلامی خلافت کا ایک جزو بنگیا۔

سیرۃِ حلبیہ میں ہوذہ کی وفات اور مسیلمہ کے انجام کے متعلق جو روایت نقل کی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

فلما انصرف رسول الله صلے الله عليه وآله وسلم عن الفتح جاءه جبرئيل عليه السلام فاخبره بان هوذة قد مات فقال صلے الله عليه وآله وسلم اما ان اليمامة سيخرج بها كذاب يتنبأ يقتل بعدي الخ

جب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فتح مکہ سے فارغ ہوئے تو جبرئیل امین (علیہ السلام) نے آکر ہوذہ والی یمامہ کی وفات کی اطلاع دی۔ آپ نے صحابہ سے اس امر کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ عنقریب یمامہ سے ایک کذاب دعوئے نبوت کرے گا (مسیلمہ) مگر آخر کار میرے بعد قتل کیا جائیگا۔

حافظ ابن قیم زاد المعاد میں نقل کرتے ہیں کہ بعض اصحابِ سیر کا خیال ہے کہ حضرت سلیط ہوذہ اور ثمامہ ہر دو رئیسانِ قوم کے پاس دعوتِ اسلام لیکر گئے تھے بعض روایات میں ہے کہ ہوذہ کے دربار میں دمشق کا ایک نصرانی عالم تھا۔ ہوذہ کو اس کے ساتھ مذہبی اعتقاد تھا۔ ہوذہ نے اس کے سامنے تمام قصّہ بیان کیا۔ اور مشورہ لیا کہ مجھکو اس نبی کی اطاعت کرلینی چاہیئے یا نہیں۔ نصرانی عالم نے کہا کہ کتبِ سابقہ کی روایات بتاتی ہیں کہ یہ وہی نبی ہے جس کی بشارت ہم کو حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

دی ہے تم کو ضرور اس کی اطاعت کر لینی چاہیئے۔ لیکن ہوذہ کی بدقسمتی دیکھئے کہ سب حقیقت حال واضح ہو جانے کے بعد بھی دولتِ ایمان سے محروم رہا اور غرورِ حکومت نے خدا کے سچے پیغمبر کی اطاعت سے بے بہرہ رکھا۔ کاش کہ وہ یہ سمجھتا کہ اس ہادی برحق کی اطاعت حصولِ سعادتِ دینی کے ساتھ ساتھ میری دنیوی شوکت و حشمت کو بھی چار چاند لگا دے گی!

ساتواں پیغام حارث بن ابی شمر غسانی شاہِ دمشق کے نام

شام

شام اس قطعۂ زمین کا نام ہے جو شمال میں ٹرکی، جنوب میں عرب، مشرق میں عراق، مغرب میں بحرِ روم کے درمیان واقع ہے۔ بیت المقدس، فلسطین، بصرےٰ (حوران)، اور دمشق، اس کے مشہور شہر ہیں۔ دوسری صدی عیسوی کے آخر میں یہاں عربی نسل کا ایک خاندان سکونت پذیر ہوا جسکو "آلِ غسان" یا "آلِ جفنہ" کہتے ہیں۔ اس سے قبل چونکہ یہ قبیلہ سرزمین تہامہ میں نہرِ غسان کے کنارہ آباد تھا اس لئے اسکو "غسانی" کہتے ہیں۔ اور اپنے مورثِ اعلیٰ کے نام پر آلِ جفنہ کہلاتے ہیں۔ تقریباً پانچسو سال ان کی حکومت شام پر رہی ہے۔ بصرےٰ وہ مشہور شہر ہے جس کا ذکر اس سے قبل بھی آچکا ہے اور جہاں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ملاقات بحیرا راہب سے ہوئی"

سلہ اٹلس عربی ۱۲

اس حکومت کا دارالسلطنت تھا، لیکن آپ کے زمانہ میں اس حکومت کے چند حصّے ہو گئے اور ہر ایک حصّہ پر غسانی خاندان کے بادشاہ ہی حکمرانی کرتے تھے۔ حاکم بصرے بُصرائے میں اور حارث بن ابی شمر دمشق میں اور جبلہ بن ایہم شام کے تیسرے حصّہ میں حکومت کرتے تھے۔

حارث بن ابی شمر

سنہ ۶۱۶ء سے سنہ ۶۲۴ء تک کے اس زمانہ میں" جبکہ رومی حکومت ایرانیوں سے اپنے شکست خوردہ مقامات واپس لے رہی تھی" غسانیوں میں ایک شجاع اور جری بادشاہ حارث بن ابی شمر ہوا ہے جس نے رومی سلطنت کے اقتدار کے لئے بہت بڑی جدوجہد کی اور اس سے قبل بھی قیصر کی حکومت کا اقتدار انہی غسانیوں کا مرہون منت رہا ہے اس لئے رومی حکومت کے زیرِ سیادت شام کے ملک کی حکمبرداری بڑی شان و شوکت کے ساتھ انہی کے ہاتھوں میں تھی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جیب حضرت دحیہ کو قیصر کے پاس روانہ فرمایا تھا اُسی زمانہ (سنہ ۶ھ مطابق سنہ ۶۲۹ء) میں حضرت شجاع بن وہبؓ کو حارث کے پاس دعوتِ اسلام دیکر بھیجا۔ حارث کا دارالسلطنت دمشق تھا اور وہ دمشق کے مشہور حصہ "غوطہ" میں رہتا تھا۔ شجاع بن وہب نامہ مبارک لیکر روانہ ہوئے تو اُن کو راہ میں معلوم ہوا کہ حارث اس وقت اگرچہ دمشق ہی میں مقیم ہے مگر چونکہ قیصر فتح کی خوشی میں حمص ہوتا ہوا بیت المقدس جارہا ہے اس لئے اس کی رسد وغیرہ کے انتظامات میں مصروف [1] ہے۔ شجاع بن وہب

---

[1] نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حارث کے پاس مستقل سفارت اس لئے روانہ فرمائی کہ صفحاتِ گذشتہ کو معلوم ہو چکا ہے کہ حارث اگرچہ قیصر روم کے زیرِ سیادت حکمران تھا لیکن اپنے عربی نژاد اور پُر شکوت ہونے کی وجہ سے مستقل بادشاہ رہتا تھا۔

یہ حال سُنکر دمشق پہنچے اور وہاں چند روز اس لئے قیام کیا کہ جب حارث کو فرصت ہو تو نامۂ مبارک اس تک پہنچائیں۔

چند روز کے قیام سے حضرت شجاع کی حارث کے ایک حاجب سے ملاقات ہوگئی یہ شخص رومی نسل سے تھا اور اس کا نام "مُری" تھا اُس نے ان سے یہاں آنے کی وجہ دریافت کی اور شجاع نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ مُری نے کہا کہ ابھی چند روز اور قیام کرو وقتِ مناسب پر تم کو پیش کر دیا جائے گا۔

شجاع کہتے ہیں کہ مُری کے ساتھ چونکہ میری بے تکلفی ہوگئی اس لئے اُس نے ایک روز مجھسے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے تفصیلی حالات دریافت کئے۔ میں نے تمام حالات اور آپ کی دعوتِ اسلام کی حقیقت کو اچھی طرح اس کے دلنشین کر دیا۔ حالات سُنکر اُسپر رقّت طاری ہوگئی اور کہنے لگا "جو کچھ تم نے بیان کیا ہے انجیل میں یہی حالات اُس آنے والے پیغمبر کے پائے جاتے ہیں جس کا ہم کو انتظار ہے۔ میں اُس پیغمبر پر ایمان لاتا ہوں اور اُس کے تمام احکام کی صدقِ دل سے تصدیق کرتا ہوں اشہدان لا الٰہ الا اللہ واشہدان محمداً عبدہ ورسولہ" اور پھر کہنے لگا کہ تم میرے اسلام لانے کا واقعہ کسی سے ہرگز ہرگز بیان نہ کرنا۔ اس لئے کہ مجھے خوف ہے کہ اگر حارث کو اس کا حال معلوم ہوگیا تو وہ مجھکو قتل کرا دے گا؛ حالانکہ وہ میری بہت عزت کرتا ہے اور مجھ کو اُس کے مزاج میں بہت زیادہ دخل ہے۔

ایک روز حارث نے دمشق میں بہت شان کے ساتھ دربار کیا۔ اُس وقت حاجب نے اُس سے میرا تذکرہ کیا اور اُس نے مجکو دربار میں بلایا۔ میں نے اُس کو نامۂ مبارک دیا اور اس نے ترجمان کو دیکر پڑھنے کا حکم دیا۔ نامۂ مبارک کے الفاظ

یہ ہیں۔

نامۂ مبارک بنام حارث بن ابی شمر حاکمِ دمشق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے یہ خط اللہ کے
من محمد رسول اللہ الی الحارث	رسول محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ہے
بن ابی شمر، سلام علی من	حارث بن ابی شمر کے نام۔ جو ہدایت کا پیرو ہو
اتبع الھدیٰ و اٰمن بہ وصدق	اسپر ایمان رکھتا ہو اور اسکی تصدیق کرتا ہو اسپر
وانی ادعوک ان تؤمن	سلام میں تجھکو دعوت دیتا ہوں کہ اس بات پر
باللہ وحدہ لاشریک	ایمان لے آ کہ اللہ ہی پرستش کے لائق ہے
لہ یبقی لک	اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ تیرا ملک تیرے
ملکک	پاس محفوظ رہے گا۔

حارث نے نامۂ مبارک سُنا تو بہت خفا ہوا اور کہنے لگا کہ کس کی مجال ہے کہ میرے ملک کی طرف نگاہ اُٹھائے۔ میں خود اُس شخص کا مقابلہ کروں گا اور اگر یمن میں بھی جاکر چھپا تو برسرِ عام گرفتار کرکے لاؤں گا۔ اور اسی غیظ و غضب میں حکم دیا کہ گھوڑوں کی نعلبندی کردو اور مجھسے کہنے لگا کہ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے یہ تمام ماجرا اپنے نبی کو سنا دینا۔ اور اُسی وقت قیصر کو خط لکھا جس میں اس تمام واقعہ کا ذکر کرکے نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی اجازت طلب کی۔ قیصر کا جواب آیا کہ فی الحال اس ارادہ کو ترک کردو اور میرے قیام بیت المقدس کی مصروفیت میں مصروف رہو۔ قیصر کے جواب آنے پر حارث نے مجکو بُلایا اور دریافت کیا کہ واپسی کا کبتک قصد ہے؟ میں نے کہا کہ کل ارادہ ہے۔ حارث نے حکم دیا کہ اس کو سو مثقال سونا

دیگر یہاں سے رخصت کردو۔ حارث سے رخصت ہوکر جب واپس آیا تو اسکے حاجب "مُری" نے اصرار کیا کہ میرے مکان پر چلو۔ میں اُس کے ساتھ اُس کے مکان پر پہنچا تو اُس نے مجھکو کچھ پارچات اور زادِ راہ دیا اور کہنے لگا کہ نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں میرا سلام عرض کرنا۔ میں حمص سے رخصت ہوکر مدینہ حاضر خدمت ہوا اور تمام واقعات بارگاہِ نبوت میں عرض کر دیئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مُری نے جو کچھ کہا سچ کہا اور وہ مومنِ صادق ہے۔ اور حارث عنقریب دیکھ لے گا کہ جس حکومت کے غرور پر اُس نے خدا کے پسندیدہ مذہب کو رد کر دیا وہ باقی رہنے والی نہیں ہے۔

زوالِ حکومتِ شام

حارث[۵۱] اگرچہ اس وقت قیصر کے حکم سے مسلمانوں کے مقابلہ سے باز آگیا تھا لیکن فتح مکہ کے بعد ہی غسانیوں نے قیصر کی سیادت میں مسلمانوں سے جنگ کا ارادہ کیا اور غزوۂ موتہ اور تبوک کے واقعات اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ آخر سنہ ۱۴ھ مطابق سنہ ۶۳۶ء خلافتِ فاروقی میں شام پر پیہم حملے ہوئے اور چند ہی ماہ میں حکومتِ غسانی کا خاتمہ ہوگیا۔

صفحاتِ گذشتہ میں ان چھ بادشاہوں کا مفصل ذکر ہوچکا جن کے نام محرم سنہ ۷ھ میں دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں پیغامات روانہ کئے گئے ہیں۔ اور اسی ضمن میں ہرمزان اور ضغاطر کے نام جو پیغامات اسلام بھیجے گئے ان کا بھی تذکرہ آگیا ہے۔

اور انہی واقعات میں یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو پیغامات بسلسلۂ دعوتِ اسلام سنہ ۷ ہجری میں روانہ فرمائے ہیں وہ صرف

---

[۵۱] حارث ناکام و نامراد سنہ ۸ھ میں مرگیا ۱۲ ابن سعد

انھی افراد میں محدود نہیں ہیں جنکا ذکر آچکا ہے بلکہ اور چند بادشاہوں کے نام بھی دعوتِ اسلام دیگئی ہے نیز ۷ھ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ اس کے بعد بھی مختلف زمانوں میں یہ سلسلہ جاری رہا ہے۔ پس مناسب ہے کہ ان کو بھی ذکر کر دیا جائے

آٹھواں پیغام جبلہ بن ایہم غسّانی شاہ شام کے نام

۸ ہجری

جبلہ بن ایہم

ملکِ شام کی تاریخ کا جو تعلق غسانی قبیلہ سے ہے اُس کا مختصر حال گذشتہ صفحات میں معلوم ہو چکا ہے اس حکومت کا ایک تاجدار جبلہ بن ایہم بھی ہے۔ ابنِ سعد کی روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے نام بھی ۸ھ میں اسلام کا پیغام بھیجا اور جبلہ بن ایہم برضا ورغبت مشرف باسلام ہو گیا۔ اور اپنے قبولِ اسلام کی اطلاع بارگاہِ نبوت میں بھیجی اور ہدایا بھی روانہ کئے۔[۱] جبلہ اسی حالت پر قایم رہا حتیٰ کہ خلافتِ فاروقی کا زمانہ آیا۔ اتفاق سے دمشق کے بازار میں جبلہ گذر رہا تھا کہ دفعتًا اس کا پیر ایک مزنی شخص کے اوپر جا پڑا مزنی نے ایک طمانچہ مار دیا۔ معاملہ حضرت ابو عبیدہ رضؓ تک پہنچا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ قصاص لیا جائے اور جبلہ بھی مزنی شخص کے طمانچہ مارے۔ جبلہ کو یہ ناگوار گذرا اور کہنے لگا کیا اس کو قتل نہ کیا جائے گا؟ حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے فرمایا کہ نہیں، جبلہ نے کہا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتے۔ حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ جبلہ نے کہا کہ ایک

---

[۱] بعض اصحابِ سیر کا خیال ہے کہ اس سفارت کی خدمت بھی حضرت شجاع بن وہب ہی کی سپرد کی گئی تھی

سے معمولی آدمی اور بادشاہ کے درمیان کوئی فرق نہیں؟ حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا کہ اسلامی احکام میں بادشاہ و فقیر دونوں برابر ہیں۔ جو جرم اس نے کیا ہے تم بھی اسی جرم کی مقدار پر سزا دے سکتے ہو۔ جبلہ اسوقت خاموش رہا اور پوشیدہ بھاگ کر روم چلا گیا اور وہاں جا کر نصرانی ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اُس کی اس حرکت پر بیحد افسوس کیا۔

اور سیرت حلبیّہ میں ہے کہ جب شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ جبلہ بن ایہم کے دربار میں پہنچے تو اس کو نامۂ مبارک دیکر یہ تقریر فرمائی۔

بادشاہ! تیری قوم (انصار) نے اس پیغمبر (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان کے اصلی وطن (مکہ) سے بلا کر اپنے وطن (مدینہ) میں عزت و احترام کے ساتھ پناہ دی اور ان کی ہر طرح حمایت کی۔ بادشاہ! یہ عیسوی مذہب تیرے آبا و اجداد کا مذہب نہیں ہے[1] شام کی حکومت اور رومیوں کے قرب نے تجکو مذہب عیسوی کی طرف مائل کر دیا۔ یہی حکومت اگر تجکو کسریٰ کے زیر اثر ملجاتی تو تجھکو پارسی مذہب کیطرف مائل کر دیتی۔ اگر تو مسلمان ہو جائے تو یہی ملکِ شام بلاشرکتِ غیر تیرا ہے اور کل شامی تیری ہیبت سے مطیع اور رومی تیرے دبدبہ سے مرعوب ہو جائیں۔

بادشاہ! اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ تیرے اسلام قبول کرنے سے یہ ملک تیرے قبضۂ اقتدار سے نکل جائے گا تب بھی اس کے عوض اسلام کی دولت ارزاں ہے یہ آخرت کا بہترین تحفہ ہے۔

---

[1] حضرت شجاع نے یہ اس لئے کہا کہ صفحاتِ گذشتہ میں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ خاندان "غسانی" عرب ہی کی شاخ تھا اور انصارِ مدینہ سے ان کا نسبی تعلق تھا ۱۲

اور دنیا میں بھی" کلیسا" کے مقابلہ میں" مساجد" ناقوس" کے بدلے" اذان" اور" شعائر" کی عوض جمعہ اور عیدین" جیسی بابرکت چیزیں تجھکو نصیب ہونگی۔ اور خدا کے پاس جو اس کا اجر ہے وہ تو بے نہایت ہے۔

جبلہ نے بغور حضرت شجاع کی تقریر کو سُنا اور پھر یوں گویا ہوا۔

خدا کی قسم میرا دل اس بات کا بجد متمنی ہے کہ عرب کے اس نبی امّی کی نبوت کو سب اس طرح تسلیم کرلیں جس طرح کہ رب السموات والارض کی الوہیت پر سب متفق ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر بےحد مسرت ہوئی کہ میری قوم (انصار) نے ان کو بخوشی نبی تسلیم کر لیا۔ مجھ کو قیصر روم نے جنگ موتہ میں شرکت کی دعوت دی تھی میں نے اس میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا۔

لیکن میں حق و باطل کی اس دعوت کے متعلق ابھی کوئی آخری فیصلہ نہیں کر سکا ابھی مجکو مزید غور و فکر کی ضرورت ہے۔

لیکن تمام ارباب سیر ان دونوں روایات سے مختلف اس واقعہ کو اس طرح نقل کرتے ہیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب جبلہ کے پاس شجاع بن وہب اسدی کو بھیجا تو وہ بھی حارث کی طرح ناراض ہوا اور رومیوں کے ساتھ ملکر آمادہ جنگ ہوا۔ موتہ اور تبوک میں معاملہ چونکہ غیر منفصل رہا اس لئے خلافت فاروقی ۱۴ھ مطابق ۶۳۶ء میں شام پر مسلسل حملے ہوئے اور تمام حدود شام مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے۔ اُس وقت جبلہ نے مطلع ہو کر اسلام کو قبول کیا اور نہایت شان و شکوہ سے مدینہ طیبہ پہنچا۔ فاروق اعظم نے اُس کی بہت مدارات کی اور اُسکا نہایت اعزاز و احترام کیا۔

اتفاق وقت کہ موسمِ حج میں جبلہ طواف میں مشغول تھا کہ اُس کی چادر کا گوشہ ایک بدوی کے پیر کے نیچے دب گیا۔ جبلہ کو سخت غصہ آیا اور بدوی کے ایک طمانچہ مار دیا۔ بدوی نے دربارِ خلافت میں فریاد کی۔ حضرت عمرؓ نے جبلہ سے کہا کہ تم کو اس کا قصاص دینا ہوگا۔ جبلہ نے کہا کہ میں بادشاہ اور یہ ایک گنوار۔ کیا دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں اور آپ کے نزدیک بادشاہ کی کوئی عزت نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں اسلام میں شاہ و گدا میں کوئی تمیز نہیں تم کو قصاص ضرور دینا ہوگا۔ یہ سنکر جبلہ نے ایک روز کی مہلت مانگی اور شب میں چھپکر شام کو بھاگ گیا اور وہاں سے قسطنطنیہ چلا گیا اور وہاں جاکر نصرانی ہوگیا۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو اس کی جہالت پر سخت افسوس کیا۔ مگر قسطنطنیہ جاکر جبلہ اپنے کئے پر پشیمان ہوا اور عمر بھر اِس پشیمانی میں بسر کی مگر سعادتِ اسلام سے محروم رہا۔

الغرض تمام روایات میں یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ تبوک اور موتہ میں تمام عیسائی طاقتیں متفق تھیں اور آمادۂ پیکار۔ البتہ اس کے بعد بعض سلاطین کے قلوب میں اسلام کی روشنی جلوہ گر ہوئی اور وہ عہدِ فاروقی میں مشرف باسلام ہوگئے۔[1]

نواں پیغام منذر بن ساویٰ حاکمِ بحرین کے نام

۸ھ ہجری

بحرین

عروض" جو عرب کے پانچ قطعوں میں سے ایک قطعہ ہے" اس کے مشہور صوبہ

---

[1] لیکن یہ واضح رہے کہ ۸ھ میں غسانی بادشاہ نہیں لیکن اکثر اہل غسان حاضرِ دربارِ قدسی ہوکر مشرف باسلام ہوگئے ہیں

میں سے ایک صوبہ بحرین ہے اس کا دوسرا نام "الاحسار" ہے۔ بحرین ساحل پر واقع ہے جس کے حدود اربعہ یہ ہیں۔

شمال میں عراق۔ جنوب میں عمّان۔ مشرق میں خلیج فارس۔ مغرب میں یمامہ۔

یہ جگہ موتیوں کی کان ہے جہاں ہزاروں کشتیاں اور غوّاص موتی نکالتے رہتے ہیں چھٹی صدی عیسوی میں بحرین ایرانی حکومت کے زیرِ اقتدار تھا اور "مناذرہ" یعنی "آلِ منذر" جو حیرہ اور اطرافِ عراق پر ایرانیوں کی جانب سے حکمراں تھے یہاں کے بھی حاکم (گورنر) تھے۔ قرامطہ جو باوجود ادّعاءِ اسلام کے مجوسیت کے اکثر عقائد کو شامل کرکے ملحدانہ عقائد کے پیرو تھے اور جن کا فتنہ تاریخِ اسلام میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ان کی حکومت کا مرکز یہی "بحرین" تھا۔

منذر بن ساوی

۸ھ میں جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جعرّانہ[۱] سے واپس تشریف لائے تو بحرین کے حاکم کے پاس پیغامِ اسلام بھیجا۔ اس وقت بحرین کا گورنر "مناذرہ" میں سے "منذر بن ساوے" تھا۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مبارک سفارت پر حضرت علاء[۲] بن حضرمی کو مامور فرمایا اور معیّت کے لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھی انتخاب فرمایا۔ حضرت علاء نامۂ مبارک لیکر بحرین پہنچے اور منذر کے حوالہ کردیا۔ منذر نے نامۂ مبارک

---

[۱] جعرّانہ مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے جہاں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے مالِ غنیمت اور قیدیوں کو محفوظ رکھا تھا اور یہیں سے شب میں مکہ جاکر عمرہ ادا کیا اور شب ہی میں واپس تشریف لے آئے ۱۲

[۲] حضرت علاء کی ولدیت میں سخت اختلاف ہے بعض ان کو عبداللہ بن عباد کہتے ہیں اور بعض ابن عمّار بعض کے نزدیک ابن الضمار صحیح ہے اور بعض کے نزدیک ابو عمیرہ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۵۰۴)

ترجمان کو دیا اور ترجمان نے پڑھ کر سنایا۔ منذر نامۂ مبارک کا مضمون سنکر بیحد خوش ہوا اور حضرت علاء کو عزت و احترام کے ساتھ مہمان رکھا۔ جب حضرت علاء رخصت ہونے لگے تو منذر نے نامۂ مبارک کا جواب لکھا۔ ابنِ سعد نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وبعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منصرفہ من الجعرانۃ العلاء بن الحضرمی الی منذر بن ساوی العبدی وھو بالبحرین یدعوہ الی الاسلام وکتب الیہ کتابا فکتب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باسلامہ وتصدیقہ وانی قرأتُ کتابک علی اھل البحرین فمنھم من احب الاسلام واعجبہ ودخل فیہ ومنھم من کرھہ وبارضی مجوس ویھود فاحدث الیَّ فی ذلک امرک۔

اور جعرانہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علاء بن حضرمی کو منذر بن ساوی شاہِ بحرین کے پاس نامۂ مبارک دیکر بھیجا جس میں اُس کو دعوتِ اسلام دی گئی تھی۔ منذر نے نامۂ مبارک کے جواب میں نامہ لکھا جس میں آپکی تصدیق اور قبولِ اسلام کا ذکر تھا اور لکھا تھا یا رسول اللہ آپ کا نامہ مبارک پہنچا میں اس سے قبل وہ خط بھی دیکھ چکا ہوں جو آپنے دعوتِ اسلام کے لئے اہلِ بحرین کے نام روانہ فرمایا تھا۔ میں برضا و رغبت اسلام قبول کرتا ہوں۔ اہلِ بحرین میں سے بعض نے اسلام کو بہت پسند کیا اور محبوب جانا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ اور بعض کفر پر قائم ہیں میری سرزمین میں مجوسی "پارسی" اور یہودی آباد ہیں میری خواہش ہے کہ آپ تحریر فرمائیں کہ میں اُنکے ساتھ کس قسم کا معاملہ کروں۔

ابن نافع کا خیال ہے کہ منذر مسلمان ہونے کے بعد خدمتِ اقدس صلی اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر زیارت سے مشرف ہوا ہے اس لئے اس کو صحابہ کی فہرست ہی میں شمار کرنا چاہیئے لیکن ابو الربیع کہتے ہیں کہ یہ قطعاً صحیح نہیں ہے منذر نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھا ہے اور نہ وہ مدینہ طیبہ میں

حاضر ہوئے ہیں اور یہی تحقیق صحیح و درست ہے۔

غرض منذر اور اُس کی قوم کا بیشتر حصہ مسلمان ہوگیا اور نورِ اسلام کی شعائیں اُن کے دلوں میں جلوہ افروز ہو کر انکی سعادتِ دارین کا باعث ہوئیں۔

حضرت علاء و حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دربارِ قدسی میں حاضر ہوئے اور منذر کا خط پیش کیا۔ آپ نے اُس کو دعاءِ برکت دی اور اُس کے خط کے جواب میں چند نصائح تحریر فرمائیں۔ اُس نامۂ مبارک کا مضمون یہ ہے۔

اما بعد فان رسلی قد حمدوك و	بعد حمد و صلوٰۃ۔ میرے قاصدوں نے تمہارے
انك مهما تصلح اصلح اليك و	طرزِ عمل کی بہت تعریف کی جس طریقہ کو تم پسند
اثبتك على عملك و تنصح لله و	کرو مجھکو وہی طریقہ پسند ہے۔ اور میں تم کو تمہاری
لرسوله والسلام علیك (طبقات ابن سعد۔ استیعاب	حکومت پر اسی طرح قائم رکھتا ہوں اور تو اللہ
جلد ۲ صفحہ ۵۱۶) اصابہ جلد نہم	اور اس کے رسول کے لئے خیر خواہ رہ والسلام

اور بعض کتبِ سیر میں تفصیل کے ساتھ اس نامۂ مبارک کی عبارت اس طرح مذکور ہے

بسم الله الرحمٰن الرحيم۔ من	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط ہے محمد کی جانب سے
محمد رسول الله الى المنذر بن	جو اللہ کا پیغمبر ہے۔ منذر بن ساوی کے نام۔ تجھپر
ساوی السلام علیك فانی احمد	خدا کی سلامتی ہو میں اُس خدا کی حمد کرتا ہوں
الله الیك الذی لا اله الا هو و اشهد	جو یکتا ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں اور میں
ان لا اله الا الله ......و ان محمدا	خدا کی یکتائی اور محمد کی رسالت کی گواہی
عبده و رسوله اما بعد فانی اذكرك	دیتا ہوں۔ بعد حمد و صلوٰۃ میں تمکو خدا کی یاد
الله عز و جل فانه من ینصح انما ینصح	دلاتا ہوں اس لئے کہ جو نصیحت قبول کرتا ہے وہ اپنے ہی کو فائدہ پہنچاتا ہے

ابوہریرہ رضی اللہ عنہا کو بھیجا اور ایک خط منذر اور ایک خط علاء کے نام تحریر فرمایا حضرت علاء کے خط میں بھی زکوٰۃ۔ صدقات اور جزیہ کے جلد بھیجنے کے متعلق احکام تھے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ان ہر سہ نامہائے مبارک کو حضرت اُبیّ بن کعب نے تحریر فرمایا تھا۔ (ابن سعد)

دسواں پیغام ہلال ابنِ اُمیّہ رئیسِ بحرین کے نام

۸ ہجری

بحرین کے ایک اور سردار ہلال ابنِ اُمیّہ کے نام بھی آپ نے اسلام کا پیغام بھیجا تھا۔ نامۂ مبارک کی عبارت یہ ہے۔

(نامۂ مبارک بنام ہلال بن اُمیّہ رئیسِ بحرین)

سلمٌ انت فانی احمد الیک اللہ	تجھپر سلامتی ہو۔ میں تجھکو اُس خدا کی حمد سناتا ہوں
الذی لا الٰہ الا ھو لا شریک لہٗ	جو یکتا ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں، اور
وادعوک الی اللہ وحدہٗ	تجھکو خدائے واحد کی طرف بُلاتا ہوں۔ تو اُسپر
تؤمن باللہ وتطیع و تدخل	ایمان لے آ اور اُس کی اطاعت کر اور جماعت
فی الجماعۃ فانہ	اسلام میں داخل ہو جا اس لئے کہ تیرے لئے
خیرلک والسلام علی	یہی بہترین راہ ہے۔ سلامتی ہو اُسپر جو پیروی
من اتبع الھدیٰ	کرے ہدایت کی۔

معلوم نہیں کہ ہلال نے اس نامۂ مبارک کا کیا جواب دیا اور اسلام قبول کیا یا نہیں۔

امیرِ بصرے کے نام پیغامِ اسلام

۸ ہجری

گذشتہ واقعات میں حکومتِ شام کی تاریخ اور حاکمِ بصرے کا قیصرِ روم کی حکومت سے تعلق کا حال مفصل معلوم ہو چکا ہے۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت حارث بنِ عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو امیرِ بصرے کے پاس بھی اسلام کا دعوت نامہ دے کر بھیجا تھا۔ حضرت حارث اس مبارک سفارت کی تعمیل میں شام کے مشہور خطہ بلقار کے قصبہ "موتہ" تک ہی پہنچے تھے کہ غسانیوں میں سے ایک شخص شرحبیل بن عمرو نے ان کی راہ روک کر سوال کیا کہ کہاں کا قصد ہے انھوں نے فرمایا "بصرے" علاقۂ شام کا۔ شرحبیل نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تو محمد (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے قاصدوں میں سے ہے۔ حضرت حارث نے فرمایا بیشک انہی کے قاصدوں میں سے ایک قاصد ہوں۔

بدنصیب شرحبیل نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو پکڑو اور قتل کر ڈالو۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں میں سے یہی پہلے قاصد ہیں جنھوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ حضرت حارث کی شہادت کی خبر مدینہ پہنچی تو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو بےحد صدمہ ہوا اور آپ پر اور تمام مسلمانوں کے دلوں پر ان کی سفارت کا رنج والم عرصۂ دراز تک باقی رہا۔

گیارہواں پیغام جیفر بن جلندی حاکمِ عمّان کے نام

۸ ہجری

عمّان

قطعاتِ عرب میں ایک قطعہ کا نام عمّان ہے جو عروض کا صوبہ سمجھا جاتا ہے اور بحرِ عمان پر واقع ہے جو خلیج فارس کے قریب تھوڑے سے فاصلہ پر ہے۔ اسلام سے پہلے یہاں قبیلۂ اسد "ازد" کی ایک شاخ آباد تھی۔ اب یہاں خارجیوں کی حکومت ہے جس کا دارالحکومت مسقط ہے۔ یہ خطہ موتیوں اور میوہ جات کے لئے بہت مشہور ہے اور نہایت سرسبز و شاداب ہے۔ عروجِ اسلام کے زمانہ میں یہاں کا حاکم جیفر بن جلندی تھا اور اُس کا بھائی عبد بھی بعض حصص پر اس کی جانب سے نیابت کرتا تھا۔ یہ دونوں "ازد" کے ہی قبیلہ سے تھے۔

دعوتِ اسلام

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں بھائیوں کو بھی ذیقعدہ ۸ھ میں اسلام کا پیغام بھیجا اور حضرت عمرو بن العاصؓ فاتحِ مصر کو سفارت پر متعین فرمایا۔ عمرو بن العاصؓ کا بیان ہے کہ میں عمّان پہنچا اور سب سے پہلے عبد سے ملاقات کی اس لئے کہ وہ اپنے بھائی کی نسبت زیادہ خلیق اور نرم تھا۔ اُس سے کہا کہ میں رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں اور تم کو اور تمہارے بھائی شاہِ عمان کو اسلام کی دعوت کا پیغام لیکر آیا ہوں۔ عبد نے کہا کہ میرا بھائی جیفر مجھ سے عمر میں بڑا بھی ہے اور بادشاہ بھی ہے وہ زیادہ مستحق ہے کہ اُس کے سامنے اس معاملہ کو پیش کیا جائے میں

اُن سے بہت جلد تمہاری ملاقات کرادونگا۔

اس کے بعد میرے اور عبد کے درمیان اسطرح گفتگو شروع ہوئی۔

عبد، عمرو! یہ تو بتاؤ کہ تم کس چیز کی طرف ہم کو بلاتے ہو؟

عمرو، خدا کو ایک جانو اور اس کا شریک نہ بناؤ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو خدا کا بندہ اور رسول سمجھو یہی دو شہادتیں ہیں جو اسلام کی تعلیم کا خلاصہ ہیں۔

عبد، عمرو! تیرا باپ سردارِ قوم ہے اس کا عمل ہمارے لئے نمونہ ہو سکتا ہے بتا کہ اُس نے کیا طریقہ اختیار کیا؟

عمرو، وہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لایا اور اسی حالت میں مر گیا کاش وہ خدا کے برگزیدہ رسول پر ایمان لاتا اور ان کی صداقت کا اقرار کرتا۔

میں بھی عرصہ تک باپ کی رائے پر قائم رہا۔ آخر خدا نے فضل کیا اور مجھے اسلام کی دولت دی۔

عبد، تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو کب سے ہو گئے؟

عمرو، بہت تھوڑا عرصہ ہوا۔[1]

عبد، کس جگہ؟

عمرو، نجاشی کے دربار میں۔ نجاشی خود بھی مشرف باسلام ہو گیا

عبد، اس کی رعایا نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

عمرو، اب وہ بھی مسلمان ہو گئے اور نجاشی کو ہی اپنا بادشاہ قائم رکھا۔

عبد، کیا پادری اور بشپ بھی مسلمان ہو گئے؟

---

[1] ۵ سنہ ھ میں مشرف باسلام ہوئے ۱۲

عمرو، ہاں اکثر مسلمان ہو گئے۔
عبد، عمرو جو کچھ کہو سوچ کر کہو دیکھو جھوٹ سے زیادہ رسوا کن کوئی دوسری چیز نہیں۔
عمرو، میں نے جھوٹ ہرگز نہیں بولا۔ اسلام میں جھوٹ بولنا روا نہیں ہے۔
عبد، ہرقل قیصر روم نے نجاشی کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ کیا اسکو یہ سارا حال معلوم ہو گیا؟
عمرو، اس کو سارا حال معلوم ہے۔
عبد، یہ تم کس طرح ایسا کہتے ہو؟
عمرو، نجاشی ہرقل کا باجگزار تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد اس نے خراج دینے سے صاف انکار کر دیا۔ ہرقل تک یہ بات پہنچی تو اس کے بھائی نیاق نے کہا حضور دیکھئے آپ کا ایک غلام اور آپ کو خراج دینے سے انکار کرے؟ اور اس نے حضور کے دین کو بھی ترک کر دیا۔ ہرقل نے کہا کہ پھر کیا ہوا۔ اس نے ایک دین کو پسند کر کے قبول کر لیا مجھے اس سے کیا سروکار۔ بخدا اگر شاہنشاہی کی پرواہ نہ ہوتی تو میں بھی وہی کرتا جو نجاشی نے کیا۔
عبد، عمرو، یہ کیا کہہ رہے ہو؟
عمرو، خدا کی قسم بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔
عبد، اچھا تمہارا پیغمبر کن چیزوں کا حکم کرتا ہے اور کن چیزوں سے باز رکھتا ہے۔
عمرو، اللہ تعالیٰ کی طاعت کا حکم کرتے ہیں اور معصیت، زنا، شراب نوشی، پتھر، بت اور صلیب کی پرستش سے روکتے ہیں۔
عبد، کیسے پیارے احکام ہیں کاش میرا بھائی اس کا دین قبول کرلے۔ اور میں اور وہ دونوں محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوں اور ایمان

سے آئیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر میرے بھائی نے انکار کیا اور اس کا دین قبول نہ کیا تو وہ اپنے ملک کو بھی نقصان پہنچائے گا اور دین کو بھی۔

عمرو، اگر وہ اسلام قبول کرے گا تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس کا ملک اسی کے پاس باقی رہنے دیں گے۔ البتہ یہ ضرور کرینگے کہ یہاں کے اغنیاء سے صدقہ وصول کر کے یہاں کے فقراء پر تقسیم کرا دینگے۔

عبد، یہ تو اچھی بات ہے مگر صدقہ سے تمہاری کیا مراد ہے۔

عمرو بن عاص، میں نے زکوٰۃ کے تمام مسائل بتائے۔

بالآخر چند روز میں نے اسی کے پاس قیام کیا۔ اور ایک روز اس نے مجکو جیفر کے دربار تک پہنچا دیا۔ میں نے اس کو نامہ مبارک دیا۔ اُس نے نامۂ مبارک کی مُہر توڑی اور اُس کو پڑھا پڑھنے کے بعد اپنے بھائی عبد کو دیدیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ عبد اپنے بھائی کی بہ نسبت زیادہ متأثر تھا۔ خط پڑھنے کے بعد مجھسے کہنے لگا۔ قریش کا کیا حال ہے؟ میں نے جواب دیا کہ سب نے اس کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ بادشاہ نے دریافت کیا۔ اس کے ساتھ رہنے والے کس قسم کے آدمی ہیں۔ میں نے کہا کہ جس نے بھی اسلام کو خوشدلی اور انتہائی رغبت سے قبول کر لیا تمام دنیا و علائق دنیا کو چھوڑ کر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا فدا کار بنگیا ہے ہر شخص نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی کافی جانچ کر لی ہے۔

اسپر بادشاہ نے کہا۔ تم مجھسے کل پھر ملنا۔

میں دوسرے روز بادشاہ سے ملنے کے ارادے سے دربار میں آیا تو پہلے اس کے بھائی عبد سے ملا۔ عبد نے کہا کہ اگر ہمارے ملک کو صدمہ نہ پہنچے تو بادشاہ

مسلمان ہوجائے گا۔

یہ سنکر میں بادشاہ کی خدمت میں پہنچا۔

بادشاہ نے جواب دیا کہ میں نے کافی غور و خوض کر لیا" اگر میں ایسے شخص کا مطیع ہو جاؤں جس کی فوج ہمارے ملک تک نہیں پہنچی تو سارا ملک عرب مجھکو کمزور سمجھے گا۔ حالانکہ اگر اس کی فوج اس ملک میں آئے گی تو میں ایسی سخت لڑائی لڑونگا کہ تمہیں کبھی اس سے پہلے کسی کے ساتھ ایسا سابقہ نہ پڑا ہوگا۔

میں نے اس کا یہ روکھا جواب سنکر کہا کہ آپ مجھکو اجازت دیجئے کہ میں کل روانہ ہو جاؤں اور آپ کا جواب بارگاہِ نبوی میں پہونچا دوں۔ اُس وقت جیفر خاموش ہو گیا صبح جب میں نے سفر کی طیاری کرلی تو مجکو دوبارہ بلایا اور دونوں بھائیوں نے بخوشی اسلام قبول کر لیا۔ اور ان الفاظ کے ساتھ میرے سامنے اسلام کا اقرار کیا۔

لقد دلنی علی ھذا النبی الامی	تم نے مجکو ایسے نبی امی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبر
انہ لا یأمر بخیر الا کان اول اخذ	سنائی ہے کہ وہ کسی حکم دینے سے پہلے خود اسکو
بہ ولا ینھیٰ عن شئ الا کان	کرتے ہیں اور کسی شئے کو منع کرنے سے پہلے خود
اول تارکٍ لہ وانہ یَغلَب فلا	اس سے پرہیز کرتے ہیں اگر وہ غالب ہوتے ہیں تو
یبطر ویُغلَب فلا یھجر وانہ یفی	اکڑتے نہیں اور اگر مغلوب ہوتے ہیں تو اپنے مقصد
بالعھد وینجز الوعد	سے باز نہیں رہتے۔ وہ عہد کی وفا کرتے ہیں،
واشھد انہ	وعدہ کے صادق ہیں ۔ میں شہادت دیتا ہوں
نبیؐ	کہ وہ خدا کے پیغمبر ہیں۔

اس کے بعد مفتوحہ علاقہ ہیں میں نے سالیانہ وصول کیا اور رئیسِ عمان نے

اس میں میری پوری مدد کی۔ میں نے رئیسوں اور مالداروں سے وصول کر کے وہیں کے فقراء میں اس مال کو تقسیم کر دیا اور اس سلسلہ میں ایک عرصہ تک وہیں مقیم رہا کہ اچانک وصالِ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خبر پہنچی۔ (ابن سعد)

جیفر نے حضرت عمرو سے اول جو تہدید آمیز باتیں کیں معلوم ہوتا ہے کہ انکی آزمائش مقصود تھی اور وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ واقعی یہ کسی بادشاہ کا قاصد ہے یا پیغمبر نبی کا لیکن جب اُسکو اطمینان ہو گیا کہ یہاں ملک گیری کی ہوس کا معاملہ نہیں ہے تو بخوشی اسلام قبول کر لیا۔

قیصر کے نام دوسرا پیغام

سنہ ۹ ہجری

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ نے خصائص میں نقل کیا ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے آخر زمانۂ حیات میں پھر ایک مرتبہ ہرقل قیصرِ روم کے پاس اسلام[1] کا پیغام بھیجا۔

[1] صحیح ابن حبّان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ تبوک کے زمانہ میں تبوک سے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ سفارت بھیجی تھی۔ حافظ ابن عبد البر نے استیعاب میں اس واقعہ کے تذکرہ میں یہ لکھ دیا کہ "انہ آمن" یعنی قیصر ایمان لے آیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ صاحبِ استیعاب کی مراد یہ ہے کہ اسلام کی تصدیق کا اظہار کیا لیکن اسلام میں چونکہ داخل نہوا اور نصرانیۃ ہی پر قائم رہا اس لئے مسلمان نہیں کہلایا جا سکتا چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ تبوک سے جب آپ نے اس کو اسلام کی دعوت بھیجی تو اس نے جواب دیا کہ "انی مسلم" میں تو مسلمان ہی ہوں۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو فرمایا کذب عدو اللہ واللہ انہ لیس مسلم اور بعض الفاظ میں ہے کذب انہ علی نصرانیۃ یعنی خدا کے دشمن نے جھوٹ بولا وہ ابھی تک نصرانی ہی ہے مسلمان نہیں ہوا۱۲

اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس نامۂ مبارک کو روم کے بادشاہ کے پاس لیجائے گا اس کو جنت کی بشارت ہے۔ حضرت عبید اللہ بن عبد الخالق نے یہ سنکر پیش قدمی کی اور نامۂ مبارک لیکر روم کے دربار میں پہنچے۔ قیصر پر اب بھی حُبِّ سلطنت غالب آئی اور اس نے باوجود آپ کی رسالت و نبوت کے اعتراف کے اسلام میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔

ایک درباری یہ تمام ماجرا دیکھ رہا تھا اس نے عبید اللہ سے خلوت میں ملکر اسلام کے محاسن سُنے اور سیرتِ نبوی کی معلومات حاصل کی اور سب کچھ سننے اور معلوم کر لینے کے بعد مشرف باسلام ہو گیا۔ قیصر کو جب یہ معلوم ہوا تو اس کو قبولِ اسلام سے منع کیا۔ مگر یہ نشہ معمولی نشہ نہ تھا۔ اور یہ خمار اُترنے والا نہ تھا۔ جب قیصر نے دیکھا کہ میری تہدید و تخویف نے کچھ کام نہ کیا تو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ پرستارِ توحید نے خوشی خوشی جان دیدی اور اس طرح آخرت کی نعمت سے شاد کام ہوا۔

اور بعض اربابِ سیر نے نقل کیا ہے کہ زمانۂ نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد بھی خلافتِ صدیقی یا خلافتِ فاروقی میں ہشام بن عاص تیسری مرتبہ ہرقل کے پاس دعوتِ اسلام لے گئے ہیں۔ مگر ہرقل نے اسلام قبول نہ کیا۔ اور خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق بنکر دونوں جہان میں ناشاد و نامراد رہا۔

دعوتِ اسلام شاہِ حبشہ کے نام

۹ ہجری

صفحاتِ گذشتہ میں تفصیلی بحث و نظر کے بعد معلوم ہو چکا ہے کہ جب نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے فارغ ہو کر مدینۂ طیبہ تشریف لائے تو وحی الٰہی کے ذریعہ آپ کو اطلاع ملی کہ "اصحمہ" نجاشی حبشہ کا انتقال ہو گیا اور صحابہ کو جمع کر کے آپ نے اس کے جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھی۔

اس واقعہ کے بعد ہی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اصحمہ کے جانشین کے پاس اصحمہ کی طرح اسلام کی دعوت کے لئے نامۂ مبارک بھیجا۔ محدثین و اصحابِ سیر اس کا فیصلہ نہیں کر سکے کہ اس مبارک سفارت کا شرف کس کو حاصل ہوا۔

بیہقی نے ابن اسحٰق کی روایت سے نامۂ مبارک کا جو مضمون نقل کیا ہے اس کی عبارت یہ ہے۔

نامۂ مبارک بنام نجاشی

من محمد رسول اللہ الی	یہ خط ہے خدا کے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم
النجاشی عظیم الحبشہ سلام	کی جانب سے نجاشی شاہِ حبشہ کے نام سلام اُس پر
علیٰ من اتبع الھدیٰ و	جو شخص ہدایت کا پیرو ہو، اور اللہ اور اس کے
اٰمن باللہ و رسولہ و	رسول پر ایمان لائے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں
اشھد ان لا الٰہ الا اللہ	کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک
وحدہٗ لا شریک لہٗ لم یتخذ	نہیں وہ بی بی اور اولاد کی تلویث سے پاک ہے اور
صاحبۃ ولا ولدا و ان محمداً	اس کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
عبدہٗ و رسولہ و ادعوک	اس کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔ اور میں
بدعایۃ اللہ فانّی رسولہ	تجکو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں اس لئے کہ
فاسلِم تَسْلَمْ یا اھل الکتاب	میں اس کا رسول اور پیغمبر ہوں۔ اسلام قبول کر

تعالوا الی کلمۃ سواءٍ بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ و لا نشرک بہ شیئًا و لا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشہدوا بانا مسلمون۔ فان ابیت فعلیک اثم النصاریٰ من قومک

سالم و محفوظ رہے گا۔ اے اہل کتاب اس کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا نہ کسی کی عبادت کریں اور نہ کسی کو اس کا سہیم و شریک بنائیں اور نہ ہم آپس میں ایک دوسرے کو اللہ کی طرح اپنا رب تسلیم کریں پس اگر وہ اس کو نہ مانیں تو (اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم) آپ فرما دیجئے کہ ہم تو یقیناً اسی کو پوجتے ہیں۔ اے نجاشی تونے اگر میری ان باتوں کو نہ مانا تو تیری نصرانی قوم کی اِس گمراہی کا وبال تیری گردن پر ہوگا۔

اس نجاشی کے قبول و عدم قبولِ اسلام کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی و حافظ ابن قیمؒ کی رائے یہ ہے کہ کوئی حال معلوم نہ ہو سکا اور واقعات اس بارہ میں خاموش ہیں۔ اور ابن حزم و زرقانی شارح مواہب فرماتے ہیں کہ یہ مسلمان نہیں ہوا۔

اُکیدر رومی کے نام دعوتِ اسلام

۹ ہجری

دومۃ الجندل

یاقوت نے معجم میں بیان کیا ہے کہ دومۃ الجندل شام و مدینہ کے درمیان

دارالقرے یا تو ایک قریہ کا نام ہے یا متعدد قریات کے مجموعہ کا نام ہے جو جبل طے کے قریب ایک شہر پناہ سے محصور ہیں۔ اور بنو کنانہ جو قبیلۂ بنی کلب کی شاخ ہیں وہ یہاں آباد ہیں۔ دومہ کے وسط میں ایک نہایت مستحکم قلعہ ہے جس کا نام مآرد ہے یہی قلعۂ اکیدر کا قلعہ ہے۔ اکیدر سلطنت روم کا باجگذار اپنے علاقہ کا حاکم تھا۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس کے پاس بھیجا کہ جا کر اس کو اسلام کی دعوت دیں اور اگر قبول نہ کرے تو جزیہ دینا منظور کرے، حضرت خالد جب دومہ پہنچے تو اکیدر کو اسلام کا پیغام سنایا۔ اکیدر نے بجائے قبولِ اسلام کے جنگ شروع کر دی حضرت خالد اگرچہ ارادۂ جنگ سے نہ گئے تھے اور اسی لئے چھوٹی سی جماعت ان کے ساتھ تھی۔ مگر سیف اللہ کے لئے کثرت و قلت کا سوال نہ تھا۔ بہت تھوڑی سی جھڑپ کے بعد اکیدر کو گرفتار کر لیا اور اسی حالت میں لیکر دربارِ قدسی میں پہنچے۔ اکیدر اگرچہ اسیر تھا لیکن شاہانہ لباس میں ملبوس حاضر خدمت ہوا۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اعزاز کے ساتھ برابر بٹھایا۔ اور اس کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اکیدر نے آپ کے اخلاقِ کریمانہ کو دیکھا اور کلامِ مبارک کو سنا اور برضا و رغبت مسلمان ہو گیا۔ جب اکیدر رخصت ہونے لگا تو آپ سے اماں کے لئے عہد نامہ لکھوایا۔ عہد نامہ کے الفاظ یہ ہیں۔

ھذا کتاب من محمد رسول اللہ لاکیدر	یہ عہد نامہ ہے خدا کے رسول محمد کی طرف سے اکیدر
حین اجاب الی الاسلام وخلع الانداد	اور اہل دومہ کے لئے جبکہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں اور
والاصنام ولاھل دومۃ ان لنا الضاحیۃ	اصنام پرستی کو ترک کر دیا ہے۔ کہ دومہ کے تالاب
من الضحل والبور والمعالی واغفال الارض	کی آمدنی، بنجر زمین۔ غیر مملوکہ زمین۔ نیز دل کی زمین

والسلاح والحافر والحصن	زرہ۔ اسلحہ۔ گھوڑے۔ اور قلعہ سرکاری ہیں۔ اور
ولکم الضامنۃ من النخل والمعین و	تمام درخت، چشمے، دریا، اور پیداواری زمینیں وغیرہ
من المعمور لا تعدل سارحتکم	سب تمہاری ملکیت ہیں۔ چراگاہوں میں چرنے
ولا تعد فاردتکم ولا یحظر علیکم	والے جانوروں کے علاوہ کسی جانور پر زکوٰۃ نہ
النبات۔ تقیمون الصلوٰۃ	لیجائیگی اور حساب سے الگ کسی جانور کو شامل
لوقتہا وتؤتون الزکوٰۃ بحقہا	زکوٰۃ نہ کیا جائے گا وقت پر نماز ادا کرو اور
علیکم بذلک عہد اللہ والمیثاق	سچائی کے ساتھ زکوٰۃ دو تم پر یہ اللہ کا عہد و میثاق
ولکم بہ الصدق والوفاء شہد	ہے جس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ تم اگر عہد پورا
اللہ ومن حضر من المسلمین۔	کروگے تو ہماری طرف سے صدق و وفا کی
	ضمانت ہے اور اس کے لئے ہم اللہ اور موجود
	مسلمانوں کو شاہد بناتے ہیں۔

اکیدر ان عہود و مواثیق کے ساتھ اپنی حکومت میں رہنے لگا اور مسلمانوں کے ساتھ اظہارِ وفاداری کرتا رہا۔ لیکن جب اس نے یہ سنا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ظاہری دنیا سے وفات پائی تو تمام وعدوں کو بھلا کر مرتد ہوگیا اور دومہ سے نکل کر حیرہ کی طرف بھاگ گیا اور وہاں ایک عمارت دومہ کے نام سے بنا کر اس میں رہنے لگا۔ اور دومۃ الجندل کو اپنے بھائی حُرَیث بن عبدالملک کے سپرد کر دیا

صفحاتِ گذشتہ میں سنہ ہجری سے ترتیب وار ان تمام نامہائے مبارک کا ذکر ہو چکا ہے جو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سلاطینِ عالم کے نام پیغامِ اسلام کے

سلسلہ میں بھیجے ہیں۔ اب ان بقیہ نامہائے مبارک کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے
جو اگرچہ اسی سلسلہ کی کڑی ہیں لیکن اُن کی روانگی کا زمانہ متحقق نہیں ہوسکا

یوحنّا بن روبہ سرداران ایلہ کے نام پیغام اسلام
۹ ہجری

پچھلے صفحات میں یہ معلوم ہوچکا ہے کہ حارث غسانی گورنر شام کو بھی اسلام کی دعوت دی گئی تھی اور اس نے اس کو سخت ناگواری کے ساتھ محسوس کیا۔ اور آمادۂ جنگ ہوگیا۔ اگرچہ ہرقل نے اس کو اس ارادہ سے باز رکھا مگر اسی وقت سے شام کے عیسائی سرداروں میں مدینہ طیبہ پر چڑھائی کرنے کی کھچڑی پکنے لگی۔ اور ہرقل بھی اندرونی تیاریوں میں مشغول نظر آنے لگا۔ مدینہ میں یہ شہرت تھی کہ رومی اور شامی عیسائی گھوڑوں کی نعلبندی کرا رہے ہیں۔ اور عنقریب آیا چاہتے ہیں اور یہ شہرت بہت کچھ حقیقت پر مبنی تھی۔ صحابہ میں اس واقعہ کی اس قدر شہرت تھی کہ جب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک معاملہ کی وجہ سے ازواج مطہرات سے کچھ ناخوش ہوگئے اور "ایلاء" کا مشہور واقعہ پیش آیا تو ایک صحابی نے جب فاروق اعظم کے سامنے اچانک یہ کہا "غضب ہوگیا" تو فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا رومی عیسائی آگئے۔ جب یہ خبر اس درجہ مشہور ہوئی کہ کئی لاکھ کی جمعیت سے روم کا بادشاہ عنقریب حملہ آور ہونے والا ہے تو آپ نے یہ مناسب سمجھا کہ پیش قدمی کرکے دشمن کے ملک کو میدانِ جنگ

بنایا جائے۔ اس ارادہ سے سخت گرمی کے باوجود مجاہدین فی سبیل اللہ کا پرشکوہ لشکر منافقین کے اس بزدلانہ فقرہ "لا تنفروا فی الحر" سخت گرمی میں ہرگز مت جاؤ" کا یہ جواب دیتا ہوا " نار جہنم اشد حرا" جہنم کی آگ جو ترکِ جہاد کا لازمی نتیجہ ہے"۔ اس سے زیادہ گرم ہے"۔ تبوک کے میدان میں جا پہنچا۔ رومیوں کو جب مسلمانوں کی پیشقدمی کا یہ حال معلوم ہوا تو وہ مسلمانوں کی فداکارانہ زندگی اور مجاہدانہ استقلال وثبات سے متاثر ہو کر ارادۂ جنگ کو کسی دوسرے وقت پر ٹال کر پہلے ہی منتشر ہو چکے تھے۔

ایلہ

علاقۂ حجاز کی انتہا اور علاقۂ شام کی ابتدا میں بحرِ قلزم کے کنارہ یہ شہر آباد ہے۔ ابو المنذر کا بیان ہے کہ یہ نام ایلہ بنت مدین بن ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پر رکھا گیا ہے۔ اور ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ" ایلہ" فسطاط اور مکہ معظمہ کے درمیان بحر قلزم کے کنارہ واقع ہے اور شام کے شہروں میں شمار ہوتا ہے اور ابوزید کہتا ہے کہ یہ ایک چھوٹی سی بستی ہے اور اُن یہود کا مسکن رہ چکا ہے جنپر خدائے قدوس نے" سبت" کے روز مچھلی کا شکار حرام کر دیا تھا اور انہوں نے اس کی نافرمانی کر کے خدا کی لعنت سر لی تھی یعنی بحکم الٰہی" کونوا قردۃً خاسئین" ہو رہے یہ بستی اب بھی یہود ہی کا مسکن تھی اور یوحنہ بن رویہ اس کا حاکم تھا۔ اور اب اس کو عقبہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ وہی عقبہ ہے جو آجکل انگریزی سیاست کا جولانگاہ بنا ہوا ہے۔ اور جس کے تحفظ کے لئے حکومت حجاز بیچارگی کے ساتھ دست وپا مار رہی ہے۔ اس لئے کہ فریبی دورِ حکومت میں بھی عقبہ اور معان دونوں

حقیقت میں حجاز کی حکومت ہی کے زیرِ سیادت تھے۔ اور مقاماتِ مقدسہ کا جزو ہیں۔

بہر حال مجاہدینِ اسلام جب مدینہ واپس ہونے لگے تو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یوحنا بن روبہ سردارِ ایلہ اور شہر کے عمائد کو اسلام کی دعوت کے لئے نامۂ مبارک بھیجا جس کو حضرت اُبیؓ بن کعب نے تحریر فرمایا۔ یہ نامۂ مبارک بہت مفصل ہے اور "مُعاہدین" سے متعلق احکام کی ایک بہترین دستاویز ہے۔ نامۂ مبارک کی عبارت یہ ہے۔

نامۂ مبارک بنام یوحنا حاکم ایلہ (عقبہ)

سلم انتم فانی احمد الیکم	تم پر سلام ہو۔ میں تمہارے لئے اس خدا کی حمد بیان
الله الذی لا اله الا هو فانی	کرتا ہوں جو یکتا ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں
لم اکن لاقاتلکم حتی اکتب الیکم	میں تمہارے ساتھ کسی قسم کی جنگ کا ارادہ اُس
فاسلم او اعط الجزیة واطع الله	وقت تک نہیں رکھتا جبتک کہ تمہارے پاس
ورسوله ورسل رسوله	میری تحریری حجت نہ پہنچ جائے تمہارے لئے
واکرمهم واکسهم کسوة حسنة	یہ بہتر ہے کہ یا مسلمان ہو جاؤ اور یا جزیہ دینا
غیر کسوة الغزاء واکس زیداً	منظور کرو اور اللہ اور اللہ کے رسول اور اس کے
کسوة حسنة فمهما رضیت	رسول کے قاصدوں کی فرمانبرداری قبول کرو،
رسلی فانی قد رضیت وقد	ہمارے قاصدوں کا احترام کرو اور ان کو غزاۃ
علم الجزیة فان اردتم ان	کے کپڑے کے علاوہ جو کہ ریشمی ہوتا ہے، پارچات
یأمن البر والبحر فاطع الله	نذر دو۔ جن باتوں پر یہ راضی ہوں گے میں بھی
ورسوله ویمنع عنکم کل حق	انپر راضی ہوں۔ اور ان کو جزیہ کے احکام

كان للعرب والعجم الا حق الله
وحق رسوله وانك ان رددتهم
ولم ترضهم لا آخذ منك شيئاً
حتى اقاتلكم فاسبي الصغير
واقتل الكبير فاني رسول الله
بالحق أؤمن بالله وكتبه و
رسله وبالمسيح بن مريم
انه كلمة الله واني أؤمن
به انه رسول الله وأتت
قبل ان يمسكم الشر
فاني قد اوصيت
رسلي بكم وأتت
حرملة ثلثة اوسق
شعير وان حرملة
شفّع لكم واني لولا الله
وذلك لم ارا سلك
شيئاً حتى ترى الجيش
وانكم ان اطعتم رسلي
فان لكم جار

بتا دیے گئے ہیں۔ اگر تم کو امن کی زندگی
پسند ہے اور خشکی و تری میں فتنہ و فساد اور
شور و شر منظور نہیں ہے تو اللہ کے پیغمبر کی
اطاعت اختیار کرو۔ اس کے بعد عرب و عجم
میں کوئی تم کو آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکے گا۔
البتہ اللہ اور اُس کے رسول کا حق کسی وقت
کبھی معاف نہیں ہوتا۔
اور اگر تم نے ان باتوں کو نہ مانا اور رد کر دیا
تو مجھکو تمہارے ہدایا و عطایا کی کوئی حاجت نہیں
اور مجھکو رفع فتنہ کے لئے جنگ کرنی پڑے گی۔
اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بڑے قتل کئے جائیں گے
اور چھوٹے گرفتار۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں
کہ میں خدا کا سچا پیغمبر ہوں۔
اللہ پر، اس کی کتابوں پر، اس کے پیغمبروں پر
ایمان رکھتا ہوں اور یہ اعتقاد رکھتا ہوں کہ
مسیح بن مریم خدا کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں
اس لئے بہتر یہ ہے کہ شور و شر سے پہلے تم
ان باتوں کو خوب سمجھ لو۔ میں نے اپنے قاصدوں
کو اس بارہ میں خوب سمجھا دیا ہے۔ حرملہ میرے

محمد ومن يكون منه وان رسلي شرحبيل و أُبيّ وحرملة وحريث بن زيد الطائي فانهم مهما قاضوك عليه فقد رضيته وان لكم ذمة الله وذمة محمد رسول الله والسلام عليكم ان اطعتم وجهزوا اهل مقنا الى ارضهم

پاس تین وسق (جو) لیکر آئے تھے اور تمہاری سفارش کرتے تھے اگر خدا کے حکم کی تعمیل اور تمہارے متعلق حرملہ کی نیک گمانی کا پاس نہوتا تو مجھکو اس خط وکتابت کی ضرورت نہ ہوتی اور اس کی بجائے جنگ کا میدان گرم ہوتا اگر میرے قاصدوں کی تم نے اطاعت کر لی تو اسی وقت سے تم کو میری اور ہر اُس شخص کی جو مجھ سے وابستہ ہے ہر قسم کی پناہ اور مدد حاصل ہے۔ خوب سمجھ لو کہ میرے قاصد شرحبیل بن حسنہ۔ ابی بن کعب حرملہ اور حریث بن زید طائی۔ جو فیصلہ تمہارے متعلق کرینگے میں اس سے کلی طور پر متفق ہوں اور تم اُس وقت اللہ اور اُس کے رسول کے ذمہ و پناہ میں ہو۔ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو تم پر سلام ہو اور اہل مقنا (مقام مقنا کے یہودیوں) کو اپنی جگہ پر قائم رہنے دو۔

یوحنہ اس کے جواب میں خود "تبوک" خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اور اس شرط پر جزیہ دینا قبول کرکے اسلام کی اماں میں داخل ہو گیا کہ ہر بالغ کے ذمہ سال بھر میں ایک دینار ادا کرنا ہوگا۔ اور جزیہ کی یہ تعداد تین سو دینار سے کچھ نہ زیادہ شمار کی گئی۔ اور عورتیں اور بچے اس جزیہ ٹیکس سے معاف کئے گئے۔

سردارِ بنی کلب[۱] کو دعوتِ اسلام

سنہ ۱ ہجری

اصبغ بن عمرو کلبی

ابنِ[۲] سعد راوی ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ اس لئے دومۃ الجندل روانہ فرمایا کہ وہ قبیلۂ بنی کلب اور اس کے سردار کو اسلام کی دعوت دیں۔ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن کو یہ وصیت بھی فرمائی کہ مجھ پر کثرت سے درود پڑھتے رہنا، حق تعالے تم کو کامیاب کرے گا اور اگر تم کامیاب ہو جاؤ تو سردار کی بیٹی سے اپنے نکاح کا پیغام دینا وہ ضرور قبول کرے گا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ دومۃ الجندل پہنچے اور بنی کلب اور ان کے سردار اصبغ بن عمرو کلبی کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اصبغ اور اس کی قوم نصرانی المذہب تھے تین روز ان کے اور حضرت عبدالرحمٰن کے درمیان مذہب پر مکالمہ رہا تین روز کے بعد سردارِ قوم ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ مشرّف باسلام ہو گیا اور ایک چھوٹی سی جماعت نے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے جزیہ دینا قبول کر لیا۔

---

[۱] اس سے پہلے صفحہ پر معلوم ہو چکا ہے کہ اکیدر بھی بنو کلب ہی میں سے ہے اور دومہ کا حاکم خود مختار لہذا اصبغ کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اکیدر کے ماتحت کس حصہ میں حاکم تھا یا قبیلہ کے کس بطن کا سردار تھا یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اصبغ کو اکیدر کے بعد اسلام کی دعوت دی گئی یا اس سے پہلے ۱۲

[۲] خصائص سیوطی جلد ۱ صفحہ ۲۳۹ و ۲۴۰ ۱۲

حضرت عبدالرحمٰن نے اس فتح وکامرانی کے بعد سردارِ قبیلہ کی بیٹی تماضر سے نکاح کا پیغام دیا جس کو اصبغ سردارِ قبیلہ نے بخوشی منظور کر لیا۔ حضرت عبدالرحمٰن اپنی بی بی اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ بانیل ومرام مدینۂ طیبہ واپس آ گئے اور دربارِ قدسی میں حاضر رہنے لگے۔

ذوالکلاع وذوعمرو تُبّع کے نام پیغامِ اسلام

سنہ ہجری

جس طرح روم کے بادشاہوں کو قیصر، فارس کے بادشاہوں کو کسریٰ کہتے ہیں اسی طرح یمن پر حکومت کرنے والے بادشاہوں کا لقب تُبّع تھا۔ کسی زمانہ میں صدیوں تک تبابعۂ یمن پر بڑی عظمت وشان کے ساتھ حکومت کرتے تھے۔ مگر بعثتِ نبوی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ سے ایک عرصہ پہلے سے یہ حکومت زوال پذیر ہو چکی تھی۔ تاہم اب بھی یمن کے مختلف حصص پر سردارانِ حمیر وسردارانِ تبابعہ برسرِ حکومت تھے۔ انہی سرداروں میں سے ذوالکلاع بن ناکور[له] بن حبیب اور ذوعمرو دو سرداروں کے نام آپ نے اسلام کی دعوت بھیجی۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو اس کی سفارت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت جریر دربار میں پہنچے اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے زبانی ان کو اسلام کا پیغام سنایا۔ دونوں نے بخوشی پیغام کو سنا اور مشرف باسلام ہو گئے اور ساتھ ہی ذوالکلاع کی بی بی ضریبہ بنت ابرہہ بھی مشرف باسلام ہو گئی۔

له اس زمانہ میں ذوالکلاع کی حکومت یمن کے بعض اضلاع اور طائف پر تھی۔

حضرت جریر ابھی یہیں مقیم تھے کہ ذو عمرو نے ایک روز سردارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی ان کو اطلاع دی حضرت جریر با حزن و ملال واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے کہتے ہیں کہ ذوالکلاع زمانۂ فاروقی میں تاج و تخت کو چھوڑ کر مدینہ آ گئے اور زاہدانہ زندگی بسر کرنے لگے۔

مسیلمہ کذاب اور دعوتِ اسلام

سنہ ۱۰ ہجری

ارباب سیر لکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفیر ہوذہ بن علی رئیس یمامہ کو جب دعوتِ اسلام کیلئے نامہ مبارک لیکر گیا تھا۔ تو اہل یمامہ اور مسیلمہ کذاب" یمامہ بن کبیر بن حبیب کو بھی اسلام کا پیغام سنایا تھا۔ اہل یمامہ نے طے کیا تھا کہ ایک وفد دریافت حالات کے لئے مدینہ بھیجا جائے۔ ارکانِ وفد میں مجاعہ بن ضرارہ رجال بن عنفوہ کے اور ثمامہ بن کبیر مسیلمہ بھی تھے۔ ارکانِ وفد جب مدینۂ طیبہ حاضر ہوئے تو مسجد نبوی میں داخل ہو کر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے منتظر رہے کچھ وقفہ کے بعد حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مسجد میں رونق افروز ہوئے اور وفد کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ مسیلمہ کہنے لگا کہ میں اس شرط پر ایمان قبول کر سکتا ہوں کہ آپ وعدہ کریں کہ بعد وفات آپ کی نیابت و خلافت مجکو ملے گی۔

آپ کے ہاتھ میں لکڑی کی ایک شاخ تھی مسیلمہ کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اگر قبولِ اسلام بھی اس قسم کی حرص آمیز شرط پر موقوف ہے تو

واضح رہے کہ میرے ہاتھ میں جو یہ شاخ ہے اگر تو اس کا ٹکڑا بھی مانگے تو نہ ملے گا۔
مجھکو خدا کی طرف سے دکھا دیا گیا ہے کہ تیری نیت کیا ہے؟ اور اس کی بدولت تیرا کیا حشر ہو گا؟ اس کے بعد آپ مجلس سے اُٹھ گئے اور فرمایا کہ بقیہ گفتگو ثابت بن قیس بن شماس کرینگے۔

مسیلمہ کو جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا کہ "مجھکو خدا کی طرف سے دکھایا گیا ہے۔" اس سے اس خواب کی طرف اشارہ تھا جو کتبِ احادیث میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھ پر دو سونے کے کنگن رکھے ہیں۔ مجھکو یہ دیکھ کر ناگوار گذرا۔ خدا کی طرف سے وحی آئی کہ ان کو پھونک سے اڑا دو۔ میں نے فوراً ان کو پھونک سے اڑا دیا۔

صبح کو میں نے اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ میرے زمانہ میں دو کذّاب نبوت کا جھوٹا دعوےٰ کرینگے اور انجام کار ذلیل ہوں گے۔

اس گفتگو کے بعد اہل یمامہ کا وفد یمامہ واپس آگیا۔ اور چونکہ ہوذہ بن علی مرچکا تھا اور مسیلمہ کی سرداری تسلیم کر لی گئی تھی۔ اس لئے مسیلمہ نے آتے ہی نبوت کا دعوےٰ کر دیا اور رجال بن عنفوہ نے جوکہ وفد کا رکن تھا اہل یمامہ کے سامنے شہادت دی کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کو رسالت و نبوت میں اپنا شریک کر لیا ہے یہ سنکر بنو حنیفہ اور دیگر قبائلِ یمامہ نے مسیلمہ کی پیروی کا اقرار کیا اور اس کو نبی ماننے لگے۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیّہ ضمری کو ایک مرتبہ پھر یمامہ بھیجا کہ اہل یمامہ اور مسیلمہ کو اسلام کی دعوت دیں حضرت عمرو ضمری یمامہ پہنچے اور

مسیلمہ کو دعوتِ اسلام دی۔ مسیلمہ نے سرداری کے گھمنڈ میں کچھ پرواہ نہ کی اور عمرو بن جارود حنفی کو حکم دیا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو جواب لکھے۔ عمرو نے آپ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس کی عبارت یہ ہے۔

من مسیلمۃ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ — مسیلمہ رسول اللہ کی طرف محمد رسول اللہ کے نام
اما بعد فان لنا نصف الارض و — بعد حمد نصف ملک ہمارا ہونا چاہئے اور نصف
لقریش نصفہا ولکن قریشاً لا ینصفون والسلام — قریش کا لیکن قریش نا منصفانہ برتاؤ برتتے ہیں والسلام

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جب یہ خط پہنچا تو آپ غضبناک ہوگئے اور فرمایا کہ اس کاذب نے خدا پر بہتان طرازی کی اور تو اس کو لے کر آیا۔ جی تو یہ چاہتا ہے کہ تجھکو قتل کر دیا جائے مگر چونکہ تو سفیر ہے اس لئے اس جسارت کے باوجود تجھکو چھوڑ دیتا ہوں۔ اور پھر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اس کا جواب لکھیں، نامہ مبارک کا مضمون یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد النبی الی مسیلمۃ الکذاب۔ اما بعد یلقنی کتابک الکذاب والافتراء علی اللہ وان الارض للہ یورثہا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین والسلام علی من اتبع الھدیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ خط ہے اللہ کے نبی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ بعد حمد و صلوٰۃ۔ تیرا خط پہنچا جو اللہ پر جھوٹ و افترا سے پُر تھا۔ زمین اللہ کی ملکیت ہے جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے وارث بنا دے۔ اور انجام کار خدا سے ڈرنے والوں کے لئے ہی ہے۔ سلام ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے نامہ مبارک حبیب بن زید بن عاصم کو دیا کہ

وہ اس کو یمامہ مسیلمہ کے پاس لیجائیں اور حضرت عبد اللہ بن وہب اسلمی اور حضرت سائب بن عوام کو ہمراہ کر دیا۔ یہ وفد جب مسیلمہ کے پاس پہنچا تو مسیلمہ نے غصہ میں آکر حضرت حبیب کے ہاتھ پیر قلم کر ڈالے۔ باقی ارکانِ وفد خدمت اقدس میں واپس آگئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ کو بجد رنج ہوا اور حکم خدا کے منتظر رہے آخر صادق و مصدوق صلے اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اور مسیلمہ خلافت صدیقی میں وحشی، قاتلِ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ذلت کے ساتھ مارا گیا اور اہل یمامہ نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا۔[1]

[1] مجاعہ بن مرارہ یمامی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لا چکے اور حلقہ بگوشانِ اسلام میں داخل ہو چکے تھے انہوں نے خدمت اقدس میں عرض کیا تھا کہ مجھکو کچھ "مربعے" مرحمت فرمائے جائیں۔ آپ نے بخوشی مجاعہ کو چند قطعاتِ زمین مرحمت فرما دیے اور اس کے لئے ایک سند بھی تحریر فرما دی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ھذا کتاب کتبہ محمد رسول اللّٰہ لمجاعۃ بن مرارۃ الاسلمی انی اقطعتك الغورۃ والغرابۃ والحبل فمن حاجك فالیّ۔	بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ کتاب ہے جسکو محمد رسول اللہ نے مجاعہ بن مرارہ اسلمی کے لئے لکھا ہے میں نے مجاعہ کو حسب ذیل قطعات (مربعہ جات) دیئے۔ غورہ غرابہ، حبل، اس کے بعد جو شخص اس میں حائل ہو گا اس کا میں ذمہ دار ہوں۔

مجاعہ نے صرف انہی قطعات پر بس نہیں کیا۔ بلکہ خلافت صدیقی میں حاضر ہو کر بھی اسی قسم کی درخواست پیش کی اور صدیق اکبر نے عطیات رسالت میں حضرمہ کا اور اضافہ کر دیا اس کے بعد خلافت فاروقی میں رَیّا، اور خلافت عثمانی میں بھی اسی طرح ایک قطعہ کا اضافہ کرایا۔ (فتوح البلدان)

شاہانِ حمیر کے نام پیغامِ اسلام

سنہ ۱۰ ہجری

حمیر

یمن کے جنوبی حصہ پر جو حکومت قائم تھی وہ حمیر[۱] کے نام سے موسوم تھی "حمیر" حُمرۃ سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے جس کے معنے سُرخ رنگ کے ہیں۔ عرب اقوام حبش کو سودان یعنی سیاہ کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ حبشیوں نے اس عربی قوم کو حمیر یعنی گوری رنگ کی قوم کہنا شروع کر دیا ہوگا۔ حمیر تقریباً ڈیڑھ صدی قبل مسیحؑ سے مغربی یمن میں آئے اور پھر اطراف و جوانب تمام عرب پر قابض ہو گئے۔ حمیرؑ کی سلطنت صدیوں تک عظیم الشان سلطنت رہی ہے۔ مگر بعد میں مختلف حصوں میں تقسیم ہو کر اسلام سے کچھ پہلے معمولی ریاستوں کی شکل میں باقی رہ گئی۔ انہی بادشاہوں کی اولاد میں حارث، اور شریح، پسران عبدِ کلال، اور ہمدان و معافر و نعمان "روسار حمیر تھے"۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان شہزادوں کے پاس بھی اسلام کا پیغام بھیجا اور حضرت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ کو اس سفارت کا شرف عطا فرمایا۔ نامہ مبارک کی عبارت یہ ہے۔

نامہ مبارک

سلم انتم ما آمنتم	تم پر اُس وقت تک سلامتی ہو جب تک
باللہ ورسولہ	تم خدا اور اُس کے رسول پر ایمان رکھو

---

[۱] دائرۃ المعارف بستانی۔ معجم البلدان۔ ارض القرآن ۱۲

وان اللّٰه وحدہٗ لاشریک	بیشک اللہ وہ ذات ہے جو یکتا ہے اور جس کا
له بعث موسیٰ بایاته	کوئی شریک نہیں۔ اسی نے موسےٰ علیہ السلام کو
وخلق عیسےٰ بکلماته	نشانیاں دیکر بھیجا اور عیسےٰ علیہ السلام کو اپنے
قالت الیہود عزیر ابن	کلمہ سے پیدا کیا۔ مگر یہود کہتے ہیں کہ عزیر خدا کے
اللّٰه وقالت النصاریٰ	بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ عیسےٰ علیہ السلام
اللّٰه ثالث ثلثه عیسیٰ	تین میں سے ایک ہیں اور خدا کے بیٹے ہیں۔
بن اللّٰه۔	(العیاذ باللہ)

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ نامۂ مبارک حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کی سپرد فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جب تم یمن کے اس حصہ میں پہنچ جاؤ جو تمہاری نزل مقصود ہے اور رات ہو جائے تو کسی جگہ قیام کر دینا اور ان کے پاس شب میں نہ جانا۔ صبح ہو جائے تو اُٹھکر وضو کرنا اور دو رکعت نماز پڑھ کر درگاہِ الٰہی میں کامیابی کے لئے دعا کرنا۔ اور جب میرا خط ان سرداروں کے پاس لے جاؤ تو اپنے داہنے ہاتھ سے اُن کے داہنے ہاتھ میں دینا۔ انشاء اللہ وہ اس کو قبول کرینگے۔ اگر گفت وشنید کی نوبت آئے تو پہلے سورۂ لم یکن الذین کفروا تلاوت کرنا اور پھر آمنتُ بمحمد وانا اول المسلمین پڑھ کر اُن سے ہمکلام ہونا۔ اس کے بعد وہ نہ کسی دلیل میں کامیاب ہو سکیں گے اور نہ حق کے مقابلہ میں کوئی تحریر پیش کر سکینگے وہ اگر اپنی زبان میں ایسی تقریر کریں جو تم نہ سمجھ سکو تو اُنسے کہنا کہ ترجمان سے ترجمہ کراؤ اور یہ دعا پڑھنا۔

قل حسبی اللّٰه آمنت بما انزل اللّٰه من کتاب وأمرتُ لاعدل بینکم

اللہ ربنا وربکم لنا اعمالنا ولکم اعمالکم لا حجۃ بیننا وبینکم اللہ یجمع بیننا والیہ المصیر۔

پس اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو اُن سے کہنا کہ وہ لکڑیاں کہاں ہیں جن کو دیکھ کر تم سجدہ میں گر جاتے ہو۔ کہا جاتا ہے کہ یہ تین لکڑیاں " غالبًا بشکلِ صلیب " تھیں۔ ایک جھاؤ کی تھی جس پر سپید و زرد روغن چڑھا ہوا تھا۔ دوسری آبنوس کی لکڑی تھی۔ اور تیسری ایک گرہ دار لکڑی تھی۔ جس کو عربی میں خیزران کہتے ہیں" اگر وہ لکڑیاں تم کو مل جائیں تب تم بر سرِ بازار اُنکو جلا دینا۔

حضرت عیاش کہتے ہیں کہ میں جب منزلِ مقصود پر پہنچا تو ایک عالیشان محل میں لیجایا گیا۔ تین ڈیوڑھیاں طے کرکے سراپردہ تک پہنچا اور پردہ اُٹھا کر داخل ہوا تو ایوان میں مجمع تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر کہا کہ میں نبیٔ آخر الزماں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں اور یہ کہکر نامۂ مبارک ان کے سپرد کر دیا۔ اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جس قسم کی ہدایات دی تھیں اُن کے مطابق عمل کرتا رہا۔ سردارانِ حمیر نے نامۂ مبارک سنا اور بخوشی اسلام قبول کیا۔ میں نے حسبِ ہدایت لکڑیاں طلب کیں اور اُنکو شارعِ عام پر رکھ کر جلا دیا۔ اور عزت وکامیابی کے ساتھ واپس آکر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تمام واقعہ بیان کر دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ شاہانِ حمیر نے جب اسلام قبول کرلیا تو اپنے قبولِ اسلام کی اطلاع کے لئے دربارِ قدسی میں ایک اپنا وفد بھی بھیجا۔ بہرحال نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اُنکے قبولِ اسلام پر بہت مسرت کا اظہار فرمایا اور

وفد کو احترام واکرام کے ساتھ نوازا، اور اسی وقت شاہانِ حمیر کے لئے چند نصائح سے متعلق ایک اور نامۂ مبارک تحریر فرمایا، اور وفد کو عزت کے ساتھ روانہ کیا۔

نامۂ مبارک کی عبارت طبقاتِ ابن سعد میں مفصّل منقول ہے۔

یہ وہی مالک بنِ مرارہ ہیں جنہوں نے اہلِ یمن کے سامنے اسلام پیش کیا اور جب انھوں نے بخوشی اسلام قبول کر لیا تو اس مبارک اطلاع کے لئے یمن والوں کی طرف سے دربارِ قدسی میں سفیر بنکر گئے اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بشارت پر مسرت کا اظہار فرمایا۔

ابنِ سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے کہ حمیر کے قبیلۂ بنی عمرو کو بھی آپ نے اسلام کی دعوت کے لئے نامۂ مبارک تحریر فرمایا تھا۔ اور حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس کو تحریر کیا تھا۔

سردارانِ حضرموت کے نام

پیغامِ اسلام

سنہ ہجری

حضرموت

حضرموت بحرِ ہند کے ساحل یا عرب کے انتہائی جنوبی سمت میں

بحرِ عرب کے ساحل پر واقع ہے۔ مورخین نے اس کی حدود اس طرح بیان کی ہیں۔

شمال میں۔ بحرِ ہند۔

جنوب میں۔ احقاف

مغرب میں۔ صنعار واقع ہے۔

یمن کے صوبوں میں سے ایک مشہور صوبہ ہے۔ کہتے ہیں کہ قحطان کے بیٹوں میں سے ایک کا نام حضرماؤت تھا۔ اسی کے نام پر اس جگہ کا نام حضرموت رکھا گیا۔ عاد و ثمود کا اصل موطن یہی مقام بتایا جاتا ہے۔ زمانۂ قدیم میں یہاں کے باشندوں نے اپنی مستقل حکومت قائم کر لی تھی۔ اور اُن کی شہرت تبابعۂ یمن کی شہرت سے کسی طرح کم نہ تھی۔

یہاں کا آخری بادشاہ مُجْر تھا۔ شاہی سطوت و شوکت اس کے زمانہ ہی میں ختم ہو گئی اور اس کے بعد اس کے بیٹے وائل بن حجر کی حیثیت ایک سردار کی رہ گئی تھی جس کو عربی میں قَیل کہتے ہیں۔ اور حضرموت کی یہ حکومت اسطرح مختلف سرداروں کے درمیان منقسم ہو گئی تھی۔ اس لئے آپ نے سنہ ۱۰ ہجری میں اُن تمام سردارانِ حضرموت کے نام اسلام کی دعوت بھیجی۔ جن کے نام ذیل میں درج ہیں۔

فہد	البسی
البحیری	عبدِ کلال
ربیعہ	حجر

بُجَیْری کے قبولِ اسلام کے سلسلہ میں کسی شاعر نے زرعہ کی تعریف کرتے ہوئے چند اشعار لکھے تھے جس کا ایک شعر یہ ہے۔ شعر

الا ان خیر الناس بعد محمدٍ
لزرعة ان کان البجیری اسلما

آگاہ رہو کہ اگر بُجَیْری مسلمان ہو گیا تو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر انسان زرعہ ہے

وائل بن حُجر

ابھی ذکر ہو چکا ہے کہ ۱۰ ہجری میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یمن کے سرداروں کے نام اسلام کی دعوت کے لئے پیغامات بھیجے جن میں تبابعۂ یمن یعنی شاہانِ حِمیَر اور اقیالِ حضر موت دونوں شامل تھے اور نہ صرف یہ بلکہ ملکِ یمن کے تمام صوبوں حضر موت۔ احقاف۔ صنعار نجران۔ عسیر کے سرداروں کو دعوتِ اسلام پہنچانے کے لئے حضرت علی بن ابی طالب حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو مقرر فرمایا تھا۔ اور خدا کے فضل وکرم سے ایک سال کے اندر اندر تمام یمن کی آبادی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئی۔

اسی سلسلہ میں آپ نے حضر موت کے آخری تاجدار حُجر کے بیٹے وائل کے نام بھی اسلام کی دعوت کے لئے پیغام بھیجا۔ اِدھر وائل قبولِ

اسلام کے لئے مدینۂ طیبہ روانہ ہوئے اُدھر نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بشارت سنائی کہ عنقریب دور و دراز بستی "حضرموت" سے اپنی قوم کے سردار وائل، اللہ اور اُس کے رسول کی محبت میں سرشار آتے ہیں۔ اور وہ حضرموت کے شاہزادے ہیں۔

جب چند روز کے بعد وائل دربارِ قدسی میں حاضر ہوئے تو آپ نے اُن کو مرحبا کہا اور اپنی برابر جگہ دی اور اُن کی عظمت بڑھانے کے لئے ان کے نیچے اپنی چادر مبارک بچھادی اور پھر اُن کو دعاءِ برکت دی کہ اللہ تعالےٰ وائل اور اس کی اولاد میں برکت دے۔

جب وائل چند روز قیام کرنے کے بعد وطن روانہ ہونے لگے تو خدمت اقدس میں عرض کیا اور اجازت چاہی۔ آپ نے اُن کو بخوشی اجازت مرحمت فرمائی اور سردارانِ حضرموت پر اُن کی سرداری کو بحال رکھا۔

حضرت وائل نے اس شرف سے مشرف ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ میری قوم کے لئے کچھ نصائح تحریر فرما دیجئے کہ میں جا کر اُن کو سناؤں۔ آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ سردارانِ حضرموت کے نام نامہ لکھیں۔ حضرموت کی زبان چونکہ حجاز سے جدا تھی اس لئے نامہ میں اس کی رعایت رکھی گئی اور مخلوط زبان میں اس کو تحریر کیا گیا نامۂ مبارک کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔

من محمد رسول الله الی الاقیال العباهلة والارواع المشابیب فی التیعة لا مقورة الالیاط ولا ضناك وانطوا الثبجة وفی السیوب الخمس ومن زنا من بکر فاصقعوه مائة واستوفضوه عاما ومن زنا من ثیب فضرجوه بالاضامیم ولا توصیم فی الدین۔

ابنِ سعد نے اس نامۂ مبارک کا مضمون عربی زبان میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی	یہ خط ہے اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
اَقْیَالِ الْعَبَاهِلَةِ لِیُقِیْمُوا	کی جانب سے سردارانِ عباہلہ کے نام اُن کو
الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوةَ	چاہیئے کہ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور
وَالصَّدَقَةُ عَلَی التِّیْعَةِ	ہر صاحبِ نصاب کے ذمہ اُن جانوروں کی
السَّائِمَةِ لِصَاحِبِهَا التِّیْمَةِ	زکوٰۃ واجب اور ضروری ہے جو سال کے
لَا خِلَاطَ	اکثر حصہ میں چراگاہوں میں چرتے رہتے ہیں
لَا وِرَاطَ	زکوٰۃ کے معاملہ میں نہ خلاط[1] درست نہ وراط[2]
لَا شِغَارَ	نہ شغار[3] جائز نہ شناق[3]

[1] خلاط۔ جانوروں کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں فقہی اصطلاح ہے وہ یہ کہ دو شخص اپنے الگ الگ نصاب کو زکوٰۃ سے بچنے کے لئے یکجا نہ کریں مثلاً چالیس بکریوں سے ایک سو بیس بکریوں تک صرف ایک بکری ہی زکوٰۃ میں دینی آتی ہے۔ اب دو شخصوں کے پاس جدا جدا چالیس چالیس بکریاں ہیں تو ان کے ذمہ دو بکریاں واجب ہوئیں مگر وہ دونوں عامل کے آنے پر دونوں گلّوں کو یکجا کر کے صرف ایک بکری دیکر جان چھڑا لیتے ہیں یہ ناجائز ہے اور خدا کے احکام کیساتھ فریب کاری ہے اسی طرح یکجا نصاب کو الگ الگ نہ کریں ۱۲ [2] وراط زکوٰۃ سے بچنے کے لئے اپنے کچھ مویشیوں کو چھپا دینا۔ یا عامل سے کسی دوسرے شخص کے بارہ میں غلط بیانی کرنا کہ فلاں صاحبِ نصاب ہے اور واقع میں وہ نہو ۱۲ [3] شناق وشغار۔ زکوٰۃ کے خوف سے اپنے جانوروں کو دوسرے شخص کے جانوروں میں ملا دینا۔ مثلاً اپنے پانچ اونٹ میں ایک بکری دینے کے خوف سے دوسرے کے پچیس اونٹوں میں شامل کر دے اس لئے کہ پچیس اور تیس اونٹوں کی زکوٰۃ ایک ہی ہے ۱۲

وَلَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ	اور نہ جلب[۵۱] وجنب[۵۲]۔ اور اُن کے ذمہ یہ بھی
وَلَا شِنَاقَ وَعَلَيْهِمُ	ضروری ہے کہ اسلامی لشکر کی رسد سے
الْعَوْنُ لِسَرَايَا	مدد کریں ہر دس آدمیوں کے گروہ پر ایک
الْمُسْلِمِيْنَ وَعَلٰى كُلِّ عَشْرَةٍ	اونٹ کے بار کی مقدار غلہ ضروری ہے
مَا تَحْمِلُ الْعِرَابُ مَنْ اَجْبٰى	جو شخص اپنی حیثیت کو چھپائے گا وہ اسطرح
فَقَدْ اَرْبٰى۔	مال بچاکر سود خوار کی طرح ہو جائے گا۔

اس کے بعد حضرت وائل نے عرض کیا یا رسول اللہ میری بہت سی املاک میرے عزیزوں نے غاصبانہ قبضہ میں کر رکھی ہیں۔ اور سرداران حضر موت و سرداران حمیر اس سے شاہد[۵۳] ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ میں تم کو اس سے بھی زیادہ دونگا۔ اور یہ فرما کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ ایک دوسرا والا نامہ تحریر کریں۔ اس نامۂ مبارک کی عبارت یہ ہے۔

هٰذَا الْكِتَابُ مِنْ مُحَمَّدِ النَّبِيِّ لِوَائِلِ	یہ خط ہے اللہ کے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
ابْنِ حُجْرٍ قَيْلِ حَضْرَمَوْتَ	کی جانب سے وائل بن حجر حضر موت کے سردار کے

---

۵۱ جَلَب۔ عامل (تحصیلدار) کا مقامِ تحصیل زکوٰۃ سے چند میل دور پڑاؤ ڈال کر اصحابِ زکوٰۃ کو وہاں تک آنے پر مجبور کرنا ۱۲ ۵۲ جَنَب۔ اصحابِ زکوٰۃ کا اپنے مویشیوں کو عامل کے خوف سے چند میل دور لے جانا اور عامل کو وصولِ زکوٰۃ میں پریشانی پیدا کرنا ۱۲

۵۳ قبیلۂ کندہ کے سربرآوردہ "اشعث" جیسے اشخاص نے حضرت وائل کے ساتھ مناقشہ کر رکھا تھا۔

وَذٰلِكَ اِنَّكَ اَسْلَمْتَ وَ	نام چونکہ تم مسلمان ہو گئے ہو لہذا میں تمہارے
جَعَلْتُ لَكَ مَا فِيْ يَدَيْكَ مِنَ	تمام مقبوضات یعنی زمینیں اور قلعے تمہاری
الْاَرَضِيْنَ وَالْحُصُوْنِ وَاَنَّهٗ	ہی ملکیت میں چھوڑتا ہوں تم ان سب کے
يُؤْخَذُ مِنْكَ مِنْ كُلِّ عَشَرَةٍ	مالک ہو۔ البتہ تم کو پیداوار کا دسواں
وَاحِدَةٌ يَنْظُرُ فِيْ ذٰلِكَ ذَوَا عَدْلٍ	حصہ (عشر) دینا ہوگا اور دو منصف اس کا
وَجَعَلْتُ لَكَ اَنْ لَا تُظْلَمَ	فیصلہ کیا کریں گے اور ہم اس کا انتظام
فِيْهَا مَا قَامَ الدِّيْنُ	کردیں گے کہ تم پر تا قیامِ دین کسی قسم کا
وَالنَّبِيُّ وَالْمُؤْمِنُوْنَ	کوئی ظلم نہ ہوگا اور نبی اور مسلمان اس
عَلَيْهِ اَنْصَارٌ	معاملہ میں تمہارے مددگار ہیں۔

نامہ مبارک پر مُہر لگا کر آپ نے حضرت وائل کے سپرد کر دیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مدد کے لئے ہمراہ کر دیا۔ حضرت وائل اونٹنی پر سوار تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پیادہ پا چل رہے تھے۔ چلتے چلتے شدتِ حرارت سے جب زیادہ تکلیف ہونے لگی تو حضرت وائل سے کہا کہ آپ مجھکو اپنے پیچھے بٹھا لیجئے۔ حضرت وائل نے جواب دیا کہ تم شاہوں کے برابر بیٹھنے کے لائق نہیں ہو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا اپنی جوتیاں ہی مرحمت فرما دیجئے کہ زمین کی شدتِ حرارت سے تو محفوظ ہو جاؤں۔ حضرت وائل نے جواب دیا کہ اونٹنی کے سایہ میں چلتے رہو۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ فرما کر خاموش ہو گئے کہ اونٹنی کا سایہ اس حرارت کے لئے کافی نہیں ہے۔

حُسنِ اتفاق کہ قبول اسلام کے کچھ زمانہ بعد ہی حضرت وائل حضرموت چھوڑ کر کوفہ میں آباد ہو گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ حکومت تک زندہ رہے ایک مرتبہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں پہنچے تو وہ بہت اکرام و احترام کے ساتھ پیش آئے اور حضرت وائل کو اپنی برابر تخت پر بٹھایا۔ دورانِ گفتگو میں اس واقعہ کا بھی تذکرہ آگیا جو اِن کے اور حضرت معاویہ کے درمیان حضرموت کی راہ میں پیش آیا تھا۔ حضرت وائل اس واقعہ کو یاد کرکے بہت افسوس کرنے لگے کہ اُس روز کیوں میں نے ان کو اپنے برابر اونٹ پر نہ بٹھالیا تھا۔

بہرحال حضرت وائل نے شاہی پر لات مار کر سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی کو اپنا طغرائے امتیاز بنایا اور اس طرح جلیل القدر صحابہ کی فہرست میں شمار ہوئے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

یہ کثیر الاحادیث ہیں اور حدیث آمین بالجہر کے یہی راوی ہیں[1]۔

سردارِ ازد کے نام پیغامِ اسلام

ابوظبیان ازدی

قبیلۂ غامد کی ایک شاخ بنی ازد کہلاتی ہے۔ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے سردارِ قوم ابوظبیان کے نام بھی نامۂ مبارک بھیجا جس میں اس کو اور اس کی قوم کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ ابوظبیان برضا و رغبت مشرف باسلام ہو گئے

---

[1] اُسد الغابہ جلد نہم ۱۲

اور یہی نہیں بلکہ قبیلہ کے چالیس ارکان کو بھی اس سعادتِ کبرٰے کا شریک بنالیا اُن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ مخنّف۔ عبداللہ۔ زہیر۔ عبد شمس۔ حجن بن مُرقع جندب بن زہیر۔ جندب بن کعب۔ حکم۔

حضرت ابوظبیان مدینہ حاضر خدمت ہوئے اور شرفِ صحبت حاصل کرکے سعادتِ سرمدی حاصل کی۔[۱]

اُسیخت بن عبداللہ سردارِ حجر کے نام پیغامِ اسلام

حِجر

یہ مقام حجاز کے قریب بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے۔ قومِ ثمود کا مسکن رہ چکا ہے[۲]۔ قرآنِ عزیز میں اس کے نام سے مستقل سورۃ نازل ہوئی ہے جس میں اس قوم کی تمرد اور سرکشی اور نتیجہ میں اس کی بربادی کا تذکرہ ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ جس زمانہ کا حال قرآنِ عزیز بیان کرتا ہے وہ قوم ثمود کے علاوہ تھی۔ بہر حال قومِ ثمود کے مملکت وادی القریٰ کا یہ دار الحکومت رہ چکا ہے۔ قرآنِ عزیز نے اس کا حال ان آیات میں ذکر کیا ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ وَآتَيْنَاهُمْ آيَاتِنَا فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝ وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ

اصحاب حجر نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور ہم نے جو نشانیاں اُن کو دی ہیں اُن سے روگردانی کی۔ یہ پہاڑ کاٹ کر مکان بنایا کرتے تھے جن میں امن کے ساتھ رہتے تھے کہ یکایک

---

[۱] طبقات ابن سعد ۱۲ [۲] معجم البلدان۔ دائرۃ المعارف فرید وجدی ۱۲ [۳] ارض القرآن ۱۲

الصَّیۡحَۃُ مُصۡبِحِیۡنَ ۝ فَمَآ اَغۡنٰی عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ۔

علی الصباح اُنہیں چیخ کے عذاب نے آ لیا پھر اُن کے کارناموں نے اُن کو کوئی فائدہ نہ بخشا

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حِجر کا سردار اُسیخت تھا۔ آپ نے اُس کو بھی اسلام کا پیغام بھیجا اور وہ بخوشی حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

جب اُسیخت مشرف باسلام ہو گئے تو اُنھوں نے اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو دربارِ نبوی میں سفیر بنا کر بھیجا کہ وہ اُس کے اور اُس کی قوم کے حق میں آپ سے اپنے حقوقِ ملکیت و حکومت کی بقار کے لئے سند حاصل کریں۔ حضرت اقرع خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض حال کیا۔ آپ نے اُن کا احترام کیا اور چند روز معزز مہمان بنا کر رکھا۔ اور رخصت کے وقت اُسیخت کے نام یہ نامۂ مبارک لکھوا دیا۔[1]

قَدۡ جَآءَنِیۡ الۡاَقۡرَعُ بِکِتَابِکَ وَ شَفَاعَتِکَ بِقَوۡمِکَ وَ اِنِّیۡ قَدۡ شَفَّعۡتُکَ وَ صَدَّقۡتُ رَسُوۡلَکَ الۡاَقۡرَعَ فِیۡ قَوۡمِکَ فَاَبۡشِرۡ فِیۡمَا سَاَلۡتَنِیۡ وَ طَلَبۡتَنِیۡ بِالَّذِیۡ تُحِبُّ وَ لٰکِنِّیۡ نَظَرۡتُ اَنۡ اُعَلِّمَہٗ وَ تَلۡقَانِیۡ فَاِنۡ تَجِیۡئَنَا

اقرع تمہارا خط لے کر آئے اور تمہاری قوم کی سفارش کرتے ہیں میں نے اُن کی سفارش منظور کی اور تمہاری قوم کے متعلق اقرع کی بات مان لی لہذا تم کو بشارت ہو کہ جو تم نے سوال کیا ہے اور جو کچھ طلب کیا ہے تمہاری مرضی کے مطابق مجھے منظور رہے مگر میں نے مناسب سمجھا کہ اس کی تشریح کر دوں پس اگر تم آ جاؤ اور ملاقات کر لو تو میں تمہارا

[1] ابن سعد ۱۱

أُكْرِمُكَ وَإِنْ تَفْعَلْ أُكْرِمُكَ

اعزاز کرونگا اور اگر نہ آسکے تب بھی میرے دل میں تمہاری عزت ہے۔

أَمَّا بَعْدُ۔ فَإِنِّي لَا أَسْتَهْدِي أَحَدًا وَ إِنْ تُهْدِ إِلَيَّ أَقْبَلُ هَدِيَّتَكَ وَقَدْ حَمِدَ عُمَّالِي مَكَانَكَ وَ أُوْصِيكَ بِأَحْسَنِ الَّذِي أَنْتَ عَلَيْهِ مِنَ الصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ وَقَرَابَةِ الْمُؤْمِنِينَ وَإِنِّي قَدْ سَمَّيْتُ قَوْمَكَ بَنِي عَبْدِ اللهِ فَمُرْهُمْ بِالصَّلٰوةِ وَ بِأَحْسَنِ الْعَمَلِ وَ أَبْشِرْ وَ السَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى قَوْمِكَ الْمُؤْمِنِينَ۔

بعد حمد و صلوٰۃ۔ تم کو معلوم ہو کہ میں کسی سے ہدیہ کا طالب نہیں ہوں لیکن اگر تم مجھکو ہدیہ بھیجنا چاہتے ہو تو میں بخوشی اس کو قبول کروں گا۔ میرے عُمّال نے تمہارے رُتبہ کی رفعت کا اظہار کیا ہے میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ نماز زکوٰۃ اور قرابۃ مسلمین کا پورا لحاظ رکھو۔ میں نے تمہاری قوم کا نام بنو عبداللہ رکھا ہے۔ پس تم اُن کو بھی نماز اور حسنِ عمل کا حکم دو اور بشارت حاصل کرو۔ تم پر اور تمہاری مسلم قوم پر سلام۔

اُسیخت کے اس نامہ کے ہمراہ ایک نامۂ مبارک آپ نے اس کی قوم کیلئے جدا تحریر فرمایا جسکا مختصر مضمون یہ ہے۔

أَمَّا بَعْدُ۔ فَإِنِّي أُوْصِيكُمْ بِاللهِ وَ بِأَنْفُسِكُمْ أَنْ لَا تَضِلُّوا بَعْدَ إِنْ هُدِيتُمْ وَلَا تَغْوُوا بَعْدَ إِنْ رُشِدْتُمْ۔ (۱)

بعد حمد و صلوٰۃ۔ میں تم کو اللہ کے ساتھ وابستگی کی وصیت کرتا ہوں اور تمہارے نفسوں کے لئے یہ وصیت کرتا ہوں کہ ہدایت کے بعد گمراہی اختیار نہ کرنا اور راہِ راست قبول کر لینے کے بعد کجی کی طرف مائل نہ ہونا۔

(۱) ابن سعد ۱۲

بنی حارثہ کے نام پیغامِ اسلام
سنہ ہجری

سمعان بن عمرو بن قُرَیظ۔ قبیلۂ بنی حارثہ میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور قبیلہ کی قیادت و سیادت انہی کے سپرد تھی۔ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اُن کے نام بھی دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں نامۂ مبارک تحریر فرمایا اور اُسی نامہ میں قبیلۂ بنی عرینہ کے سردار عبد اللہ بن عوسجہ کو بھی اسلام کا پیغام دیا تھا۔ دونوں سرداروں کے پاس جب نامۂ مبارک پہنچا تو اُنھوں نے یہ ندرت کی کہ اُس کو ڈول میں ڈالکر دھوڈالا۔ لیکن خدا کی قدرت دیکھئے کہ سمعان کے قلب میں اسلام کی روشنی چمکی اور وہ اپنے اس سفیہانہ فعل پر اظہارِ ندامت کرتے ہوئے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنی گستاخی پر ان الفاظ کے ساتھ معذرت خواہ ہوئے۔ ؎

أَقِلْنِي كَمَا أَمَّنْتَ وَرْدًا وَلَمْ أَكُنْ   مَا سُوءُ ذَنْبًا إِذْ أَتَيْتُكَ مِنْ وَرْدِ

آپ مجھکو معاف فرما دیجئے جس طرح آپ نے ورد کی خطا معاف فرمادی اس لئے کہ میں بہرحال ورد سے زیادہ خطاکار نہیں

رحمتِ عالمیان کے دربارِ قدسی میں دیر ہی کیا تھی۔ سمعان کی خطا معاف ہوئی اور وہ مشرف باسلام ہوکر صحابہ کی صف میں داخل ہوئے اور اس طرح سعادتِ کبرٰے حاصل کی۔

اور واقدی کی روایت ہے کہ جب عبد اللہ بن عوسجہ و سمعان کی اس حرکت کی اطلاع نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

مَا لَهُمْ ذَهَبَ اللّٰهُ بِعُقُوْلِهِمْ ان لوگوں کو کیا ہوا کیا خدا نے ان کی عقلوں کو کھو دیا۔

آپ کا یہ ارشاد ان کے حق میں بد دعا ثابت ہوا۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کی اولاد میں نسلاً بَعْدَ نَسْلٍ یہ عیب رہا کہ جب باتیں کرتے تو جلدی جلدی بولتے کہ گھبراہٹ محسوس ہوتی اور اکثر کلام خلط ملط ہو جاتا۔ غرض باتوں میں بے وقوف معلوم ہوتے تھے۔ میں نے خود اُن کی اولاد میں یہ بات دیکھی ہے۔

اور ابو اسحٰق کی روایت میں ہے کہ عبد اللہ بن عوسجہ کی لڑکی نے باپ کی یہ حرکت دیکھی تو اس کو تنبیہ کی کہنے لگی کہ تعجب ہے سید العرب کا مکتوب تمہارے نام آئے اور تم اس کے ساتھ یہ گستاخانہ عمل کرو۔ مجھکو ڈر ہے کہ عنقریب تم پر کوئی مصیبت نازل ہونے والی ہے۔

شام کے علاقہ میں جب آخری غزوہ کی نوبت آئی تو لشکر اسلام کی اس قبیلہ سے بھی جنگ ہوئی اور اہلِ قبیلہ شکست کھا کر مغلوب ہو گئے اور بہت سا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ آخر عبد اللہ بن عوسجہ اپنے کئے پر شرمسار اور نادم ہوئے اور شرک کی لعنت سے نکل کر اسلام میں داخل ہو گئے۔ اور قبولِ اسلام کے بعد خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عذر خواہ ہوئے۔ اور اپنی قوم کے مال و متاع کی واپسی چاہی۔ آپ نے اس کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے پاس جگہ دی اور ارشاد فرمایا کہ تقسیمِ غنیمت سے پہلے جس قدر تمہارا مال تمہارے ہاتھ آئے تم اور تمہاری قوم امن کو اپنے قبضہ میں لے لے وہ سب تمہارا ہے۔ ارشاد کی دیر تھی پھر کون شخص اپنے مال کے حاصل کرنے میں کوتاہی کر سکتا ہے؟

واقدی کی روایت میں ابن عوسجہ و سمعان کی اولاد کے کلام میں خلط ملط ہونیکا

عیب اور آپ کی بد دعا کا واقعہ محلِ نظر ہے۔ اس لئے کہ کتب سیر میں اس واقعہ کی جس قدر کڑیاں ملتی ہیں ان میں اس بد دعا اور اثرِ دعا کا واقعہ مذکور نہیں ہے۔ نیز درایۃً بھی اس واقعہ سے انکار کرتی ہے اس لئے کہ تمام روایات جب اس بارہ میں متفق ہیں کہ عبداللہ بن عوسجہ اور سمعان شرف باسلام ہو گئے اور ابن عوسجہ نے اپنی گستاخانہ جرأت کی معافی چاہی تو اس کو معاف بھی کر دیا گیا تو پھر اُن کی اولاد کا کیا قصور تھا کہ رحمۃ للعالمین اُن پر بد دعا فرماتے اور وہ ناکردہ گناہ باوجود مسلمان ہونے کے بھی آپ کی بد دعا کا مصداق ٹھیرتے۔ پس محدثین کے یہاں واقدی کی غیر مقبولیت اور روایتِ حدیث میں ان پر عدم اعتماد کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ یہ واقعہ روایت و درایت کے اعتبار سے قابلِ تسلیم نہیں ہے

بنی عذرہ کے نام پیغامِ اسلام

عرب کے شمالی حصہ کی انتہا میں شام کے پاس یہ قبیلہ آباد تھا۔ قریش کے مشہور سردار اور سرزمینِ حجاز میں نظامِ حکومت کے بانی قصیؑ کی والدہ نے اپنا دوسرا نکاح اسی خاندان میں کر لیا تھا۔ اور قصیؑ نے اسی خاندان میں پرورش پائی تھی۔ (دائرۃ المعارف بستانی)

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم آلہ وسلم نے اس قبیلہ کے پاس بھی دعوتِ اسلام کے لئے نامۂ مبارک بھیجا جو کھجور کے پٹھے پر تحریر تھا اور اس کی سفارت کا شرف بنی عذرہ کے ہی ایک مسلمان کو عطا فرمایا ورد بن مرداس نے "جو کہ قبیلۂ ہذیم کی شاخ بنی سعد کا ایک فرد تھا" اس شخص پر دست درازی کی اور نامۂ مبارک پھاڑ ڈالا مگر اس کے

بعد ہی اُس کو ہوش آیا اور وہ مسلمان ہو گیا۔ اور آخر کار فدا کارِ اسلام بنکر حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ "غزوہ وادی القریٰ" میں جامِ شہادت نوش کیا۔ بنی عذرہ کا قبیلہ بھی دولتِ اسلام سے بامراد ہو کر یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کی فہرست میں داخل ہو گیا۔

یہی وہ درد ہیں جن کا تذکرہ حضرت سمعان نے اپنے شعر میں کیا ہے۔

شاہِ سماوہ کے نام پیغامِ اسلام

نفاثہ بن فروہ دُئلی۔ سماوہ کے سردار کے نام بھی آپ نے دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں نامۂ مبارک تحریر[۱] فرمایا تھا۔ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ نفاثہ نے اسلام قبول کیا یا نہیں۔ بہر حال اب سماوہ کی آبادی کی گردن میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی کا قلادہ پڑا ہوا ہے اور اہلِ سماوہ اُس کو اپنے لئے صد مایۂ ناز سمجھتے ہیں۔

امراءِ بنی وائل کے نام پیغامِ اسلام

بکر بن وائل

یہ قبیلہ کا نام ہے۔ قریش میں یہ سب سے پہلا قبیلہ ہے جس نے ہمسایہ حکومتوں کے مقابلہ میں وطنی استقلال[۲] کی بنیاد ڈالی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کو

۱؎ طبقات ابن سعد ۱۲ ۲؎ ارض القرآن ۱۲

بھی دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں نامۂ مبارک تحریر فرمایا اور حضرت ظبیان بن مرثد سدوسی رضی اللہ عنہ کو اس کی سفارت کا شرف بخشا۔ نامۂ مبارک کا خلاصہ یہ ہے۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَسْلِمُوا تَسْلَمُوا — بعد حمد و صلوٰۃ: اسلام لے آؤ محفوظ رہو گے

نہشل بن مالک

اسی سلسلہ میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی وائل میں سے نہشل بن مالک سردار قبیلہ کے نام بھی اسلام کا پیغام بھیجا اور آپ کے حکم سے حضرت عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ نے ایک نامہ[1] تحریر فرمایا جس میں اُن کے مسلمان ہو جانے کے بعد اُن کو امان دیئے جانے کا تذکرہ تھا۔ نامۂ مبارک کا مضمون یہ ہے۔

هٰذَا الْكِتَابُ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ	یہ نامہ اللہ کے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی
لِنَهْشَلِ بْنِ مَالِكٍ وَمَنْ مَعَهُ	جانب سے ہے نہشل بن مالک وائل اور
مِنْ بَنِيْ وَائِلٍ لِمَنْ أَسْلَمَ	بنی وائل کے ان لوگوں کے نام جو مسلمان ہو گئے
وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ	ہیں نماز ادا کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، اور
وَأَطَاعَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَ	اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں
أَعْطٰى مِنَ الْمَغْنَمِ خُمُسَهُ	اور مال غنیمت میں سے اللہ اور اُس کے رسول
لِلّٰهِ وَسَهْمَ النَّبِيِّ وَ	کا حصّہ (خمس) نکالتے ہیں۔ اور اپنے اسلام کا
أَشْهَدَ عَلٰى إِسْلَامِهِ	اعلان کرتے ہیں۔ اور مشرکین سے علیحدگی اختیار
وَفَارَقَ الْمُشْرِكِيْنَ	کر چکے ہیں۔ پس وہ اللہ کی امانت میں مامون
فَإِنَّهُ	و محفوظ ہیں اور محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُنہیں

[1] طبقات ابن سعد ۱۲

اٰمَنَ بِاَمَانِ اللّٰہِ وَبَرِیٌ اِلَیۡہِ مُحَمَّدٌ مِّنَ الظُّلۡمِ۔	ہر قسم کے ظلم کرنے سے بری ہیں۔

بنی زہیر کے نام پیغام اسلام

ابو العلاء راوی ہیں کہ میں ایک روز مُطرّف کے ساتھ اونٹوں کے نخاسہ میں گیا ہوا تھا۔ تھوڑی سی دیر میں ہم نے ایک اعرابی کو دیکھا کہ اُس کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک ٹکڑا ہے اور یہ کہتا جاتا ہے کیا تم میں کوئی شخص پڑھا لکھا ہے؟ میں یہ سُنکر آگے بڑھا۔ اور اُس سے کہنے لگا میں پڑھنا جانتا ہوں۔ تمہارا کیا کام ہے؟ اعرابی نے چمڑے کا ٹکڑا میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا یہ لیجئے یہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نامۂ مبارک ہے جو ہمارے نام آیا ہے۔ اس کو پڑھ کر سُنا دیجئے میں نے نامۂ مبارک اس کے ہاتھ سے لے لیا اور پڑھا اُس میں تحریر تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحیم ہے
مِنۡ مُحَمَّدِ النَّبِیِّ لِزُھَیۡرِبۡنِ اُقَیۡشٍ	یہ خط ہے اللہ کے نبی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم)
حَیٌّ مِنۡ عُکۡلٍ اِنَّھُمۡ اِنۡ شَھِدُوۡا	کی جانب سے بنی زہیر بن اُقیش کے نام جو
اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّ	قبیلۂ عُکل کی ایک شاخ ہے اگر یہ لوگ
مُحَمَّدًا رَسُوۡلُ اللّٰہِ ، وَ	لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر اعتقاد رکھتے
فَارَقُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ وَ اَقَرُّوۡا	ہیں اور مشرکین سے بیزار ہیں اور مال غنیمت

بِالْخُمُسِ فِيْ غَنَائِمِهِمْ وَ سَهْمِ النَّبِيِّ فَاِنَّهُمْ اٰمِنُوْنَ بِاَمَانِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔

میں سے خمس اور اللہ کے نبی کا حصہ تسلیم کرتے ہیں پس وہ اللہ اور اس کے رسول کی اماں میں محفوظ ہیں۔

لوگوں نے نامۂ مبارک کا مضمون سُننے کے بعد اعرابی کو گھیر لیا اور پوچھنے لگے کیا تم نے کبھی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سُنی ہے؟ اُس نے جواب دیا ہاں! لوگوں نے کہا اللہ تعالےٰ تم پر رحم کرے ہم کو بھی سُنایئے اعرابی نے کہا۔

سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّذْهَبَ كَثِيْرٌ مِّنْ وَحَرِ الصَّدْرِ فَلْيَصُمْ شَهْرَ الصَّبْرِ وَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ۔

میں نے سنا ہے آپ ارشاد فرماتے تھے کہ جو سینہ کی آگ فرو کرنا چاہتا ہے اُس کو چاہئے کہ رمضان کے روزے، اور ہر مہینہ "ایامِ بیض" ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کے روزے رکھا کرے۔

لوگوں نے اُن سے پھر دریافت کیا واقعی تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو سُنا ہے۔ یہ سُنکر وہ سخت ناراض ہوئے۔ اور کہنے لگے کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ بولتا ہوں۔ خدا کی قسم میں اب کبھی تم سے کلام نہ کروں گا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ یہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر مشرّف باسلام ہو چکے تھے اور اُن کے اسلام لانے اور وطن واپس ہو جانے کے بعد تمام قوم کے نام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ اماں نامہ تحریر فرمایا تھا۔

دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں اس واقعہ کا تذکرہ اس لئے کیا گیا کہ عام الوفود سنہ ہجری میں یا اُس سے قبل جو وفود مختلف قبائل و امصار سے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام کی دولت سے بہرہ مند ہوتے اور مراجعت فرمائے وطن ہوتے تھے تو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اکثر اسی قسم کے نامہائے مبارک اُن کے اور اُنکی قوم کے لئے تحریر فرمانے کا حکم صادر فرمایا کرتے تھے۔ ان میں۔ اصولِ اسلام کی تعلیم، وفاءِ عہد کی ترغیب، شرک اور مشرکین سے بیزاری، اور اُن کی املاک و مقبوضہ جائدادوں، قلعوں اور معبد گاہوں، وغیرہا کی انہی کی ملکیت، اور تصرف میں رہنے کا اعلان ہوتا تھا۔

حسب ذیل فہرست اُن قبائل اور سردارانِ قبائل کی ہے جن کو آپ نے اسی قسم کے نامہائے مبارک تحریر کئے ہیں۔

معدی کرب بن ابرہہ خالد بن ضماد ازدی بنی ضباب بن الحارث یزید بن طفیل حارثی عبدِ یغوث بن وعلہ حارثی بنی زیاد بن حارث یزید بن محجّل حارثی قیس بن حُصین بنی الحارث و بنی نہد بنی قنان بن یزید حارثی عاصم بن الحارث حارثی بنی معاویہ بن جرول الطائی عامر بن اسود طائی بنی جوین طائی بنی معن طائی جنادہ ازدی سعد ہذیم و بنی جُذام بنی زرعہ و بنی الربعیہ جُہنی بنی جعل بنی خزاعہ عوسجہ بن حرملہ جُہنی بنی شنخ جُہنی بنی جُرمز بن ربیعہ جُہنی عمرو بن معبد جُہنی بنی الحرقہ جُہنی بلال بن حارث مزنی بُدیل۔ بُسر سردارانِ بنی عمرو مسلمہ بن مالک حارثی عباس بن مرداس سلمی ہوذہ بن عنبسہ سلمی حرام بن عبد عوف سلمی بنی غفار

بنی ضمرہ جمیل بن مرثد بحتر طائی عبدالقیس ثقیف بنی خباب کلبی بنی خثعم

نیز ان کے علاوہ بھی بعض قبائل و افرادِ قوم کے نام مختلف ضروریات کے لئے مختلف اوقات میں نامہائے مبارک تحریر ہوئے ہیں جن کی تفصیل کتبِ سیر میں موجود ہے اور ابن سعد نے طبقات میں اس کے لئے مستقل باب قائم کیا ہے۔

ہم نے اس کتاب میں صرف اُن ہی نامہائے مبارک کو لیا ہے جن میں آپ نے سلاطین و سردارانِ قبائل کو دعوتِ اسلام دی ہے۔

فروہ بن عمرو الجذامی گورنر معان کا قبولِ اسلام اور شہادت پر اُن کا انجام

معان

مشرقی عرب کی انتہا پر ملکِ شام کا ایک صوبہ بلقار کے نام سے مشہور رہا اور عمّان عقبہ اور معان اس کے مشہور شہر ہیں یا یوں کہئے کہ ساحل خلیج فارس پر سرزمینِ بلقار کا مشہور شہر عمّان ہے اور اسی کے متصل معان واقع ہے[۱]۔

اس علاقہ کا شمار حکومتِ روم کے ماتحت تھا۔ اور حکومت کی جانب سے عرب کے تمام شمالی حصّہ پر فروہ گورنری کرتے تھے۔ جب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلاطین عالم کے نام دعوتِ اسلام کی شہرت اُن کے کانوں تک پہنچی تو اُنھوں نے آپ کے اخلاق و شمائل اور آپ کے دعوئے نبوت

---

[۱] معجم البلدان جلد ۸ ص ۱۳

والہام کی تحقیق کے بعد غائبانہ اسلام قبول کر لیا اور اپنی قوم کے ایک مشہور شخص مسعود بن سعد کو آپ کی خدمت میں سفیر بنا کر بھیجا کہ وہ جا کر قبول اسلام کے متعلق دربارِ قدسی میں اطلاع کر دیں اور ساتھ ہی ایک گھوڑا، ایک سفید خچر، ایک عربی گدھا چند عمدہ پارچات اور ایک قبائے سندسی جو سونے کے تاروں کے حاشیہ سے مزین تھی، ہدیہ میں بھیجے۔[1]

حضرت مسعود رضی اللہ عنہ دربارِ قدسی میں پہنچے اور حضرت فروہ کے ہدایا پیش کر کے اُن کے قبولِ اسلام کا مژدہ سنایا۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فروہ کے نام یہ نامۂ مبارک تحریر فرمایا۔

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰہِ اِلٰی فَرْوَۃَ بْنِ عَمْرٍو۔ اَمَّا بَعْدُ۔ فَقَدْ قَدِمَ عَلَیْنَا رَسُوْلُکَ وَبَلَّغَ مَا اَرْسَلْتَ بِہٖ وَخَبَّرَ عَمَّا قِبَلَکُمْ وَاٰتَانَا بِاِسْلَامِکَ وَاِنَّ اللّٰہَ ھَدَاکَ بِھُدَاہُ، اِنْ اَصْلَحْتَ وَاَطَعْتَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَاَقَمْتَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتَ الزَّکٰوۃَ

(خدا کے رسول محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے فروہ بن عمرو کے نام۔ بعد حمد وصلوٰۃ ہمارے پاس تمہارا قاصد پہنچا اور جو ہدایا تم نے بھیجے تھے وہ اُس نے پہنچا دیئے اور تم سے پہلے کے حالات و واقعات سنائے اور پھر تمہارے مسلمان ہونے کا واقعہ سنایا۔ اگر تم نیک خواہی میں مشغول رہے اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے رہے نماز پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے، تو اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی ہدایت سے نواز لیا۔ (جو سب سے بڑی نعمت ہے)

[1] استیعاب جلد ۲۔ اُسد الغابہ جلد ۷ ۱۲

نامۂ مبارک لکھوا کر قاصد کے حوالہ کیا۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ قاصد کو پانچسو درہم دیدو۔

ہرقل قیصر روم کو جب فردہ کے قبولِ اسلام کا حال معلوم ہوا تو اُن کو دار الحکومت میں طلب کیا اور سخت تنبیہ کی اور حکم دیا کہ اگر اپنی ریاست کو برقرار رکھنا چاہتا ہے تو دینِ محمدی کو ترک کر دے۔

لیکن قبولِ حق کا نشہ ایسا نہ تھا کہ ان ترشیوں سے اُتر جاتا۔ حضرت فردہ نے نہایت دلیری سے جواب دیا کہ دینِ محمدی چھوڑ دوں؟ یہ ناممکن ہے۔

بادشاہ! تو خود جانتا ہے کہ یہی وہ پیغمبر ہے جس کی آمد کی بشارت حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے لیکن افسوس کہ ہوس ملک گیری نے حق سے تجھکو محروم کر دیا ہے۔ بادشاہ کو یہ سنکر بہت طیش آیا اور حکم دیا کہ اس کو قید کر دو۔

حضرت فردہ نے کچھ روز تو دینِ حق قبول کرنے کی پاداش میں جیل کی سختیاں جھیلیں اور پھر بادشاہ کے حکم سے جیل سے باہر نکالے گئے اور حکم دیا گیا پہلے اس کو قتل کرو اور پھر سولی پر لٹکا دو۔

حضرت فردہ نے نہایت اطمینان و مسرت کے ساتھ اس جابرانہ حکم کو سُنا اور دینِ قویم کی پیروی میں فدا کارانہ جان دیدی۔ قتل کے بعد حضرت فردہ کو شہر فلسطین میں "عفراء" نامی تالاب پر سولی پر لٹکا دیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔	جو خدا کی راہ میں قتل ہو چکے ہیں اُن کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم اُن کی زندگی سے واقف نہیں ہو۔

استیعاب جلد ۲ - اسد الغابہ جلد ۷ - طبقات ابن سعد ۱۲

نتائج و عبر

حصّہ سوم

پیغمبرانہ دعوت و تبلیغ

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلاطینِ عالم کے نام دعوتِ اسلام کے لئے جو نامہائے مبارک بھیجے تم نے اُن کو پڑھا اور بغور اُن کا مطالعہ کیا؟ سوچو کہ ایک ہستی جس کے پاس نہ مال و متاع ہے نہ لاؤ لشکر، خود عزیز و قریب ابھی تک جس کے دشمن، اور درپے آزار ہیں۔ جو نہ حکومت رکھتا ہے نہ دولت، نہ اُس کے پاس شاہی حشم و خدم ہے نہ دنیوی سطوت و حشمت، جو بے سروسامانی کو سامان سمجھ کر، حکومت و دولت کے نشہ سے متنفر ہو کر، بے یاری و مددگاری کو صد ہزار یاری و نصرت، جان کر فقط ایک خدائے واحد و اَحَد کے بھروسہ پر سلاطینِ عالم کو دعوتِ اسلام دیتا، اور اُن بادشاہوں کے سامنے اسلام کا نعرۂ حق بلند کرتا ہے کہ جن میں روم و فارس جیسی باجبروت طاقتیں بھی شامل ہیں جن کے تمدن پر مشرق و مغرب شیفتہ، اور جن کے شان و شکوہ، اور درباری رعب و دبدبہ سے حکومتیں، اور سلطنتیں ترساں و لرزاں تھیں۔ اور جن کے درباروں میں بیباکانہ اعلانِ حق تو کجا، نیازمندانہ عرض و التجا کے لئے بھی زبانیں گنگ ہو جاتی تھیں۔

پھر دعوت بھی اس شان سے دیتا ہے کہ نامہائے مبارک میں غرضمندانہ نیازمندی کا اظہار نہیں ہوتا۔ بلکہ اُن کے ہر ایک لفظ سے شانِ استغنا ظاہر ہوتی ہے۔ اور اُن کا ہر ایک جملہ ذاتی مفاد کی تلویث سے پاک اور بے نیاز ہے۔ افتتاحی القاب میں اگر ایک طرف صاحب عزت کی عزت، اور صاحبِ حرمت کی حرمت، کا پاس و لحاظ ہے تو دوسری جانب عجمی دستور سے بے پرواہ، اور پُر رعب بادشاہوں کے خودساختہ قوانین سے مستغنی، والا ناموں کو اول بادشاہوں کے بادشاہ، خالقِ کون و مکاں،

خدائے واحد کے نام سے شروع کرتا ہے، اور عربی دستور کے مطابق بادشاہوں کے نام سے پہلے اپنا نام لکھتا ہے۔

کیا تم کو یاد نہیں کہ قیصرِ روم کے بھائی "نیاق" کو یہ کس قدر شاق گذرا۔ بگڑتا ہے، بپھرتا ہے، اور کہتا ہے کہ ایک معمولی عربی نژاد کو یہ جرأت اور یہ حوصلہ کہ شاہوں کے نام سے پہلے اپنا نام تحریر کرے۔ اسی طرح کسرےٰ خسروِ پرویز کی ناصیۂ حکومت پر بھی اس طرزِ عمل سے شکنیں پڑ جاتی ہیں۔ مگر ذاتِ قدسی صفات پر پرِ کاہ کی برابر بھی اثر نہیں ہوتا۔ اور اُس کی شانِ استغنا میں رتی برابر بھی فرق نہیں آتا۔

اور پھر نظر کرو اس مقدس ہستی کے اُن سفیروں کی فداکارانہ بے جگری پر اور اعلانِ حق کے لئے بے باکانہ جرأت و پامردی پر کہ قیصر و کسرےٰ کے جن درباروں میں شاہوں کے سفرا، اور حکومتوں کے قاصد ہی نہیں بلکہ خود چھوٹے چھوٹے بادشاہو اور سلاطین کی زبانیں بھی اظہارِ مقصد میں خاموش ہو جاتی ہوں۔ اُنھوں نے کس صداقت مآب دلیری، اور حق آفریں جرأت، سے اپنے فریضہ کو انجام دیا۔ نہ قیصر کی شوکت اُن کے آڑے آسکی، اور نہ کسرےٰ کا جاہ و جلال اُن کو اس پاک خدمت سے باز رکھ سکا۔

تو کیا تم کو کوئی شک و شبہہ ہو سکتا ہے کہ حق و صداقت کی یہ جد و جہد کسی طالبِ دنیا، اور طامعِ دولت و حشمت، انسان کا کام تھا۔ یا دولتِ دنیا سے نفور، جاہ و حشم سے مستغنی، خدائے برتر کے پیغمبر و رسول کا معجز کارنامہ تھا۔

پھر یہی نہیں بلکہ اُس معجزانہ صداقت کو بھی دیکھو کہ "خسرو پرویز" کا غرورِ حکومت اور اُس کی سطوت و حشمت کی نخوت، جب پیغامِ اسلام کو برداشت نہ کرسکی۔ اور

اُس نے انتہائی نفرت وحقارت سے "نامۂ مبارک" کو چاک کرڈالا۔ تو زبانِ وحی ترجمان نے صرف یہ ارشاد فرمایا اور بس۔ اِذَا هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ یعنی جب خسرو پرویز مرجائے گا تو اُس کے بعد اُس کی حکومت کا یہ کسروانی دبدبہ اور اُس کی وہ صولت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی جس کے غرور میں اُس نے پیغامِ حق کے ساتھ یہ گستاخانہ جرأت کی۔ اور فرمایا اَنْ يُمَزَّقُوْا كُلَّ مُمَزَّقٍ۔ اے خدا جس طرح کسریٰ نے "پیغامِ حق کو" چاک کردیا اسی طرح تو بھی اس حکومت کو پارہ پارہ کردے۔ تو مستقبل نے اس کا کیا جواب دیا؟ وہی جواب جو ایک پیغمبر کی معجزنما پیشگوئی یا دعا کا اثر ہونا چاہیے تھا۔

تاریخ شاہد ہے کہ "پرویز" کی ہلاکت کے بعد ایرانی حکومت کی نہ صرف کسروانی سطوت ہی کا خاتمہ ہوگیا بلکہ سرے سے حکومت کا ہی جنازہ نکل گیا۔

اور تم یہ نہ کہنا کہ "پرویز" کے بعد اگر "درفشِ کادیانی" کا اقتدار فنا ہو ابھی تو کیا خود پرویز کی گستاخانہ حرکت کا اس کو کیا جواب ملا؟ اس لئے کہ اوراقِ تاریخ ابھی تک شاہد ہیں کہ جب پرویز نے انتہائی تمکنت کے ساتھ "باذان" گورنر یمن کو آپ کی گرفتاری کے لئے حکم بھیجا اور باذان نے تعمیلِ حکم میں "بابویہ" کو خدمتِ اقدس میں روانہ کیا ہے تو چند روز کے بعد دربارِ قدسی سے یہ جواب ملا کہ جاؤ

آج شب میں میرے خدا نے اُس کی قسمت کا پانسہ پلٹ دیا جس نے اپنی شوکت وصولت کے غرور میں مجھکو گرفتار کرنے کے لئے تمکو بھیجا ہے وہ اپنے بیٹے "شیرویہ" کے ہاتھ سے

سلہ درفش کادیانی۔ ایرانی حکومت کا مشہور پرچم یا بیش بہا چھوٹا سا نشان تھا جس کے متعلق انکا اعتقاد تھا کہ اسکا جنگ میں موجود رہنا فتح کا پیش خیمہ ہے ۱۲

مارا گیا۔ اور بالآخر چند ہی روز میں "باذان" نے خود شیرویہ سے وہ سب کچھ سُن لیا جو زبانِ معجز بیان نے "بابویہ" سے بیان فرمایا تھا۔

اب تم ہی فیصلہ کرو کہ اُس مقدس ہستی کا پیغمبرانہ شان سے ان امور کے متعلق ارشاد فرمانا، اور خدائے قدوس کی جانب سے اُس کی تصدیق میں حرف حرف کا پورا ہونا اُس کی معجزانہ صداقت، اور پیغمبرانہ رفعت پر زندہ شہادت نہیں تو اور کیا ہے؟

اور اس قسم کا معاملہ صرف ایک پرویز ہی کے ساتھ پیش نہیں آیا۔ ورق گردانی کرو صفحاتِ گذشتہ کی اور دیکھو کہ قیصرِ روم، عزیزِ مصر، شاہِ دمشق، یہ اور ان ہی طرح کے اُن دوسرے بادشاہوں کو "کہ جنہوں نے قبولِ حق کے مقابلہ میں دنیا کی عار کو ترجیح دی یا حکومت کے نشہ نے اُن کو امتیازِ حق و باطل کا موقعہ ہی نہ دیا اور یا قصداً اُنھوں نے اس مقدس وجود کے پیغامات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا" کہ وہ بہت تھوڑی مدت کے اندر اندر اپنی عزت و جاہ، اور حشمت و سطوت کو کس طرح کھو بیٹھے؟ اور جس حکومت کے نشہ نے اُن کو اسلام کی عزت سے محروم کر دیا تھا وہ بھی دیر تک اُن کا ساتھ نہ دے سکی

اَسْلِم تَسْلَم کا مطلب

پھر ذرا یہ بھی سوچو کہ آپ نے نامہائے مبارک میں ہر ایک بادشاہ کو یہ توجہ دلائی ہے کہ اَسْلِم تَسْلَم "اسلام قبول کر محفوظ رہے گا" یہ کس طرف اشارہ تھا؟ دین و دنیا دونوں کی سلامتی کی جانب! کاش کہ وہ یہ سمجھتے کہ دولتِ اسلام وہ بہترین دولت ہے کہ اگر ہمارے دامن اس سے پُر ہو گئے تو پھر نہ صرف آخرت

کی کامرانی وشادمانی ہی سے ہمکنار ہونا نصیب ہو گا بلکہ ہمیشہ دولت وحکومتِ دنیا سے بھی بہرہ اندوز و فیضیاب رہیں گے۔

اس لئے کہ یہ قول کسی فقیر وجوگی کا قول نہ تھا جو بیچارگی اور مجبوری کی راہ سے خوشامدانہ لہجہ میں کیا گیا ہو۔ اور نہ یہ ارشاد کسی دنیوی شاہنشاہ کا تہدیدی حکم تھا کہ بصورتِ عدمِ قبول، نیزہ و تلوار اور توپ و تفنگ اس حکم کی اطاعت پر مجبور و مقہور کرتے۔

بلکہ ان دونوں سے الگ یہ ارشاد ایک پیغمبر کا ارشاد تھا، اور یہ فرمان "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى" کی زبان وحی ترجمان سے خدائے قدوس کا ناطق فیصلہ تھا جو اپنے فیصلہ اور نتیجہ میں اٹل اور اپنے انجام میں نہ مٹنے والا نشان تھا۔

ماضی کے اوراقِ تاریخ کا مطالعہ کرو۔ خسرو پرویز کی گستاخی کا جواب کسی مسلمان کے ہاتھوں نے نہیں دیا بلکہ قدرت نے اس کے بیٹے "شیرویہ" کے ہاتھ سے دلایا۔ شیرویہ خود اپنی کردار کی بدولت فنا کی نیند سو گیا اور عرقِ مقوی کے شوق میں زہر ہلاہل کی شیشی پی کر دنیا کے جاہ وحشم کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ گیا پوران[1] کی نسوانی نزاکت حکومت کے بارِ عظیم کو برداشت نہ کر سکی، اور آخر کار "یزدگرد" کی ظالمانہ حکومت نے ایک طرف رعایا کو بد دل کیا اور دوسری طرف "رستم"[2] کے سمجھانے پا وجود

[1] خسرو کی لڑکی جو شیرویہ کے بعد تخت پر بیٹھی مگر ناکام رہی ۱۲ [2] ایران کا مشہور سردار اور فوجی جنرل تھا۔ قادسیہ کی مشہور جنگ سے پہلے ہر چند یزدگرد کو مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہونے سے روکا اور سمجھایا مگر حاسد دلوں کی رقیبانہ جد و جہد نے اس کو ناکام رکھا اور مسلمانوں سے جنگ پر مجبور کیا ۱۲

مسلمانوں کے ساتھ چپقلش پر آمادہ کر دیا۔ نتیجہ وہی نکلا جو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ کلام کی معجزانہ تصدیق تھی۔

"ہرقل" قیصرِ روم، اور "حارث" شاہِ دمشق سے کس نے کہا تھا کہ یہ سمجھ لینے کے باوجود کہ آپ خدا کے سچے رسول اور پیغمبر ہیں پھر بھی آپ کی اور مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے لئے گھوڑوں کی نعلبندی کرائیں، اور اپنی قوتوں کے مظاہرے اور مسلمانوں کے مرعوب کرنے کے لئے مدینہ منورہ تک جنگ کی خبروں کی اشاعت کرائیں، اور صرف یہی نہیں بلکہ لاکھوں انسانوں کو کلمۂ حق کے مٹانے کے لئے جمع کریں، اور مسلمانوں کے ہر ایک کام میں رکاوٹ ڈالکر بالآخر اس نتیجہ کو پہنچیں إِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو پھر تختِ روم پر کوئی قیصر نظر نہ آئیگا۔ قیصر کے لئے تو یہی کافی تھا کہ اُس نے آپ کی دعوت کو رد کر دیا۔ اور آپ کی تلقین کو قبول نہ کیا۔ اور آپ کی نبوت کے اعتراف کے باوجود اسلام میں داخل نہ ہوا اُسکو چاہئے تھا کہ اپنے مذہب میں رہکر آزادانہ زندگی بسر کرتا، اور خواہ مخواہ مسلمانوں کے درپئے آزار نہ ہوتا۔ مگر وہ سب کچھ ہوا جس کا ہونا مقدر ہو چکا تھا! اور کوئی بھی اس کی مخالفانہ جدوجہد اور کجروی کو نہ روک سکا، اور اس طرح اپنے ہاتھوں اُن نے اپنی ہلاکت مول لی۔

"مقوقس" عزیز مصر سے مسلمان یہ کہنے نہ گئے تھے کہ خدا کے سچے رسول کی رسالت کی تصدیق کے باوجود بھی قیصر کے حکم سے نبرد آزمائی کے لئے مسلمانوں کو "ہل من مبارز" کی دعوت ضرور دینا اور اُن کے مقابلہ کے لئے چڑھ دوڑنا مسلمان تو اس سے جنگ کرنے نہیں گئے تھے، پیغام تو اُس کا اور اُس کے شاہنشاہ کا ہی پہنچا تھا

کہ ہم وہ قوت رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے۔

یا اینہمہ چونکہ جنگ و پیکار کی یہ زندگی خود اُس کی اپنی طبیعت کا نتیجہ نہ تھا بلکہ قیصر کے حکم کی تعمیل تھی اس لئے مسلمانوں سے صلح کی درخواست کی اور مسلمانوں کی کریمانہ سخاوت، اور منتقمانہ جذبات سے بالاتر رحم نے اُس کی چند روزہ حیات کو عزت کے ساتھ گذارنے کا موقعہ دیدیا۔ تاہم پیغمبرانہ پیشگوئی "بَادَ مُلْکُہٗ"[1] اپنا اثر کئے بغیر نہ رہی اور وہ اور اُس کا خاندان ہمیشہ کے لئے مصر کی حکومت سے محروم ہو گیا۔

شاید تم یہ کہو کہ یہ سب حیلہ تھا، بہانہ تھا، مسلمانوں کے ان ممالک پر نبرد آزما ہو کر قابض ہونیکا۔ یا دعوتِ اسلام سے متعلق اُن کے انکار و گستاخیوں کے انتقام کا؟ تو اگر یہ خیال محض متعصبانہ جذبات و معتقدات پر مبنی ہے تو حقیقت اور واقعیت اس سے کوسوں دور ہے۔ نیز بغیر حجت و دلیل کے کسی شخص یا کسی قوم کے ذاتی جذبات و مزعومہ معتقدات دوسروں پر کس طرح حجّت ہو سکتے ہیں؟

اور اگر اس اعتراض کی صداقت تاریخی شہادت کی روشنی میں دکھائی جا سکتی ہے تو پھر تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ ان بادشاہوں کے قبولِ اسلام سے انکار اور نہ صرف انکار بلکہ نامۂ مبارک یا سُفراء کی توہین و تحقیر کے باوجود مسلمانوں نے اپنی جانب سے کبھی اقدام جنگ نہیں کیا اور اگر خود اُن سلاطین نے بھی انتہائی غیظ و غضب میں جنگ کا اقدام چاہا ہے تو بھی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے ہر ممکن طریقہ سے اُس کو ٹالا ہے اور آشتی و صلح کی راہ کو کبھی ہاتھ سے نہیں دیا۔

کیا تاریخ کا یہ واقعہ فراموش کر دیا جائے گا؟ کہ جب قیصرِ روم کے

[1] اُس کی حکومت تباہ ہوئی ۱۲

دربار سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفیر واپس آگیا تو قیصرِ روم، عزیزِ مصر اور شاہِ دمشق سب نے متفق ہو کر صلیبی جہاد کا اعلان کر دیا اور تمام قلمرو حکومت میں نقیب دوڑا دیئے اور شام کے علاقہ میں کئی لاکھ رومیوں کا لشکر مسلمانوں کے استیصال کیلئے جمع کر دیا گیا۔ مسلمانوں کو یہ تمام خبریں برابر پہنچ رہی تھیں۔ اور حارث غسانی نے تو خود رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سفیر سے یہ کہدیا تھا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں جو کچھ تیاریاں میں کر رہا ہوں آنکھوں سے دیکھ لے اور جا کر اپنے پیغمبر اور مسلمانوں کو مطلع کر دے۔ مگر پھر بھی مسلمان خاموش بیٹھے رہے اور انھوں نے دفاعی کارروائی کا بھی اُس وقت تک ارادہ نہ کیا جب تک کہ اُن کو جاسوسوں کے ذریعہ یہ اطلاع نہ مل گئی کہ رومی تبوک کے میدان کو محاذِ جنگ بنا رہے ہیں اور ممکن ہے کہ وہ چار روز میں پیشقدمی کر کے مدینہ کے قریب ہی کسی جگہ پر قابض ہو جائیں۔

اب مسلمان مجبور ہوئے اور چونکہ اپنی جنگی تدابیر کے لحاظ سے وہ مدینہ کو محاذِ جنگ بنانا پسند نہ کرتے تھے اس لئے خود پیشقدمی کر کے تبوک میں جا پہنچے۔

مسلمان اگر ہوس ملک گیری کا شوق رکھتے، اور ان بادشاہوں کے توہین آمیز طرزِ عمل کو اس کا حیلہ بنانا چاہتے تو اُن کے لئے سب سے بہتر موقعہ وہ چیلنج تھا جو حارث غسانی نے غرور و نخوت کے لہجہ میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سفیر کی معرفت دیا تھا لیکن تاریخ گواہ ہے کہ انھوں نے اُس کے خلاف کوئی معاندانہ کارروائی نہیں کی اور سب کچھ سننے کے باوجود بھی خاموش اور اپنے دینی و دنیوی مشاغل میں مصروف رہے اور مسلم و غیر مسلم ایک شہادت بھی ایسی نہیں ملتی کہ مسلمان اُس وقت جنگ کیلئے کوئی بھی تیاری پہلے سے کر رہے تھے۔

پھر جب مجاہدینِ اسلام کا لشکر گرمی اور بھوک کی شدت، اور سامانِ جنگ کی قلت، کے باعث بے سروسامانی کی تکلیف اور وطن سے کوسوں دور مسافرانہ حالت میں سخت صعوبتیں، برداشت کر کے تبوک تک پہنچ گیا تھا" تو یہ دیکھ لینے کے بعد کہ عیسائی لشکر اسلام کے جانباز مجاہدین سے مرعوب ہو کر منتشر ہو گیا" انتقامانہ پالیسی اور آئندہ کے خطرہ کو ہمیشہ کے لئے دور کر دینے کے خیال سے بے جنگ کئے واپس نہ ہوتا اور عیسائیوں کے علاقوں میں پیش قدمی کر کے اُن کو جنگ پر مجبور کر کے ہمیشہ کے لئے اُن کی قوتوں کا خاتمہ کر دیتا۔

مگر ایسا نہ ہوا بلکہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صفت رحمۃ للعالمین سامنے آئی اور لشکرِ اسلام کو حکم ہو گیا کہ جب دشمن، جنگ کے ارادہ کے باوجود جنگ سے گریز کر گیا تو ہم کو بھی درگذر کرنا چاہیئے، اور اپنی تکالیف کا خیال کئے بغیر واپس ہو جانا چاہیئے۔ اس لئے کہ ہمارا مقصد بجا ملک گیری نہیں ہے۔ صرف فتنہ انگیزیوں کی روک تھام یا اُن کا انسداد مطلوب ہے۔ فتنہ جو جماعت اگر اس وقت اپنی فتنہ پردازی سے باز آگئی ہے تو تم بھی درگذرو، اور صلح و آشتی کے ساتھ واپس چلو۔

اور پڑھو تاریخ کے اُن اوراق کو کہ کسریٰ فارس نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انتہائی گستاخی اور توہین کا معاملہ کیا اور اُس پیغمبر کے ساتھ کیا جس کے پیرو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیرو نہ تھے جو وقت پر یہ کہہ بیٹھتے" فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ۔ تو اور تیرا رب چلا جا اور جا کر لڑو ہم تو فتح ہونے تک یہیں بیٹھتے ہیں"۔ بلکہ اُس کے پیرو تو وہ جاں نثار اور فدا کار تھے جنھوں نے بدر کے میدان میں بے سروسامانی، اور تین سو تیرہ کی قلیل تعداد کے باوجود ساز وسامان سے

مسلّح ہزاروں کے جمِّ غفیر کے مقابلہ میں اپنے پیغمبر سے یہ کہہ دیا تھا۔

یارسول اللہ ہم پیروانِ موسیٰ نہیں ہیں کہ آپ کو جواب دے دیں اگر آپ حکم دیں کہ آگ میں کود پڑو تو ہم سب ابھی آگ میں کود جائیں ہم تو یہ کہنے والے ہیں فاذہب اِنّا معکم آپ بسم اللہ کیجئے ہم سب آپ کے پسینہ کی جگہ خون بہانے کو موجود ہیں۔

غرض شمع رسالت کے یہ پروانے اپنی جان، مال، اولاد، اور عزت وآبرو سب کچھ آپ کی ذاتِ اقدس پر نثار کرنے کیلئے موجود تھے پھر بھی آپ نے نہ خسرو سے منتقمانہ جنگ کی اور نہ اُس کے بیٹے شیرَوَیہ اور اُس کی بیٹی پوران سے اور نہ بعد کے کسی ایرانی بادشاہ سے۔ اور نہ آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم نے ان میں سے کسی کے ساتھ تعرض کیا۔ اور یزدگرد سے پہلے کسی شاہِ ایران سے اس گستاخی کا انتقام لیا۔

مگر جب "یزدگرد" نے اپنی بدبختی سے خود ہی عراق، فارس، اور حجاز کی سرحد پر مسلمانوں سے چپقلش شروع کر دی اور باوجود فاروقِ اعظم عمر بن الخطاب کے بار بار طرح دینے اور تنبیہہ کرنے کے، نیز خود ایرانی سردار رستم کے یزدگرد کو عواقبِ جنگ سمجھانے اور مسلمانوں سے تعرض نہ کرنے کی نصیحت کے اپنی ہٹ سے باز نہ آیا تو پھر مسلمانوں نے دکھا دیا کہ وہ ظالم وسرکش، اور بے جا درپئے آزار ہونے والے کے لئے بھی مصداق "ہر فرعونے را موسیٰ" موجود ہیں۔

اب پھر ایک مرتبہ سوچو کہ آپ کا یہ ارشاد "اَسلِم تَسلَم" پیغمبرانہ پیشگوئی، اور معجزانہ پیغام، تھا یا کسی نجومی، وکاہن کی پیشگوئی، اور بادشاہِ ملک گیر کی جنگ کے لئے تہدید تھی؟

اسلم تسلم کا ایک اور نکتہ

نیز اس مقدس جملہ میں اس حقیقت کا بھی اظہار تھا کہ اسلام وہ "دینِ فطرۃ" ہے کہ اسکی بنیاد ہی سلامتی و امن پر قائم ہے۔ اور گویا قبولِ اسلام امن وسلامتی کا بہترین "وثیقہ" اور آخری "سند" ہے۔ اسی لئے اس مذہب وملت کا نام بھی "اسلام" رکھا گیا کہ جس کا مادّہ "سلم" یعنے سلامتی ہے۔

پس اگر ایسے مذہب کو تم نے قبول کر لیا اور ایسے دین کو اپنا شعار بنا لیا تو پھر دین و دنیا کی تمام سلامتی، اور عالمِ زیر و بالا کی تمام شانتی، تمہارے حصہ میں آجائے گی۔ اور ہر قسم کے فتنہ و فساد کی بنیادیں صرف اس ایک نام ہی سے نہ صرف متزلزل ہوجائیں گی بلکہ اُن کی بیخ و بُن بھی باقی نہ رہے گی۔

اور کیوں نہ ہو جبکہ اسلام ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ تمام مذاہب و ادیان، اور کل مِلّتوں، اور دھرموں، کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا، اُن کی حقیقی اور الہامی تعلیمات کو صحیح جانتا، اور اُن کے مقدس نبیوں، رسولوں، اور رشیوں، کو خدا کا برگزیدہ تسلیم کرتا ہے:

وہ خود ساختہ یہودیت" کی طرح نہیں ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو العیاذ باللہ "مسیح دجّال" کہہ کر خدا کی مقدس کتاب "اصل انجیل" کو جھوٹا قرار دے اور اُس مقدس رسول، اور اُس کے معتقدین کے لئے ہر قسم کے ظلم و ستم روا رکھے۔

اور نہ وہ "نو ایجاد عیسوئیت" کی مانند ہے کہ جس نے ان تمام بشارتوں کو محو یا مُحرّف کر کے کہ جن میں خدا کے آخری نبی کی آمد کی بشارت تھی خود عہدِ قدیم "توراۃ" اور عہدِ جدید "انجیل" کو جھٹلایا اور جس طرح یہودیوں نے "راکبِ حمار" کو تسلیم نہ کر کے فتنہ کی بنیاد ڈالی۔ اسی طرح اُنھوں نے "راکبِ جمل" کو قبول نہ کر کے پیغمبرِ اسلام اور مسلمانوں

پر وہ فتنہ سامانی کی کہ اپنے زعم باطل میں اُن کے لئے عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ اگر چہ خدائی فیصلے یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ؎ نے اُن کے تمام حوصلے پست کر دیئے اور اُن کی تمام ظالمانہ حرکات کو باطل کر دکھایا۔

اور نہ اسلام اِس ہندو دھرم کی طرح ہے جو قانونِ قدرت اور فطرۃ کے خلاف صداقت کو صرف اپنے ہی اندر محدود سمجھتا ہے اور خدا کی ان بھیجی ہوئی تعلیمات کو "جو حالات ومقتضیاتِ زمانہ اور انقلابات امم وممالک کے ساتھ ساتھ نازل ہوئیں"۔ اور اُن نبیوں اور رسولوں کو "جو ان تعلیماتِ الٰہی کو لیکر آئے اور عالم کے مختلف حصّوں میں شمع ہدایت دکھاتے رہے"۔ کسی طرح ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔

اور نہ صرف یہ بلکہ انسانی برادری کے ان تمام افراد میں "جو ایک ہی نسل کے افراد اور ایک ہی درخت کے برگ و بار ہیں"۔ اونچ نیچ کا وہ امتیاز قایم کرتا ہے کہ جو تاریخِ عالم میں ہمیشہ فتنہ وفساد کا مظہر اور باہمی منافرت کے جذبات کا باعث رہا ہے۔ اور مذاہب عالم کی تمام تاریخ اس "سیاہ ورق" سے داغدار ہے۔

اسلام تو ان تمام خود ساختہ معتقدات سے جدا اس امر کا صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ میں کوئی "انوکھا"؎ اور "اچھوتا" مذہب نہیں ہوں۔ جس طرح خدا ایک ہے

؎ وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنیوالا ہے اگرچہ کافروں کو شاق ہی کیوں نہ گذرے ۱۲ ؎ قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہدیجے کہ میں پیغمبروں میں کوئی انوکھا پیغمبر نہیں ہوں یعنی میری طرح اقطار عالم میں برابر نبی اور رسول ہوتے اور مخلوق کو ہدایت دیتے آئے ہیں ۱۲

اُسی طرح اُس کی صداقت بھی ایک ہی ہے جو ابتدائے آفرینشِ عالم سے آجتک مختلف صورتوں اور گوناگوں مظاہر میں ہمیشہ ہمیشہ قائم رہی ہے۔

میں ہی خدا کی وہ سچی تعلیم ہوں جو ابتداءِ آفرینشِ انسانی سے آجتک ایک ہی بنیاد پر قائم ہے صرف حالاتِ زمانہ اور ممالک وامم کے مقتضیات کے مطابق خدا کے سچے پیغمبر آدم علیہ السلام سے آجتک مجھ میں برابر فرعی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں اور جس طرح ہر شے کی ایک ابتدار اور اُس کی ایک انتہار یا اُس کا ایک دورِ کمال ہوتا ہے اُسی طرح میرا آخری کمال وعروج خاتم النبیین محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ذات قدسی صفات کے ساتھ قدرت کے ہاتھوں نے مقدر کر دیا تھا جو پورا ہوا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا [1]۔ ہاں میرے دورِ کمال، اور زمانۂ عروج، کی یہ خصوصیت ہے کہ میں تمام ادیان ومذاہب الٰہی اور اُن کے مقدس پیشواؤں کو سچا، اور اُن کی سچی تعلیم کو حق تسلیم کرتے ہوئے اُن مذاہب کے تمام غلط ایجادات واختراعات کو جو کہ اہل مذاہب نے بعد میں پیدا کر دی ہیں۔ اصلاح کر کے دین الٰہی کی اصل شکل وصورت کو ظاہر کرتا ہوں۔

پس میں خدا کے ہر سچے نبی اور رسول اور رشی ومنی کو مقدس مانتا، اور اُن کی حقیقی اور اصلی تعلیمات کو قطعاً صحیح تسلیم کرتا ہوں اور اپنے معتقدین پر بعض کا نام لیکر اور اُن کے حالات سنا کر اور بعض کا صرف اجمالی ذکر کر کے سب پر ایمان واعتقاد

---

[1] آج کے روز میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور میں نے تمہارے لئے دین" اسلام" پسند کر لیا ۱۲

فرق قرار دیتا ہوں۔ "منھم من قصصنا علیک ومنھم من لم نقصص علیک"
اور یہ یقین دلاتا ہوں کہ ملکوں اور قوموں کا کوئی دور ایسا نہیں گذرا کہ جس میں خدا کی طرف سے اُن کے پاس پیغمبر یا ہادی نہ آئے ہوں۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ۔

اور ببانگ دہل یہ پکار کر کہتا ہوں۔

قُلْ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی	کہدیجے اے اہلِ کتاب آؤ اس کلمہ کی طرف جو
کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ	ہمارے اور تمہارے درمیان مساوی ہے
لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ	یہ کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں
بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا	اور نہ کسی کو اُس کا شریک قرار دیں اور نہ
بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ	اللہ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو رب
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا	بنائیں۔ پس اگر وہ اس کو نہ مانیں تو کہدو گواہ رہو کہ
بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ	ہم تو خدا کے ہی فرمانبردار ہیں۔

اب تم ہی انصاف کرو کہ جو مذہب' خدا کی تمام سچی کتابوں' اُس کے سچے پیغمبروں' نبیوں' اور رشیوں' کی عظمت ضروری قرار دیتا' اور اُن پر ایمان و اعتقاد و مذہب کا جزو بتاتا ہو۔ سلامتی و شانتی اس مذہب میں ہے۔ یا اُن مذاہب میں جو صداقتِ الٰہی کو صرف اپنے ہی اندر مخصوص مان کر دوسرے تمام مذاہب' اُن کی کتابوں' اور نبیوں کی سچی اور حقیقی تعلیم کا انکار کرتے ہوں۔

لے ان میں سے بعض رسول وہ ہیں جن کا ذکر ہم نے تم کو سنا دیا اور بعض وہ ہیں جن کا ذکر ہم نے نہیں سنایا ہے۔ ۲ے اور کوئی جماعت ایسی نہیں ہے جن میں ہمارا نذیر نہ آیا ہو۔

اور نہ صرف انکار بلکہ اُن کی مخالفت اور اُن کی توہین و تحقیر کو مذہب کا اہم جزو سمجھتے ہوں۔

راعی اور رعیّت

نامہائے مبارک میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کسرے کو یہ تحریر فرمایا تھا "فَإِنْ أَبَيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْمَجُوسِ"۔ اور قیصر کو تحریر فرمایا "فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْأَرِيسِيِّينَ"۔ اور عزیزِ مصر کو "فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْقِبْطِ"۔ تحریر فرمایا ان سب کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا تو تمہاری تمام رعایا کا وبال تمہاری گردن پر ہے۔

آپ کا یہ ارشادِ مبارک صرف اس ایک معاملہ سے ہی متعلق نہیں ہے بلکہ اس کلام بلاغت نظام نے قانونِ الٰہی کی ایک اہم دفعہ پر روشنی ڈالی ہے جو ہمارے شب و روز کے ہزاروں معاملات میں دلیلِ راہ کا کام دے سکتی ہے۔ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ "راعی" سردار، حاکم، پیشوا، اور بادشاہ کی زندگی اُس کی تنہا، اور انفرادی، زندگی نہیں ہے اور اُس کے عمل و بے عملی، انکار و اثبات کا اثر صرف اُسی کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ ایک حکمران کی غفلت، ماتحت حکام اور اُن کے بعد خود رعایا کی غفلت وجمود کا باعث بن جایا کرتی ہے۔ اور ایک حاکمِ ذی اختیار کا ظلم، تمام عملہ اور پھر رعایا میں باہمی ظلم و عدوان کا موجب ہو جاتا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ نے اسی حقیقت کو اس شعر میں ادا فرمایا ہے ؎

بہ نیم بیضہ کہ سلطان ستم روا دارد زنند لشکریانش ہزار مرغ بسیخ

اسی طرح بادشاہ یا کسی حاکم کا عدل و انصاف، نظم و ضبط، تمام عملہ اور رعایا کے درمیان خود بخود احساسِ فرائض کا داعی بنجاتا ہے۔ اور مذہبی زندگی میں تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ ایک مقتدر عالم، مذہبی رہنما، اگر اپنی مذہبی ذمہ داری کو صحیح طور پر محسوس کرتا اور اُس پر عامل ہوتا ہے۔ تو پھر پیرو اور معتقدین کے لئے کسی وعظ و تلقین کی بھی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ خود اُس کا عمل اور اُس کا احساسِ فرض، اُن کے لئے مستقل واعظ و ہادی بن جاتا ہے۔ اور اگر یہ نہیں تو عالمِ بے عمل کے لاکھوں وعظ اور کروروں نصائح بھی اُن کے لئے مشعلِ ہدایت نہیں بن سکتے۔

غرض راعی کا کردار، اُس کی گفتار، اُس کا عمل، اور اُس کی بے عملی، فرض شناسی، اور فرض ناشناسی، سے رعایا پر تاثر ایک "فطری امر" اور "قدرتی نظام" ہے۔ اسی لئے ارشاد ہے: "كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ" تم میں سے ہر شخص اپنے متعلقین اور ماتحت جماعت کے لئے "راعی" ہے اور تم میں سے ہر شخص اپنی رعیت کے بارہ میں جوابدہ ہے۔

پس خسرو پرویز، قیصرِ روم اور عزیزِ مصر، یہ اور اسی قسم کے دوسرے سلاطین اگر اسلام قبول کر لیتے تو پھر فارس، روم اور مصر کی رعایا کو جدا جدا دعوتِ اسلام پیش کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ بلکہ اُن کے بادشاہوں، اور حکمرانوں، کا عمل خود اُن کے لئے دلیلِ راہ بنجاتا اور وہ سب کے سب برضا و رغبت مشرف باسلام ہو جاتے۔ جس طرح کہ نجاشی شاہ حبشہ، شاہِ یمن، اور شاہانِ حمیر کے قبول اسلام کا اُن کی رعایا پر اثر پڑا اور وہ سب اُسی وقت یا قلیل عرصہ کے بعد

مشرف باسلام ہو گئے۔

يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ

تم نے نامہائے مبارک میں اس امتیاز کو بھی دیکھا ہے کہ جو نامجات آپ نے اہلِ کتاب بادشاہوں کے لئے تحریر فرمائے ہیں ان میں "اَسْلِمْ تَسْلَمْ" کے بعد "يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ" بھی ہے۔

یعنی اہلِ کتاب کو یہ بشارت سُنائی ہے کہ اگر تم نے اسلام قبول کر لیا تو اللہ تعالےٰ تم کو دوہرا اجر عطا فرمائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہبی، دینی اعتقاد ایک ایسی شی ہے کہ انسان شروع میں جس قدر اس قلادہ کو گردن میں ڈالتے، اور اس پابندی کو خود پر عائد کرتے ہوئے گھبراتا ہے۔ پابندی قبول کر لینے اور اس قلادہ کو گردن میں پہن لینے کے بعد پھر اُس سے آزادی، اور گلو خلاصی کے خلاف سخت بھی اسقدر ہو جاتا ہے کہ جان و مال، اہل و عیال، اور عزت و حرمت، سب کو تج دینا گوارا کر لیتا ہے مگر اُس کو نہیں چھوڑتا۔ اور یہ ایک ایک ایسی حقیقت ہے جس کے شواہد و نظائر، تاریخِ عالم میں ایک، دو، نہیں بلکہ ہزاروں ملجائیں گے۔

اس لئے اسلام کے داعی، پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "دینِ فطرۃ" کی دعوت کے وقت فطرت کے اس قانون کا لحاظ ضروری سمجھتے ہوئے اہل کتاب پر یہ بھی واضح فرما دیا کہ تم یہ خیال نہ کرنا کہ اگر ہم اس "نبی" صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے اور اُس کو خدا کا سچا رسول و پیغمبر تسلیم کر لیا۔ تو دینِ عیسوی یا دینِ موسوی کی آج تک کی پیروی اور حضرت عیسیٰ و حضرت موسیٰ علیہما الصلوٰۃ

والسلام پر ایمان واعتقاد سے متعلق تمام زندگی یونہی رائیگاں چلی جائے گی جس کے ضائع کردینے کے لئے ہم ایک لمحہ کے لئے بھی تیار نہیں۔ اس لئے کہ جس طرح میں خدا کا پیغمبر اور اُس کا سچا رسول ہوں اُسی طرح اس سے پہلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خصوصاً حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام بھی خدا کے سچے پیغمبر اور رسول ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ میں خدا کا آخری پیغام لیکر آیا ہوں۔ اور خاتم النبیین ہوں، میرا دین، ناسخ ادیان ہے، اور میری ملت دنیا کی آخری ملت ہے۔ پس تمہارا وہ اعتقاد جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام پر آجتک رہا ہے اگر اُس کے ساتھ ہی مجھ کو بھی خدا کا پیغمبر اور آخری رسول مان لو تو تمہارے لئے خدا کے پاس دوہرا اجر ہے[1]۔ اور میرے آنے سے قبل جس طرح تم ایک خدائی مذہب کے پیرو تھے آج میرے آنے کے بعد مجھکو قبول کر لینے سے بشارت آلٰہی کی بے نہایت ولا محدود آغوشِ رحمت میں آجاؤ گے[2]۔ ورنہ تو درصورتِ انکار

---

[1] حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین شخص ہیں جن کو دوہرا اجر ملے گا۔ ۱) اہلِ کتاب جو دو مرتبہ ایمان لایا۔ (ایک اپنے نبی پر دوبارہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر) ۲) وہ غلام جس نے آقا اور خدا دونوں کا حق ادا کیا۔ ۳) وہ شخص جس نے اپنی باندی کو تعلیم دی، ادب سکھایا اور پھر آزاد کرکے اُس سے نکاح کر لیا (بخاری)

[2] درحقیقت آپ کا ارشاد "یؤتک اللہ اجرک مرتین" قرآن عزیز کی اس آیت کریمہ سے مستنبط ہے۔ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِن قَبْلِهِ هُم بِهِ يُؤْمِنُونَ ۔ وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ۔ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا (قصص)

خود تورات، و انجیل، و زبور، و صحائفِ انبیاء اور آدم (علیہ السلام) سے آج تک تمام انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام میرے نبی اور خاتم النبیین ہونے کی بشارت دیتے چلے آئے ہیں[۱]۔

[۱] کتبِ احادیث میں جب نامہائے مبارک کی یہ احادیث آتی ہیں تو اس جملہ "یُؤتِكَ اللهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ" کے متعلق بعض اصحابِ درس علماء کرام کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح قبولِ اسلام سے یہود و نصاریٰ کا اجر امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن افراد سے بڑھ جائیگا جو اہلِ کتاب نہیں اور صرف ذاتِ اقدس ہی کے کمالاتِ نبوت دیکھ کر آپ کے شیدائی اور جاں نثار بنے ہیں حالانکہ عقل کا مقتضا یہ ہے کہ کسی بات کے تسلیم کرنے میں باخبر شخص کے مقابلہ میں بے خبر زیادہ قابلِ داد و تحسین ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اپنے پیغمبر پر ایمان لانے کی سعادت میں اہلِ کتاب اگرچہ یقیناً دوہرے اجر کے مستحق ہیں۔ مگر امتِ محمدیہ کے دوسرے شیدائیوں کا اکہرا اجر اہلِ کتاب کے دوہرے اجر کے مساوی ہوگا یا اُس سے بھی بڑھ جائے گا۔

واللہ اعلم بحقیقۃ الحال میرے خیالِ ناقص میں تو یہ آتا ہے کہ جبکہ نامہائے مبارک اہلِ کتاب اور غیر اہلِ کتاب دونوں قسم کے افراد کے پاس بھیجے گئے اور زبانِ وحی ترجمان نے اہلِ کتاب کے لئے اس شرف کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، اور دوسروں کے لئے فقط "أَسْلِمْ تَسْلَمْ" ہی ارشاد ہوا، تو اہلِ کتاب کے اس شرف کو دوسروں کے مقابلہ میں بغیر کسی تاویل و توجیہ کے تسلیم کرنا چاہیئے۔ اور دوسری جماعت کے اکہرے اجر کو "اجرک مرتین" کے مساوی کرنا یا اُس سے بڑھانا حدیث اور قرآن عزیز کے بیان کردہ خصوصی (بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھو)

دعوتِ وحدتِ کلمہ

نیز تم نے یہ بھی دیکھا کہ اہلِ کتاب کو جو نامہائے مبارک لکھے گئے ہیں اُن میں یہ آیت مسطور ہے۔ قُلْ یَآ اَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ الآیہ۔ اور کسرٰی پرویز "جو کہ مجوسی تھا" اور دیگر مشرک سرداروں کے نام کے نامجات اس آیت سے خالی ہیں۔ اور ہونا بھی یہی چاہیئے تھا؟ اس لئے کہ جبکہ اہلِ کتاب، الہامی کتابوں توراۃ، زبور، انجیل، اور دیگر صحفِ انبیاء علیہم السلام کے قائل ہیں۔ اور خدا کی یہ تمام سچی کتابیں شرک سے بیزاری، اور توحید سے محبت و اعتقاد کی معلّم تھیں تو ان تمام جماعتوں کو جو کہ ان کتابوں پر ایمان رکھتی ہیں، اس کلمہ "توحید" کی یاد دہانی کرانا اور "سواءٍ بیننا و بینکم" کہکر اُن کو ملزم قرار دینا، بالکل بجا اور درست ہے۔ تاکہ وہ غور کریں۔ اور سوچیں کہ خدا کے سوا دوسروں کیساتھ خدا کا سا معاملہ، اور "تثلیث" کا عقیدہ واقعی کتبِ سماوی کا عقیدہ ہے یا خود ساختہ کلیساؤں کی تعلیم کا نو پیدا عقیدہ؟

(بقیہ صفحۂ گذشتہ) شرف کی "حلاوت" اور اُس کی "روح" کو گم کر دینا ہے۔ ہاں افراد و اشخاص کے انفرادی ایمان و اعتقاد کا تفوّق اور اُس کی برتری یقیناً اس مقابلہ سے جدا اور حدیث اور قرآنی آیۃ کے مفہوم سے الگ ہے۔ ظاہر ہے کہ صدیقِ اکبر، فاروقِ اعظم، ذی النورین، حیدرِ کرار، رضی اللہ عنہم کی ایمانی قوت کا تفوق اور اُس کی برتری حضرت عبداللہ بن سلام، کعب احبار اور وہب بن منبہ کے اجرِ ایمانی سے خدا جانے کس قدر اعلیٰ و ارفع ہے۔ رہا سوال میں بےخبر و باخبر کے تفاوت کا عقلی نکتہ سو اس کے متعلق ہم تفصیل سے ظاہر کر چکے ہیں کہ اہلِ کتاب کے لئے دوہرا اجر فطرت اور عقلِ سلیم کے کس قدر مطابق ہے؟

بخلاف مشرکین، اور مجوسی، بادشاہوں کے کہ اُن کے مذہب کی ابتدائی بنیاد اور اُن کے عقیدہ کی عمارت کی پہلی اینٹ ہی "اَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُوْنَ" پر قائم تھی تو اُن کے لئے اسی قدر کافی تھا کہ فقط اُن کو دینِ حق "اسلام" کی طرف دعوت دی جائے اور قبولِ اسلام کی صورت میں دین و دنیا کی سلامتی کا پیغام سُنایا جائے۔

اہلِ کتاب اور مشرکین و مجوس کے درمیان باہمی امتیازی شان کی ایک زندہ شہادت یہ امر ہے کہ قیصرِ روم اور عزیزِ مصر کے درباروں میں جب رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا قاصد نامۂ مبارک لیکر جاتا ہے، اور سلاطین سے مکالمت و مخاطبت کی نوبت آتی ہے تو اُن کی تمام گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی الہامی کتابوں میں ایک "نبی منتظر" کی آمد کی بشارتیں پاتے ہیں، اور آپ کے حالات و واقعات سنکر یہ بھی اقرار کر گذرتے ہیں کہ یہی شخص اُن تمام بشارتوں کا مصداق ہے۔ اس لئے اگرچہ دنیوی جاہ کی خاطر وہ قبولِ اسلام سے باز رہے مگر آپ کے ایلچی اور قاصد کے ساتھ حسنِ سلوک، نامۂ مبارک کا احترام، اور آپ کی خدمت میں ہدایا و تحائف کی روانگی، اُن سے عمل میں آئی۔

اور اس کے برعکس "خسرو پرویز" کسریٰ، فارس چونکہ الہامی کتابوں کی بشارات سے ناآشنا، نبی منتظر کی صفات سے بے خبر، اور کسی خاتم النبیین پیغمبر کی آمد کا قائل نہ تھا۔ اس لئے اس کو آپ کا پیغام سخت گراں معلوم ہوا۔ اور آپ کی "دعوتِ اسلام" نہایت شاق گذری۔ اور اس نے غیظ و غضب میں نامۂ مبارک کے ساتھ انتہائی گستاخی اور بے ادبی کا معاملہ کیا۔

مسیلمۂ کذاب اور فیصلۂ نبوی

تم نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نامہائے مبارک میں اُس دعوتِ اسلام کا بھی ذکر پاتے ہو جو مسیلمۂ کذاب کو دی گئی تھی پس کیا تم نے اس واقعہ کی اصل حقیقت کو پہچانا اور اُس پر غور کیا؟ یا تم بھی برخود غلط اُن ہی "مدعیانِ محبتِ اسلام" کے ایک رکن ہو جن کا جذبۂ رواداری و وسعتِ خیالی، اس کا بھی متحمل نہیں ہے کہ ضروریاتِ دین اور مسلّمہ اصول کے صریح انکار کے باوجود بھی کسی نام نہاد مدعی اسلام کو اسلامی برادری سے خارج سمجھا جائے اور کسی ایک فرد، یا ایک جماعت، کے الحاد و زندقہ کو ظاہر کر کے تمام اسلامی جماعت کے صحیح عقائد و ایمانیات کا تحفظ کیا جائے۔ اگر ایسا ہے؟ تو تم ایک مرتبہ پھر اس واقعہ کو پڑھو، اور چشمِ حقیقت بیں سے دیکھو، مسیلمہ اور اُس کی جماعت کے اقرارِ توحید، اور رسالتِ رسولِ کریم، کی تصدیق کو دیکھو، اور پھر خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ پر نظر ڈالو، تاکہ معاملہ کی حقیقی صورت تمہارے سامنے روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے۔

مسیلمۂ کذاب کا وہ خط جو اُس نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کے جواب میں لکھا ہے، اور اُس کی وہ زبانی گفتگو جو مدینہ آکر دربارِ قدسی میں بالمشافہ ہوئی ہے دونوں اس بات کا صاف صاف پتہ دیتے ہیں کہ اُس کو نہ توحیدِ اسلامی سے اختلاف ہے اور نہ وہ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا منکر ہے بلکہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے اقرار میں وہ دوسرے تمام مسلمانوں کے شریک ہے یا یوں کہئے کہ مسیلمہ توحیدِ الٰہی، اور رسالتِ محمدی، دونوں کا اقرار کرتا اور اس اعتبار سے خود کو مسلمان ہی سمجھتا تھا۔ اُس کا اگر کوئی مطالبہ تھا تو فقط یہ کہ نبی اکرم صلے اللہ

علیہ وسلم اپنی نبوت کے زیرِ اثر ایک محدود حصّہ میں اس کی نبوت کو بھی تسلیم کرلیں' یا یوں کہئیے کہ حکومت کو مان لیں۔ حتیٰ کہ بعض اصحابِ سیر نے صراحت کی ہے کہ مسیلمہ کی مسجد کا مؤذن اذان میں اشھدان لا الٰہ الا اللہ اور اشھدان محمداً رسول اللہ اسی طرح پڑھتا تھا جس طرح مسلمانوں کی اذان میں پڑھا جاتا ہے البتہ مسیلمہ کی نبوت کی شہادت کا اور اضافہ کرتا تھا۔

مگر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم صرف اسی ایک جرم میں کہ وہ نبوت کا مدعی تھا اُس کے اقرارِ توحید' اقرارِ رسالت محمدی' اور مدعی اسلام ہونے کو ہرگز قبول نہیں فرماتے۔ اور اُس کو "جماعت مسلمین" سے خارج کرکے کذابِ لعین' اور مردود قرار دیتے ہیں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ صدیقِ اکبر کے زمانہ میں اس عقیدہ کی پاداش میں مرتد قرار دیا جاکر وحشی کے ہاتھوں رسوائی کے ساتھ مارا جاتا ہے بلکہ اُس کے اس ذلت سے مارے جانے کی تصویب خود زبانِ وحی ترجمان سے اُن الفاظ سے ظاہر ہو جاتی ہے جو پیغمبرانہ شان کے ساتھ آنے والے واقعات کے سلسلہ میں گاہے گاہے بطور پیشگوئی ادا ہوا کرتے تھے۔

پھر اس پر بھی غور فرمائیے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیقِ اکبر نے یمن کے مشہور قبیلۂ بنوحنیفہ کے اُن افراد کو بھی مرتد اور خارج از اسلام قرار دیکر قتل کر دینے کا حکم دیا کہ جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اقرار کے ساتھ ساتھ مسیلمہ کی نبوت کا بھی اقرار کرتے تھے۔ صدیقِ اکبر نے اُن پر جہاد کیا' مسیلمہ ذلت سے مارا گیا' اور اُس کے بہت سے معتقدین بھی قتل ہوئے۔ اور صرف اُنہی کو معاف کیا گیا جنہوں نے کلّی طور پر مسیلمہ کی پیروی سے بیزاری کا اظہار کیا۔

اور کیا ہمارے لئے وہ عبرت خیز واقعہ کافی نہیں ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کو ابھی چند ہی روز گذرے ہیں۔ ہر طرف سے دشمن تاک میں ہیں کہ کسی طرح اسلام کا شیرازہ منتشر ہو۔

ایسے نازک وقت میں مسلمان اپنی اکثریت کی بقار' اور اپنی جماعت کے اضافہ کے لئے نام نہاد مسلمانوں کی دلداری و دلجوئی اور اسلامی برادری میں اُن کی شرکت کے لئے جس قدر بھی جد وجہد کرتے وہ ہر طرح بجا و درست تھی۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے جمہور صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی موجودگی میں صاف صاف اعلان کر دیا۔ کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو شخص زکوٰۃ کی ایک رسّی بھی دیا کرتا تھا اور اب دینے سے انکار کر دے تو میں اس کو ہرگز معاف نہ کروں گا۔ اور اُن کے مقابلہ میں جہاد کروں گا۔ اس اعلان کی تمام صحابہ پُرزور تائید کرتے اور ہر طرح اُن کی اعانت کرتے ہیں۔

اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ کیا ہم اور آپ' صدیقِ اکبر اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ اسلام کے شیدائی اور فدائی ہیں یا ہم کو اور آپ کو اُن بزرگوں کے مقابلہ میں "مسلم اکثریت" کا زیادہ شوق ہے کہ جنہوں نے اپنے خون سے کشتِ زارِ اسلام کو سیراب کرکے سرسبز و شاداب بنایا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ جانتے تھے کہ "مانعینِ زکوٰۃ" یا "مسیلمہ اور اُس کا گروہ" باوجود توحید و رسالت کے اقرار کے اس لئے "مسلم" نہیں کہلائے جا سکتے کہ وہ ضروریاتِ اسلام' اور عقائدِ اسلام میں رخنہ پیدا کرکے سادہ لوح اور سچے مسلمانوں کے ایمان و اعتقاد کو متزلزل کر دینگے اور رفتہ رفتہ اسلام ایک با اصول' صحیح' اور

کامل و مکمل مذہب کی بجائے ہر شخص کے مزعومہ عقائد کا ایک ایسا معجونِ مرکب بن جائے گا کہ پھر اُس کو "سوسائٹی" کا مذہب تو کہہ سکیں گے لیکن خدا کا پسندیدہ اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا حقیقی مذہب و دین نہ رہے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ابتدا ہی سے مسلمانوں کے اُس نام نہاد متعفن عضو کو کاٹ کر پھینکدیا جائے تاکہ بقیہ مسلمان اسلام کی اپنی اصلی اور حقیقی روشنی میں دینی و دنیوی معراجِ ترقی پر پہونچ سکیں۔

اور آخر کار وہی ہوا جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی اسلامی فراست نے سمجھا تھا یعنی مانعینِ زکوٰۃ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی متنبی کاذب اور اُن کی مرتد جماعتوں کے استیصال اور ہلاکت کے بعد شجرِ اسلام نے وہ برگ و بار نکالے کہ چند ہی سال میں چار دانگِ عالم میں اسلامی شوکت وسطوت کا ڈنکا بجنے لگا اور ہر سمت اعلاءِ کلمۃ الحق کا منظر نظر آنے لگا۔

بدقسمتی اور بدنصیبی سے اگر ان صحابہ کی مقدس جماعت کی بجائے اُس زمانہ میں ہم اور آپ جیسے محبّانِ اسلام اور شائقینِ اکثریتِ جماعتِ مسلمین ہوتے تو العیاذ باللہ صدیقِ اکبر اور اُن کے مقدس رفقاء (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو بھی "لا نکفّر واا ھل القبلۃ" کا جملہ سُنا کر "مکفّر مولوی" ہی کا لقب دیتے اور نصیبِ اعداء پھر اسلام کی بھی وہی حالت ہوتی جو آج عیسائیت، یہودیت اور ہندو دھرم کی ہے۔ کہ خدا کا منکر بھی عیسائی اور ہندو کہلانے کا مستحق ہے اور ایک خدا کو تین بنانیوالا اور اُس کے ساتھ کروروں شریک ماننے والا بھی اُسی طرح کا عیسائی اور ہندو ہے۔ اگر حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اور کرشن و رام کو خدا

کہے تب بھی عیسائی کا عیسائی اور ہندو کا ہندو ہی رہتا ہے۔ اور اگر ان کو خدا کا بیٹا مانتا ہو تب بھی عیسائیت اور ہندو دھرم کا پرستار ہی شمار ہوتا ہے اور اگر صاف انکار کردے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سری کرشن کے وجود کو ہی تسلیم نہ کرتا ہو۔ تب بھی پکا عیسائی اور خالص ہندو ہی شمار ہوتا ہے۔ غرض جو شخص عیسائی معاشرت یا ہندو معاشرت کا عادی ہے اور اُس کو مانتا ہے تو پھر خواہ اُس کے کچھ ہی عقائد کیوں نہ ہوں وہ عیسائی کا عیسائی اور ہندو کا ہندو ہی رہتا ہے اس لئے کہ اُن کی نگاہ میں مذہب کی حقیقت صرف "سوسائٹی" کے امتیاز اور تعارف کا نام ہے نہ کہ خدا کے بتائے ہوئے خاص الہامی احکامات و اصول کا نام۔ یہی حال آج غریب اسلام کا بھی ہوتا اور حقیقی اور اصلی مذہب کا نام و نشان بھی نظر نہ آتا۔ پس ایسی حالت میں اگر وہ علماء حق کہ جن کا شیوہ "کبھی تکفیر مسلمین" نہیں رہا صرف مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت اور اُنکی ہر دو مقلد جماعتوں کو اس وجہ سے اسلامی برادری سے "خارج" سمجھتے ہیں کہ وہ اسلام کے ساڑھے تیرہ سو سال کے مسلّمہ عقیدہ اور نصِ قرآنی کے صاف اور صریح عقیدہ "ختم نبوت" کا انکار کرتے یا انکار کرنے والے کو اپنا امام اور مقتدا مانتے ہیں۔ اور اس طرح ضروریاتِ دین اور مسلّماتِ اسلام میں رخنہ اندازی کے باعث ہوتے ہیں تو اس میں اُن علماء حق" کا کیا قصور ہے اور پرخود غلط دعوے محبتِ اسلام کے جوش میں ان حامیانِ ملّتِ بیضا پر "کفّر سولوی" کے آوازے کسنے کس طرح جائز و درست ہیں کیا وہ اس آیت سے بالکل بے خبر ہیں۔

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا — جب تمہارے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں

نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ	کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ خدا کے
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ	رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اُس
وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ	کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق
لَكٰذِبُوْنَ۔	اپنی گواہی میں یقیناً کاذب ہیں۔

تکفیرِ اہلِ قبلہ

ممکن ہے کہ تم یہ سوال کرو کہ پھر حدیث مَنْ صَلّٰی صلوٰتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلك المسلم الذی لہٗ ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ[1] (الحدیث) کی کیا مراد ہے۔ سو اول تو صدیقِ اکبر اور تمام صحابہ کے متفقہ فیصلے اور اُس کے صحیح نتائج کے بعد یہ سوال ہی بعد از وقت ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ جس زبان وحی ترجمان سے یہ پاک جملے نکلے ہیں صدیقِ اکبرؓ اور صحابہ کی مقدس جماعت نے اُن کو خود اپنے

[1] بخاری کی اس حدیث کی شرح میں فتح الباری۔ عینی۔ خیر الجاری۔ کرمانی جیسی مشہور و مستند شروح میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب تک کسی شخص کے اعمالِ ظاہری سے کوئی امر احکام الٰہی کے خلاف معلوم نہ ہوتا ہو اُسکو مسلمان ہی سمجھنا چاہیے۔ اور اگر ان تمام اعمالِ ظاہری کے باوجود اس کے دوسرے اعمال یا عقائد (جو اعمال سے بھی زیادہ قابل توجہ ہیں) اصولِ اسلام کے منافی ہیں تو وہ اس حدیث کا مصداق نہیں بن سکتا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں "وفیہ ان امور الناس محمولۃ علی الظاھر فمن اظہر شعار الدین اُجریت علیہ احکام اھلہ ما لم یظہر منہ خلاف ذلك۔ ترجمہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے معاملات ظاہری حالت ہی پر محمول ہونگے پس جو شخص دین کے شعار کو ظاہر کرے اُس پر اہلِ اسلام ہی کے احکام جاری ہونگے جبتک کہ اُس شخص سے اس کے خلاف ظاہر نہ ہو

گوشِ حق نیوش سے سُنا تھا۔ اُنہیں معلوم تھا کہ ان الفاظِ مبارک کا مفہوم کیا ہے، یہ کس موقع کے لئے ادا ہوتے ہیں، اور خطابت کا روئے سخن کس جانب ہے، یہ سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے بعد بھی اُن کا مسیلمہ، اور اسود عنسی اور ان دونوں کی جماعت کو مرتد قرار دینا اور منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف علمِ جہاد بلند کرنا، اس بات کی روشن دلیل ہے کہ مسلّمہ عقائد اور ضروریاتِ دین کے انکار، یا اُن کی باطل تاویل کے بعد کسی شخص کو مسلمان کہلانے کا حق نہیں رہتا۔ اور وہ غیر مسلم جماعتوں سے بھی بدتر "مرتدین" کی جماعت میں داخل ہوجاتا ہے کیونکہ اسلامی قانون بہت سے حالات میں ایک کافر ومشرک، کو پناہ دینا، اور اُس سے دنیوی حیات و معاملات میں اشتراکِ عمل جائز رکھتا ہے، لیکن مرتد کے لئے ان میں سے کسی ایک امر کا بھی روادار نہیں ہے تاہم اگر مسئلہ کی مزید وضاحت مطلوب ہے تو معلوم رہے کہ قرآنِ عزیز، اور حدیثِ پاک کے کلماتِ طیبات کو سطحی نظر سے دیکھنا، اور اُن پر فوراً کسی مسئلہ کی بنیاد قائم کرلینا اکثر مقصد سے دور، اور قرآن و حدیث کی صحیح روشنی سے جدا کردیا کرتا ہے۔ اور بمصداق

تا ثریا میرسد دیوار کج

اس طریقِ کار سے سیکڑوں خطرناک غلطیاں پیدا ہوجایا کرتی ہیں۔

حدیثِ رسول یا نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے خلوت و جلوت کے کلام اور خطابت کا نام ہے[1] اس لئے آپ کے ارشاداتِ عالیہ کے مفہوم کی تعیین کے لئے صرف لغت ہی کافی نہیں ہے بلکہ اصولِ خطابت کے مطابق اُس کے سمجھنے میں سیاق و سباق

---

[1] اصطلاحِ محدثین میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر (یعنی آپ کی موجودگی میں کسی کے عمل و قول پر آپ کا سکوت یا اس کی تصویب) کا نام حدیث ہے ۱۲

محلِ" گفتگو، اور ماحول کی کیفیات، کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔ اور یہ بات کچھ آپ ہی کے کلام کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ دنیا کی تمام خطابت اسی اصول پر مبنی ہے۔

بسا اوقات خطابت و تکلم میں ایک بات کہی جاتی ہے اور الفاظ میں کسی قسم کی کوئی تخصیص و تقیید نہیں ہوتی مگر پھر بھی مخاطبین کیفیتِ کلام، طرزِ تکلّم، اور خارجی حالات، سے اس کلام کو کسی خاص حالت، خاص وقت، یا کسی خاص قید کے ساتھ مقید سمجھتے ہیں اور حقیقت میں متکلم کا مقصود بھی وہی ہوتا ہے جو مخاطبین نے اندازہ کیا ہے۔

اسی لئے محدثین، اور فقہاء مجتہدین، کسی حدیث کے لئے یہ حکم کرتے ہیں کہ یہ خاص جگہ یا خاص وقت کے لئے مخصوص ہے اور کسی حدیث کے متعلق فیصلہ دیتے ہیں کہ یہ عام ہے۔ حالانکہ محض عبارتِ حدیث سے نہ خاص کی خصوصیت کا پتہ چلتا ہے اور نہ عام کی عمومیت کا۔ . . . . حتیٰ کہ بعض اوقات ایک ہی حدیث کے دو جملوں میں سے ایک کے متعلق خصوصیت کا فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ اور دوسرے جملہ کو عام فرماتے ہیں۔ مثلاً ارشادِ نبوی ہے۔ کہ

مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ قبلہ مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔

ظاہر ہے کہ قبلہ کی سمت متعین، اور محسوس ہے۔ کعبہ کوئی عقلی اور خیالی مقام نہیں ہے بلکہ مادّی اجزاء کے ساتھ دنیا میں ایک مخصوص جانب میں واقع ہے اور دنیا کے مختلف ممالک کے طولِ بلد اور عرضِ بلد کے اعتبار سے قبلہ کی جہت ان ممالک کے لئے جدا جدا ہے یعنی جو شہر اور جو ممالک کعبہ سے جانبِ غرب میں واقع ہیں ان کے لئے سمتِ قبلہ مشرق کی جانب ہے اور جو کعبہ سے جانبِ غرب میں واقع ہیں اُن کے لئے قبلہ کی سمت شمال کی جانب ہے۔

نواب اگر حدیث کو صرف عربی ڈکشنری سے ہی حل کیا جائے تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ تمام روئے زمین کے لئے سمتِ قبلہ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے جو جو یقیناً صحیح نہیں ہے اور حدیث العیاذ باللہ بالکل بے معنے اور بے مطلب رہجاتی ہے اس لئے محدثین نے اس حدیث کو اہلِ عراق اور اسی سمت کے ساکنین کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ جن کے اعتبار سے یہ جملہ صحیح المراد ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ارشادِ عالی خاص مخاطبین سے متعلق ہے اور بیان کردہ مقامات میں سے کسی مقام کے تذکرہ میں فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح (حدیث)

لا تستقبلوا القبلۃ ولا تستدبروھا — استنجا کے وقت قبلہ کو رُخ کر کے یا پشت کر کے
ولکن شرّقوا او غرّبوا۔ — نہ بیٹھا کرو بلکہ شرق کی جانب یا غرب کی جانب بیٹھا کرو

کے متعلق کیا کوئی شخص جرأت کر سکتا ہے کہ مقامی کیفیت، اور ماحول کے حالات، سے قطع نظر صرف لغتِ عربی سے اس کے مفہوم کو ادا کر دے۔ اس لئے کہ جو ممالک ایسی سمت پر واقع ہیں کہ اُن سے سمتِ قبلہ مشرق یا غرب میں ہے تو ایسی صورت میں شرّقوا اور غرّبوا پر عمل کرنے سے پہلے جملہ کے صریح خلاف لازم آئیگا اور ایسی حالت میں اُن کو یا استقبالِ قبلہ کرنا پڑے گا یا استدبار۔ اور اگر یہ پہلے جملہ پر عمل کرتے ہیں تو دوسرے جملہ پر عمل ناممکن ہے۔

اسی لئے محدثین اور فقہاءِ مجتہدین نے یہ فیصلہ فرمایا کہ پہلا جملہ تمام عالم کے مسلمانوں کے لئے عام ہے۔ ضروری ہے کہ کوئی مسلمان پیشاب و پاخانہ کی حالت میں قبلہ کو رُخ کرے نہ پشت۔ لیکن دوسرے جملہ یعنی "شرّقوا او غرّبوا" کے صرف اہلِ مدینہ ہی مخاطب ہیں۔

(حاشیہ دوسرے صفحہ پر)

اسی طرح مسئلۂ زیرِ بحث کی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص اگر اپنی زندگی میں صرف ان اعمال سے پہچانا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی سی نماز ادا کرتا ہے مسلمانوں کا ذبیحہ کھاتا ہے اور مسلمانوں کے قبلہ ہی کو اپنا قبلہ سمجھتا ہے تو ایسے شخص کو غیر مسلم سمجھنا یا اُس کو کافر کہنا کسی طرح درست نہیں ہے تاآنکہ اُس سے ایسے افعال و اعمال سرزد ہوں جو اسلام کے مسلمہ عقائد کے خلاف ہوں اور اُس کا عقیدہ صراحتہً اسلام کے عقائد کے برعکس ہو۔

تم غور کرو اس واقعہ کی طرف کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ جہاد میں مصروف ہیں۔ حضرت زیدؓ کے سامنے ایک کافر آجاتا ہے یہ اس کو دیکھ کر تلوار اُٹھاتے ہیں کہ قتل کر دیں وہ شخص کلمۂ توحید پڑھ کر ظاہر کرتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ مگر حضرت زیدؓ یہ کہکر کہ میں جانتا ہوں کہ تو اس وقت کلمہ پڑھ کر اپنی جان بچانا چاہتا ہے" اُس کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ یہ واقعہ جب دربار رسالت میں پیش ہوتا ہے تو آپ کا چہرۂ مبارک غصہ سے تمتما جاتا ہے اور بار بار فرماتے ہیں "ھلاَّ شققت قلبہٗ" تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا حتیٰ کہ آپ کے اس شدید غصہ پر حضرت زیدؓ یہ تمنا کرتے ہیں کہ اے کاشکہ میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔ اور یہ کام مجھ سے سرزد نہ ہوتا۔

اور سوچو اس واقعہ کو کہ ایک توحید کا اقرار کرتا ہے رسالتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم)

(حاشیہ صفحہ ۲۴۹) عہ کیونکہ جو جماعتِ صحابہ دربارِ قدسی میں موجود تھی اُن میں بیشتر حصّہ اہلِ مدینہ کا تھا تو آپ نے ضروری سمجھا کہ صراحت کے ساتھ اس عام حکم کے ماتحت ان کے لئے بھی عملی صورت بیان کر دی جائے۔ اس لئے آپ نے تشرّقوا او غرّبوا ارشاد فرمایا۔

کی شہادت دیتا ہے مسلمانوں کے قبلہ ہی کی طرف نماز پڑھتا ہے، اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھاتا ہے، تاہم نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اُس کو مرتد قرار دیتے ہیں اور صدیقِ اکبر آپ کی پیشگوئی کے مطابق اُس کو قتل کرا دیتے ہیں اور اس کے متبعین، اور مانعینِ زکوٰۃ، ہر دو جماعتوں کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں اور اس بارہ میں اس قدر سختی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کے سوال پر جواب دیتے ہیں۔

تَمَّ الدِّین وانقطع الوحیُ — دین مکمل ہو چکا اور اب وحی منقطع ہو گئی کیا

اَینقُصُ وَاَنَا حیٌّ — یہ ممکن ہے کہ میں زندہ رہوں اور دین میں نقصان آ جائے

معاملہ بالکل صاف ہے۔ تحتِ عنوان ہر دو احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جبتک ایک شخص کی زندگی اور اُس کے عقائد پردہ میں ہیں اور ہم اُس کے صرف انہی چند اعمال سے روشناس ہیں کہ وہ کلمہ گو ہے۔ قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہے مسلمانوں کے ساتھ کھانا پینا رکھتا ہے تو اُس کو مسلمان سمجھو اور خواہ مخواہ بدگمانیاں پیدا کر کے اس پر کفر کا الزام نہ لگاؤ۔ اور فروعی اختلافات کی بنا پر اُس کی تکفیر نہ کرو۔ لیکن اس کے برعکس اگر ایک شخص کرشن کے اوتار، اور عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابن اللہ ہونے کو توحید کے خلاف نہیں جانتا یا نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا انکار کرتا ہے یا اپنی نبوت و رسالت کا اعلان کرتا ہے یا قیامت اور یومِ آخرت کو تسلیم نہیں کرتا تو محض قبلہ رو نماز پڑھنا، مسلمانوں کا ذبیحہ کھانا اُس کے اسلام کے لئے کسی طرح کافی نہیں ہو سکتا اور وہ شخص ہرگز حدیث مَنْ صلّٰی صلوٰتنا الخ کا مصداق نہیں ہے۔ ورنہ معاذ اللہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد۔ قرآنِ کریم اور دیگر احادیثِ صحیحہ کے بتائے ہوئے

مسلّمہ عقائد اور اصولِ اسلام کے بالکل متناقض ہو جاتا ہے جس کو کسی طرح بھی عقل تسلیم نہیں کر سکتی۔ تو اب تم ہی انصاف کرو کہ جو شخص قرآنِ عزیز کی صاف اور صریح نص

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ — محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین (آخری نبی) ہیں۔

کے خلاف اپنے مزعومہ اور خود ساختہ عقائد کی ترویج کرتا ہے اور اس آیت کے مسلّمہ عقیدہ کے خلاف باطل تاویلات کی پناہ میں اپنے نئے مذہب کی اشاعت کرتا ہے تو آپ کی غیرتِ اسلامی کس طرح اس کی اجازت دیتی ہے کہ ایسے کسی ایک شخص یا اُس کی پیرو جماعت کو اسلام کی سند دیکر بقیہ مسلمانوں کی گمراہی کا باعث بنیں اور حقیقی اسلام کی بیخکنی کی امداد و اعانت کا سبب ہوں؟

اور محبتِ اسلام کا یہ کیسا جذبہ ہے کہ قرآنِ عزیز اور اُس کے احکام کی تکذیب اور تاویل باطل کے باوجود بھی ہم اُس کو مسلمان ہی سمجھیں۔ اور اس کے ہاتھوں اسلام کی تخریب ہونے دیں؟

بیشک "تکفیرِ مسلمین" ایک بدترین گناہ ہے اور ایسے افراد یقیناً قابلِ ملامت ہیں جو فروعی اختلافات کی بنا پر اس قبیح فعل کے مرتکب ہوتے ہیں۔

لیکن اس سے بھی زیادہ قابلِ نفرت و ملامت یہ طرزِ عمل ہے کہ اسلام کے عقائدِ مسلّمہ کی بیخکنی اور توہین کرنے والوں، اسلامی شعائر کی مذاق بنانیوالوں، اور قرآنِ عزیز کی نصوص با ہرہ میں دراندازہونے والوں، کو مسلمان ہی سمجھا جائے اور اُن سے ساتھ رسولِ اکرم اور صدیقِ اکبر کے اتباع میں "ملاحدہ" اور "زنادقہ"

کا سا معاملہ رکھنے والوں کو "مکفر مولوی" کا خطاب دیا جائے۔ اور اس طرح حقیقی اسلام کی تباہی و بربادی میں منافقین کی اعانت کیجائے۔

قتلِ مرتد

بات سے بات پیدا ہو جاتی ہے۔ صفحاتِ گذشتہ میں تم سے یہ بھی کہا گیا کہ اسلام ایک مشرک و کافر کو شرک و کفر کی حالت میں بھی پناہ دیتا، اور اُن کے ساتھ معاملات میں اشتراکِ عمل روا رکھتا ہے لیکن "مرتد" کے لئے بجز توبہ یا قتل دوسری کوئی راہ نہیں ہے۔ اسلام اُس کے وجود کو بحالتِ ارتداد ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کرتا اور اُس کے ساتھ ہر قسم کا تعاون حرام قرار دیتا ہے۔

تمہاری روشن خیالی پر شائد یہ نہایت شاق گذرے۔ اور کبھی "لا اِکراہَ فی الدین" کا پیغام اس امر کے خلاف معلوم ہو اور کبھی عقل یہ راہنمائی کرے کہ اگر قبولِ اسلام کے لئے جبر و اکراہ جائز نہیں ہے تو "خروج از اسلام" کی صورت میں کس لئے جبر و اکراہ روا رکھا جا سکتا ہے۔

لیکن اگر تم کو روایاتِ اسلامی اور آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کے مطالب سمجھنے کی خدائے برتر سے کچھ بھی توفیق ارزانی ہوئی ہے تو پھر تم کو اس اشکال کے کے حل کرنے میں زیادہ کنج و کاوش کی نوبت نہ آئے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ مذہب ایک "اجتماعی نظام" کا نام ہے جو معرفتِ کردگار "علم الہیات" اور تہذیبِ نفوس "علم الاخلاق" کے اصول پر مبنی ہے۔ تمام قرآنِ عزیز کو پڑھ جاؤ، احادیث کے تمام اوامر و نواہی کو دیکھو، ہر ایک آیت اور ہر ایک حدیث اسی اجتماعیت کی شاہدِ عادل ہے۔ اعتقادیات و ایمانیات میں، اعمالِ صالحہ

وسیئہ کے اختیار واجتناب میں، تم جس آیتِ قرآنی یا حدیثِ نبوی کو دیکھو گے اس اصول سے خالی نہ پاؤ گے۔

مثلاً اعتقادیات میں ارشاد ہوتا ہے:۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا۔	اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کہدیجے اے اہلِ کتاب آؤ اُسی کلمہ کی طرف جو تمہارے اور ہمارے درمیان برابر ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی شئے کو اُس کا سہیم وشریک ٹھیرائیں
وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ۔	اور تیرے رب نے فیصلہ کردیا ہے کہ اس کے علاوہ ہرگز کسی کی عبادت نہ کرو۔
رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ۔	لوگو تمہارا رب وہ ہے جو سمندر میں تمہارے لئے جہاز چلاتا ہے اس لئے کہ تم اس کے فضل (رزق) کو تلاش کرو۔

یا مثلاً عبادات میں فرمایا گیا ہے:۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ	ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد کے خواہاں ہیں
وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ۔	نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔
وَأَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ۔	رات تک روزے کو پورا کرو۔
وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔	اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں۔

اور معاملات میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وَآتُوا الْيَتٰمٰى اَمْوَالَهُمْ۔	اور یتیموں کو اُن کا مال دو۔
وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ۔	اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔
لَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِاَيْمَانِكُمْ۔	اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ بناؤ۔
وَاذْكُرُوْا اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا۔	اور اس وقت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی پس تم اُس کی نعمت (اسلام) کی وجہ سے سب بھائی بھائی ہوگئے

اسی طرح احادیثِ صحیحہ میں غور فرمائے ارشاد ہوتا ہے۔

عن النعمان قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تری المؤمنین فی تراحمھم وتوادھم وتعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکی عضوٌ تداعی لہ سائر جسدہ	نعمان بن بشیر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو مسلمانوں کو باہمی محبت اور رواداری اور باہمی اعانت و نصرت میں ایک جسم کی طرح پائے گا۔ جیسا کہ جسم کے ایک عضو میں زخم آجانے سے تمام جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے
المسلم کالبنیان یشد بعضہ بعضًا	مسلمان باہم یکدگر مثل بنیاد کے ہیں کہ ایک کا استحکام دوسرے کے ساتھ وابستہ ہے۔
ید اللہ علی الجماعۃ	خدا کی نصرۃ جماعت کے ساتھ ہے۔

رأس العقل بعد الایمان التودّد الی الناس وما استغنیٰ مستبدٌّ برائہ وما ھلك احدٌ من مشورۃٍ فاذا اراد اللّٰہ بعبد ھلکۃً کان اول ما یھلکہ رائہٗ

ایمان کے بعد عقل کی بنیاد لوگوں کے ساتھ محبت و رواداری پر ہے۔ اور جو دوسروں سے بے پرواہ ہو کر مستبدانہ رائے رکھتا ہے سو معلوم رہے کہ آجتک کوئی مشورہ کی بدولت ہلاک نہیں ہوا۔ اور خدا جب کسی بندہ کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اُس کی رائے کا استبداد ہی اُس کو ہلاک کرتا ہے۔

ان آیات و احادیث کو دیکھو اور سوچو کہ قرآنِ عزیز اور احادیثِ شریف نے اعتقادات، عبادات، اور معاملات، میں اجتماعی نظام کی اہمیت کس علوِ شان کے ساتھ ظاہر فرمائی ہے۔ عربی گرامر اور اُس کے بلیغانہ اسلوبِ بیان کے اعتبار سے جمع کے صیغوں کا ہر جگہ استعمال۔ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک اسلام مسلمانوں کی جماعتی زندگی کا نام ہے۔

تو اس طویل داستان کا حاصل یہ ہے کہ اسلام ایک "نظامِ الٰہی" ہے جس کا وجود مسلمانوں کے وحدۃِ اجتماعی پر موقوف ہے اور جس قدر اس اجتماعیت میں فرق آتا ہے۔ حیاتِ اسلامی تنزل کی راہ اختیار کرتی ہے اور جس قدر اس میں ترقی ہوتی ہے اسلام کا وقار بیش از بیش ہوتا ہے، تو ایسی حالت میں جو شخص بھی اس اجتماعیت اور یکجہتی کو برباد کرنے پر آمادہ ہو جائے اگر اُس کو اس راہ سنگِ گراں سمجھ کر فنا کر دیا جائے، اور اس طرح مذہب کی اس وحدۃ کی حفاظت

کر کے اس کو فتنہ سے بچا لیا جائے۔ تو وہ کسی طرح بھی قابلِ نکتہ چینی نہیں ہے بلکہ لائقِ صد ہزار آفریں ہے۔

اس کو اور زیادہ صاف الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ایک شخص جو مسلمان ہے اور وحدتِ اسلامیہ کا ایک رکن سمجھا جاتا ہے وہ جب "ارتداد" پر آمادہ ہو جائے تو درصل وہ مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور مذہبی اجتماعیت میں فتنہ کا ایک ایسا دروازہ کھولتا ہے کہ اگر ابتداء ہی میں اس کا انسداد نہ کیا جائے تو مسلمانوں کی اسلامی زندگی سخت خطرہ میں پڑ جائے۔ اور اعداءِ اسلام کو تباہی اسلام کے لئے ایک زرّیں موقعہ ہاتھ آجائے اسلئے کہ ان کے لئے شب و روز کا یہ مشغلہ بنجائے کہ اول اسلام میں داخل ہو جائیں اور پھر چند روز کے بعد یہ اعلان کر دیا کریں کہ ہم نے اسلام کو ایک غلط مذہب پایا لہٰذا ہم اس کو اب ترک کرتے ہیں۔ اور اس طرح عام مسلمانوں کے دلوں میں ہمیشہ ریب و شک کا بیج بو کر ان کی مذہبی زندگی کو تباہ کرتے رہیں۔

لہٰذا وہ جبر و اکراہ جو اپنی حیاتِ اجتماعی کی حفاظت، اور بقاءِ نظام کی خاطر اختیار کیا جائے مذہب، اخلاق، اور سیاست کسی اعتبار سے بھی مذموم نہیں، بلکہ از بس ضروری ہے۔

سو یہ جبر و اکراہ اگرچہ بظاہر مذہب کے بارہ میں "جبر و اکراہ" معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس شخص کے "ترکِ مذہب" پر جبر نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ وہ اسلامی برادری میں رہتے ہوئے اپنے اس عمل سے نظامِ اجتماعی میں رخنہ انداز ہوتا اور فتنہ پیدا کرتا ہے۔

پس اگر ایک شخص "العیاذ باللہ" مرتد ہوتے ہی دارالاسلام سے دارالحرب کو

چلا گیا، یا اُس نے دار الحرب ہی میں جاکر اسلام کو خیرباد کہا تو شریعتِ اسلامیہ خلیفۂ اسلام کو یہ حکم نہیں کرتی کہ وہ اُس شخص کو دار الحرب سے حاصل کرکے اُس کو "مرتد" ہونے کی سزا دے۔

لہٰذا اس انکشافِ حقیقت کے بعد اب یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ مرتد کی سزا تو بہ یا قتل اُس کو دُوبارہ اسلام پر مجبور کرنے کے لئے ہے۔ بلکہ دوسرے مسلمانوں کے تحفظ اور اسلام کے نظامِ اجتماعی کی حفاظت کی خاطر اُس کے ساتھ یہ طرزِ عمل اختیار کیا جاتا ہے جو ہر طرح عقلِ سلیم کے مطابق ہے

مذہب کے اس حکم سے جدا ہو کر تھوڑی دیر کے لئے تم دنیا کی موجودہ حکومتوں کے نظام پر غور کرو تو تم کو حقیقت بخوبی منکشف ہو جائے گی۔

دیکھو ایک جاپانی یاتری کچھ عرصہ کے لئے انگریزی حکومت میں قیام پذیر ہوتا ہے اور وہ اپنے مخصوص حقوق کی بنا پر برٹش رعایا نہیں کہلاتا بلکہ جاپان یاتری کی رعایا ہی سمجھا جاتا ہے مگر اس حکومت کے علاقہ میں قیام پذیری کے بعد اُس کے تمام قوانین کی اسی طرح پابندی کرتا ہے اور ان کو تسلیم کرتا ہے جس طرح انگریزی حکومت کی رعایا کرتی ہے۔

اور ایک شخص انگریزی رعایا ہونے کے باوجود اس کے قوانین تسلیم نہیں کرتا اور انگلینڈ میں رہکر انگریزوں کے خلاف بغاوت کرتا ہے اور علی الاعلان اپنی بغاوت و سرکشی کا اظہار کرتا رہتا ہے۔ تو اب برٹش حکومت اُس جاپانی یاتری شخص کے ساتھ بہر وہ حسنِ سلوک کرتی، اور اسکی جان و مال اور آبرو کی حفاظت اسی طرح کرتی ہے جس طرح اپنی رعایا کے اشخاص و افراد کی۔

لیکن اُس دوسرے کیلئے باوجود اپنی قوم کے ایک فرد ہونیکے بھی بغاوت اور ملکی امن وامان میں مخل ہونے کی وجہ سے سخت سے سخت سزائیں تجویز کرتی ہے۔ کبھی قید وبند میں ڈالتی ہے۔ کبھی پھانسی کی سزا دیتی ہے اور کبھی جلا وطنی کا حکم صادر کرتی ہے۔ اور اُس کے یہ دونوں عمل بقاءِ نظامِ حکومت کے اعتبار سے فطرت اور نیچر کے عین مطابق سمجھے جاتے ہیں۔

بالکل اسی طرح ایک مشرک وکافر جو اسلامی حکومت کی آغوش میں آگیا اور اس نے اپنی مذہبی آزادی کے ساتھ ساتھ حکومت کے قوانین کو اپنے ذمہ عائد کرلیا ہے تو وہ یقیناً اس کا مستحق ہے۔ کہ اُس کی جان ومال اور اُس کی آبرو اسی طرح محفوظ ہو جس طرح کہ مسلمانوں کی جان ومال اور آبرو۔ اور شریعتِ اسلامیہ کا قانون اُس کی ہر قسم کی حفاظت وصیانت کا اسی طرح ذمہ دار ہو۔

اور ایک اسلام کا باغی "مرتد" جو مسلمانوں کے اندر رہکر نظامِ اسلامی کو برباد اور اس میں رخنہ پیدا کر رہا ہے یقیناً اسی قابل ہے کہ انکارِ توبہ کے بعد اُسکو قتل کردیا جائے۔ تاکہ دوسرے مفسدین کو عبرت ہو اور وہ تبدیلِ مذہب کے نام سے مسلمانوں کی جماعت میں افتراق کی جرأت نہ کرسکیں

اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ فتنہ قتل سے زیادہ سخت چیز ہے۔

مگر یہ عجیب بات ہے کہ دنیوی امن وامان، اور حفاظتِ نظام کی خاطر تو ہمارا یہ طرزِ عمل، تدبر، حسنِ سیاست اور زیرکی، پر مبنی سمجھا جاتا ہے، اور ایسی حکومت پائدار اور امن کی ذمہ دار سمجھی جاتی ہے مگر جب یہی طریقِ کار مذہبی نظام میں استعمال ہوتا ہے تو ہماری روشن خیالی اور وسعتِ قلبی اُس کو تنگ نظری اور ظلم کے بھیانک خطابات سے موسوم کرنے لگتی ہے۔ یہ کیوں؟ غور کرو تو معاملہ صاف ہے دنیوی نظامِ امن اور

تنظیمِ جماعت چونکہ ہمارے سکون و اطمینان کے لئے ہمہ وقت ازبس ضروری ہے اور ہم اُس کا نقصان و فائدہ اس مادی دنیا میں ہر وقت آنکھوں سے دیکھتے ہیں اس لئے ہمارے قلوب میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور اسی لئے اس کے تباہ کرنے والوں، اور اس میں رخنہ انداز ہونے والوں کو دنیا سے نیست و نابود کر دینا انصاف کے خلاف نہیں سمجھتے بلکہ اشد ضروری جانتے ہیں۔ مگر اس کے برعکس مذہب کو ایک تفریح اور دنیا کا ایک غیر ضروری مسئلہ یقین کرتے ہیں[عـ۵] اس لئے اس کے متعلق صرف خوشگوار پہلو بھی قابلِ قبول سمجھا جاتا ہے یعنی اس میں مطلق العنانی ناواجب جرأت و بیباکی، بیجا تخریب، سب مباح بلکہ روشن خیالی کے اعتبار سے مستحسن سمجھی جاتی ہے اور اس کا تلخ و ناگوار پہلو یعنی اس کے تسلیم کے لئے قیود و شرائط، اور اُس کے انکار پر زجر و توبیخ تنگ خیالی، تنگ دلی، کم ظرفی اور جبر و اکراہ کے مختلف عنوانوں کے ساتھ موسوم کی جاتی ہے ؎

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

تبلیغ وجہاد

روبہ بن یوحنّا۔ حاکمِ ایلہ سے جو معاہدہ آپ نے تبوک سے واپسی پر کیا ہے، اُس نے تبلیغ و جہاد کی اصل حقیقت سے بھی نقاب اُٹھا دیا اور ہر دو احکام کے امتیازاتِ خصوصی کو بخوبی واضح کر دیا۔ جس سے عیسائی مشنریوں کے بالخصوص اور دیگر غیر مسلم متعصبین کے بالعموم اس غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈہ کا "کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا" بہتر اور مکمل جواب حاصل ہو جاتا ہے۔ بدقسمتی سے متعصبین کی کوتاہ بینی

عـ۵ نیز اُس کی بھلائی و بُرائی کا انجام ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے ۱۲

اور دشمنوں کی معاندانہ نشر و اشاعت نے ایسے دو اہم فرائض کو جو اپنی اپنی ضروریات کے اعتبار سے دو جدا جدا امور ہیں خلط مبحث کر کے اس طرح پیش کیا ہے کہ ناواقف کی نگاہ میں تبلیغ و جہاد ایک ہی حقیقت کی دو صورتیں اور ایک ہی معنون کے دو عنوان نظر آنے لگے اور ناواقف نگاہ تبلیغِ اسلام میں شمشیرِ آبدار کی چمک دیکھنے لگی۔ اگرچہ اس فرسودہ اور لغو اعتراض کے محققانہ جوابات مسلمانوں کے علاوہ خود غیر مسلم مصنفین محققین کے قلم سے کافی سے زیادہ دیئے جا چکے ہیں۔ اور اب اس بحث کا کوئی گوشہ بھی ایسا باقی نہیں ہے جو تشنۂ دلیل ہو لیکن مختصر مگر شافی بحث اس مقام پر بھی اس لئے مناسب معلوم ہوتی ہے کہ موضوعِ کتاب کا یہ بھی ایک اہم جز ہے اور اگر کتاب اس بحث سے خالی رہتی ہے تو میرے خیال میں اس کا حق پورا نہیں ہوتا۔

جہاد

حقیقتِ حال یہ ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے تیئیس سالہ دورِ نبوت میں سے مکۂ معظمہ کی زندگیِ پاک کا وہ تیرہ سالہ دور ہے کہ جس میں دشمنانِ دین اور اعدائے ملت نے کہ جن میں یگانے بھی ہیں اور بیگانے بھی، آپ کو تبلیغِ اسلام اور اعلانِ حق سے باز رکھنے اور اس میں رکاوٹیں پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور ایذا رہی والم رسانی کا کوئی پہلو بھی ایسا نہ چھوڑا جس کی مشق نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر نہ کیگئی ہو۔ با اینہمہ وحی الٰہی نے انتقام کی اجازت نہ دی اور آپ کی اور آپ کے صحابۂ کرام کی تمام زندگی محض تبلیغ اسلام اور اعلانِ حق میں ہی گذرتی رہی اور اس مقدس جماعت نے اعداء اسلام کی فتنہ پروری اور ایذا رسانی کے خلاف معمولی سا بھی اقدام نہ کیا۔ آپ کی تعلیم

توحید الٰہی، مذمّت شرک، صلہ رحمی، حسن سلوک، عفت، عصمت، اور ہر قسم کے مکارم اخلاق کی تعلیم تھی اور دشمنانِ دین کے ظلم و عدوان کا جواب تو کیا کبھی بد دعا کا کلمہ بھی ان کے لئے زبانِ مبارک سے نہیں فرماتے تھے۔ اور کیسے فرماتے جبکہ قریشِ مکہ کے سخت سے سخت مظالم کے باوجود خدائے برتر کا اپنے محبوب کے لئے یہ حکم تھا۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ۔	آئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم اسی طرح صبر کرو جس طرح عظیم المرتبہ پیغمبروں نے صبر کیا ہے اور ان اعدائے اسلام کے بارہ میں جلدی نہ کرو۔
فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ۔	تم نصیحت کئے جاؤ اس لئے کہ تم ناصح بنا کر بھیجے گئے ہو تم ان پر مسلط نہیں کئے گئے۔
فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ۔	تم صبر کرو ان باتوں پر جو وہ (مشرکین) کہتے ہیں اور اپنے رب کی حمد بیان کرتے رہو۔
نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدًا	جو کچھ وہ کہتے ہیں ہم خوب جانتے ہیں اور تم اُن پر جبر کرنے والے نہیں ہو پس تم قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے رہو۔ اُس شخص کو جو وعید سے ڈرتا ہے

یہ اور اسی قسم کی بے شمار آیات ہیں جن میں آپ کو یہی نصیحت کی گئی ہے کہ آپ صبر آزما خاموشی کے ساتھ تبلیغِ اسلام کا فریضہ ادا کرتے رہیں۔ اور ان کی بیہودگیوں کا کوئی جواب نہ دیں۔ اور اسی پر آپ کا اور آپ کے صحابہ کا عمل رہا۔ لیکن اس عدیم النظیر صبر آزما زندگی کے باوجود قریشِ مکہ کے ظلم و ستم میں ذرّہ برابر فرق نہ آیا۔ حتیٰ کہ وحی الٰہی نے آپ کو اور مسلمانوں کو مکہ سے مدینہ کو ہجرت کر جانے کا حکم سنا دیا۔

اگرچہ ناقابلِ برداشت ظلم وستم سے عاجز ہوکر اس سے پہلے بھی بعض مسلمان حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ مگر اب جبکہ مکہ میں اسلامی زندگی انتہائی خطرہ میں آگئی اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل اور مسلمانوں کے استیصال کا معاملہ بھی "دارالندوہ" میں طے پا گیا۔ تو ہجرتِ مکہ کا حکم ضروری فرائض میں داخل ہوگیا۔ آخرکار ضعیف اور مجبور مسلمانوں کے علاوہ تمام مسلمان مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے۔ اور مکّہ والوں کے لئے میدان خالی ہوگیا۔

اب چاہئے تو یہ تھا کہ قریش اور معاندینِ اسلام کا جوش سرد پڑ جاتا اور مکہ میں من مانی زندگی بسر کرتے اور مسلمانوں سے "جو کہ ان سے منزلوں دور ہو گئے تھے" کسی قسم کا تعرض نہ کرتے۔ اور نیزہ و تلوار کی آزمائش کی بجائے تعلیمِ اسلام کے خلاف دلائل وبراہین کی قوت سے کام لیتے مگر انھوں نے یہ نہ کیا اور مقتضائے طبیعت نے انکو چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ اور یہاں بیٹھے بیٹھے بھی مدینہ میں مسلمانوں کے خلاف مخالفانہ اور معاندانہ سازشیں جاری رکھیں اور نبرد آزمائی شروع کر دی۔

تو اب اس طویل صبر آزما تکالیف و مصائب، وطن سے بے وطنی اور مختلف سازشوں اور قتل کے مشوروں سے درگذر کے باوجود بھی جب معاندینِ مکہ کی فتنہ سامانی میں بیش از بیش اضافہ ہی ہوتا رہا اور نیشِ عقرب کی طرح مقتضائے طبیعت نہ ہر ہی اگلتی رہی تب غیرتِ الٰہی بھی جوش میں آئی اور اُس نے وحی کے ذریعہ حفاظت خود اختیاری اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے "جہاد" کا یہ پہلا حکم سُنایا۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ — اب اُن لوگوں کو بھی جنگ کی اجازت دیجاتی ہے جن کے ساتھ جنگ کی گئی اس لئے کہ وہ

ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ
لَقَدِيْرُ ۝ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ
دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ
يَقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ

مظلوم ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا مگر یہ جنگ اُن کے مقابلہ میں منع ہے جو اللہ کی ربوبیت و توحید کا اقرار کرتے ہوں۔

لیکن جہاد کی اس اجازت کو بھی (جو کہ بیان کردہ مجبوریوں کی وجہ سے دی گئی) ایسی شرائط وقیود کے ساتھ مقید کیا گیا کہ جنگ کی یہ اجازت اعتدال اور حدِّ انصاف سے متجاوز نہ ہو سکے۔ اور اس کو ہوسِ ملک گیری اور ترقیِ جاہ و مال کا وسیلہ نہ بنایا جا سکے۔ لہذا ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ
يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝
وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ
وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ
وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ
وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوْكُمْ فِيْهِ
فَاِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ
كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور اُن لوگوں سے جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں تم بھی جنگ کرو، اور حد سے ہرگز تجاوز نہ ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور اُن کو قتل کرو جس جگہ بھی انکو پاؤ۔ اور تم بھی اُن کو اُس جگہ سے نکالو جس جگہ سے اُنھوں نے تم کو نکالا۔ اور فساد قتل سے زیادہ سخت چیز ہے۔ اور مسجدِ حرام کے نزدیک ان کے ساتھ جنگ مت کرو یہاں تک کہ وہ خود ہی اس جگہ تم سے جنگ کرنے لگیں۔ پس اگر

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ الرَّحِيْمٌ وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝

وہ تم سے جنگ کریں تو تم بھی جنگ کرو۔ کافروں کی سزا یہی ہے۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور ان سے جنگ کرتے رہو یہانتک کہ فتنہ کا استیصال ہوجائے اور دین صرف خدا کے لئے ہی رہجائے۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو پھر تمہاری طرف سے بھی تعدّی نہ ہونی چاہئے۔ مگر ظالموں کے ساتھ۔

اور وحی الٰہی نے جن قیود و شرائط کے ساتھ "جہاد" کی اجازت مرحمت فرمائی تھی خدائے برتر کے برگزیدہ رسول کی پاک زندگی کے مطالعہ کرنے سے تم کو معلوم ہوجائے گا کہ آپ نے اس حکم سے سرِمو تجاوز نہ کیا اور اس مقدس فریضۂ "جہاد" کو صرف قریشِ مکہ ہی تک محدود رکھا۔

چنانچہ سریۂ حمزہ بن عبدالمطلب سریۂ عبیدہ بن الحارث، غزوۂ ودّان اور غزوۂ بواط کے تاریخی واقعات اور مسلمانوں کے ساتھ قریش کا معاندانہ رویہ اس کی زندہ شہادت ہیں۔ مگر قریش کی معاندانہ سرگرمیاں اسی حد تک محدود نہ رہیں اور اُن کے مشتعل جذبات نے اُن کو ایسا برافروختہ کردیا کہ اب مسلمانوں کے استیصال اور اُن کی بیخکنی کے لئے اُن کی نگاہیں اپنی جماعت سے ہٹ کر اطراف وجوانب پر مرکوز ہونے لگیں۔ اُنھوں نے سوچا کہ مسلمان ایسی شئے نہیں ہے کہ جس کو ختم کردینا آسان کام ہو۔ ہماری تنہا طاقت اُن کا بال بیکا نہیں کرسکتی اور اُن کی قوتِ عمل ہماری ہمتوں کو پست

کئے دیتی ہے۔ تو اب ایک دوسری چال چلی اور مذہب اور آباؤ اجداد کی ریت و رسم کے نام پر اطرافِ مکہ کے دوسرے مشرکین کو ابھارنا شروع کیا اور قدیم رواج کے قیام و بقا کے لئے ان کی رگِ حمیّت کو برانگیختہ کیا اور عصبیتِ جاہلیّہ کو درمیان لاکر اُن کو بھی مسلمانوں کا حریف بنجانے کی دعوت دی اور ابوجہل، ابولہب، ابوسفیان، اور عتبہ، جیسے سربرآوردہ و نام آور قریشیوں نے اپنے نقیب بھیجکر تمام قبائل میں جنگ کی آگ لگادی۔

جب مشرکین کے اتحاد و سنگھٹن نے یہ صورت اختیار کر لی تو اب "وحیِ الٰہی" نے بھی مسلمانوں کو اُن کے مقابلہ کی اجازت دیکر پہلی اجازت میں اس طرح وسعت دیدی۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً۔ — اور تم بھی تمام مشرکین سے جنگ کرو جیسا کہ وہ سب ملکر (اور سنگھٹن بناکر) تم سے جنگ کرتے ہیں۔

اور آخر کار غزوۂ بدر کا وہ مشہور تاریخی واقعہ پیش آیا جس نے مشرکینِ مکہ کے کبر و نخوت کو ذلت و رسوائی سے بدل دیا اور مسلمانوں کی حیاتِ ملّی میں نئے باب کا اضافہ کر دیا

اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ قرآنِ عزیز کی اس آیت کا مفہوم

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ — پس مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ اور اُن کے گھات میں بیٹھو ہر جگہ۔

یہی ہے کہ آپ کے زمانہ میں عرب کے تمام مشرکین نے جب مسلمانوں کے خلاف اُن کو مٹانے کے لئے اتفاق و اتحاد کر لیا۔ اور اُن کے تمام گروہ قبائل

اور خاندانی مسلمانوں کے مقابلہ میں پیش قدمی کرکے نبرد آزما ہوگئے تو اب مسلمانوں کو بھی یہ حق ہے کہ وہ بغیر لحاظ قریشی اور غیر قریشی کے تمام مشرکین سے جنگ کریں اور سرزمین عرب کے کسی مشرک کو اپنا حلیف نہ سمجھیں اور اس وقت تک اُن کا مقابلہ کرتے رہیں کہ اُن کا وجود اور اُن کی مفسدانہ زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔

اور ہرگز ہرگز اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ دنیا کے تمام غیر مسلم خواہ وہ معاہد ہوں یا ذمی، حلیف ہوں یا غیر جانبدار اُن پر جہاں دسترس ہو قتل کر ڈالو اور اُن کے قتل کے لئے گھات میں لگے رہو۔ حاشا و کلّا۔ اسلام ایسے احکام سے بری الذمہ ہے۔ اور ایسا کرنے والوں کو غدار اور نظام امن کو تباہ و برباد کرنیوالا سمجھتا ہے۔

آیت کریمہ کے یہ غلط معنے بھی انہی مخالفین و معاندین کی طرف سے ایجاد ہیں جو اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ اسلامی تعلیم اور مسلمانوں کے مذہب کو ظالمانہ و جابرانہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہتے ہیں۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔

(مشرکین) ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں اور اللہ تعالےٰ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اگرچہ کافروں کو ناگوار ہی ہو۔

تاریخ شاہد ہے کہ جنگ و پیکار کے اُن واقعات میں مسلمانوں نے اپنے حریف سے مدافعانہ جدوجہد کے علاوہ کسی دوسری قوم سے ایک لمحہ کے لئے بھی غیر مصالحانہ رویہ نہیں اختیار کیا بلکہ اس کے برعکس نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہودِ مدینہ سے اُن کو اہل کتاب سمجھ کر یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ وہ مسلمانوں

کے ساتھ رواداری اور غیر جانبداری کا معاملہ رکھیں گے اور مشرکین کے ہمنوا نہ بنیں گے اور مسلمان بھی اُن کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہ کریں گے اور اُن کے حلیف بنکر رہیں گے۔

لیکن ایک طرف تو مسلمانوں کی صداقت وحقانیت، اور اُن کے عقائد و اعمال کی سادگی کچھ اس طرح روز بروز مخالفینِ اسلام کے قلوب میں گھر کرتی جاتی تھی کہ وہ جوق در جوق آغوشِ اسلام میں آرہے تھے۔ اور دوسری جانب مشرکین کے مقابلہ میں اُن کی مادّی قوت میں بھی اضافہ ہو رہا تھا پس یہود کی چشمِ حسود اس کو برداشت نہ کرسکی اور اہلِ کتاب ہونے کے باوجود مسلمانوں کو شکست دینے اور اُن کے استیصال میں مشرکین کے ساتھ شریکِ جنگ ہو گئے۔ اور باوجود مسلمانوں سے معاہدہ کر لینے کے مشرکین کی خفیہ وعلانیہ حمایت کرنے لگے۔

اب معاہدہ کی خلاف ورزی، عہد شکنی، مشرکین کے ساتھ خفیہ سازشوں، اور اُن کی علانیہ حمایتوں کے بعد وحی الٰہی نے بھی یہ حکم سُنایا کہ بدعہدی خدا کو ناپسند ہے اور بدعہد و مفسد کی بدعہدی و مفسدہ پردازی کے خلاف جلد جلد ہی امن وعافیت کی راہ کھولتی ہے اور اُن کی پیہم دراندازیوں کے بعد اُن سے درگذر، درحقیقت امن پسند طبائع کی زندگی کو خطرہ میں ڈالکر نظامِ امن کو تباہ و برباد کرتا ہے۔ لہٰذا ارشادِ قرآنی ہے۔

اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاۗءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَاۗىِٕنِيْنَ	اور اگر تم کسی قوم سے خیانت کا خوف کرتے ہو تو تم اُن کو اطلاع دیدو کہ اب ہمارا تمہارا معاہدہ ساقط ہو گیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہود کے محلّوں اور قرب و جوار کے قلعوں میں تشریف لیجا کر ان کی خلاف ورزی پر ملامت کی اور اُن سے ترکِ معاہدہ کا ذکر فرمایا۔ یہود اب بھی صاف دل نہ ہوئے اور منافقانہ رنگ میں اپنی خلاف ورزی اور عہد شکنی پر تاسف کا اظہار کر کے عذر خواہ ہوئے اور آئندہ کے لئے وعدہ کیا کہ پھر اُس کا اعادہ نہ ہوگا۔ مگر حسد کی آگ فرو ہونے والی شئے نہیں ہے دوبارہ بھڑکی اور اس قدر تیز ہوئی کہ اس کے شرارے غزوۂ احزاب کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ آخر مجبور ہو کر غزوۂ خیبر کی نوبت آئی اور بنو نضیر اور بنو قریظہ دونوں مفسد جماعتوں کو اپنے کردار کی پاداش میں وہ روزِ بد دیکھنا نصیب ہوا۔ جو عموماً بد باطن حُسّاد کو دیکھنا پڑتا ہے۔ یعنی بنو نضیر کو جلا وطنی اور بنی قریظہ کو ہلاکت کی سزا ملی۔

اب نصاریٰ ہی کی ایک ایسی جماعت باقی تھی جو بظاہر مسلمانوں سے ابھی تک دست بگریباں نہ تھی اور اگر مشرکین کے معرکوں میں نظر بھی آتی تو بہت معمولی تعداد میں اور وہ بھی خفیہ طریق پر۔ تاہم مشرکین۔ منافقین اور یہود کی ان معرکہ آرائیوں کے نتائج اور مسلمانوں کی روز افزوں ترقی کے اسباب اُن کے پیشِ نظر تھے اس لئے اگرچہ ابھی تک میدان میں نبرد آزما نہ ہوئے تھے مگر آتش زیر پا رہتے اور شعلہ ہائے غضب اُن کے دلوں اور جسموں کو کباب کئے دیتے تھے۔ آخر نہ رہا گیا اور اب انہوں نے بھی بال و پر نکالے اور کبھی مشرکین کے ساتھ اور کبھی مستقل جماعت بنا کر مسلمانوں کو ھَل مِن مبارز کا چیلنج دینے لگے حتیٰ کہ حارث غسانی شاہِ دمشق نے تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے سفیر سے یہ کہہ دیا کہ دیکھ میں تیری موجودگی ہی میں حکم دیتا ہوں کہ گھوڑوں کی نعلبندی کی جائے تاکہ مسلمانوں کے استیصال کے لئے لشکر تیار ہو سکے۔ اور تو خود چشم دید واقعہ کو مسلمانوں اور اُن کے رسول کے سامنے بیان کر دے۔ اور تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ اس کی کوششوں سے قیصرِ روم کے علم کے نیچے کئی لاکھ نصاریٰ کا اجتماع صلیبی جنگ کے لئے جمع ہو گیا۔ اور مسلمانوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ ہونے لگی۔

اب وحی الٰہی نے پھر مسلمانوں کی مدد کی اور مشرکین کی طرح تمام اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کیساتھ بھی اُنکو جہادِ عام کی اجازت مل گئی اور حکم دیدیا گیا کہ۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔	تم اُن لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ آخرت پر اور نہ اللہ اور اُس کے رسول کی حرام کی ہوئی باتوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں اُن لوگوں میں سے جو کتاب دیئے گئے ہیں حتیٰ کہ وہ پستی کے ساتھ خود ہی جزیہ دینے پر آمادہ ہو جاویں۔

بہرحال جہاد کے اُن تمام احکام کو اگر ہم ایک سلسلہ میں منسلک کرنا چاہیں "جو قرآنِ عزیز کی سورۂ انفال اور سورۂ توبہ میں خصوصاً اور دیگر سورتوں میں عموماً پائے جاتے ہیں تو اُن کی ترتیب اس طرح بیان کی جاسکتی ہے۔

(۱) جب ہجرتِ مدینہ کے بعد بھی قریشِ مکہ مسلمانوں کی ایذارسانی سے باز

نہ رہے اور اُن کے استیصال کے لئے جنگ و جدل کی معرکہ آرائی شروع کردی تو آج پہلے دن مسلمانوں کو بھی خدا کی طرف سے صرف قریش کے ساتھ مقابلہ کی اجازت عطا ہوئی۔

(۲) لیکن جب قریش کے برانگیختہ کرنے سے اطراف و جوانب کے مشرکین بھی اُن کے حلیف بنکر مسلمانوں کی بیخکنی پر آمادہ ہوگئے اور پرامن توحید کے شیدائیوں کے مقابلہ میں اُن کی عصبیّتِ جاہلیۃ بھی جوش میں آگئی تو وحی الٰہی نے بھی تمام مشرکین سے جنگ کی اجازت دیدی اور اسی خدائی فیصلہ کو زبانِ وحی ترجمان نے اپنے حکیمانہ جملوں میں اس طرح ادا فرمایا۔

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی يَقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا عَصِمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ ۔ (الحدیث)	مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں (مشرکین) سے اُس وقت تک جنگ کروں کہ وہ خدا کی توحید کے قائل ہوجائیں پس اگر وہ توحیدِ الٰہی کے قائل ہوجائیں تو اُنہوں نے اپنی جان و مال کو محفوظ کر لیا مگر یہ کہ کسی حق کی پاداش میں وہ ماخوذ ہوں اور معاملہ اُن کا خدا کے سپرد ہے۔

یعنی اب ان مشرکین کی ظالمانہ و جابرانہ پالیسی کا یہی جواب ہے کہ یا وہ خود اسلامی برادری میں داخل ہوجائیں اور یا ہمیشہ کے لئے عرب کی سرزمین اُن کے ان مفسدانہ اعمال سے پاک ہوجائے اور مسلمانوں کو خدائے عزوجل کی عبادت اور فرمانبرداری میں امن و اطمینان نصیب ہو۔

(۳) اور جب یہودِ مدینہ نے بھی باوجود دو مرتبہ معاہدۂ صلح کے مشرکین سے سازباز

کر کے ان کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ میں نبرد آزمائی شروع کر دی اور خفیہ و علانیہ اُن کی تباہی کے لئے کارروائیاں کرنے لگے تو مجبوراً مسلمانوں کو بھی اجازت دی گئی کہ وہ اہلِ کتاب کے اس فتنہ پرور گروہ کا جواب دیں اور ترکی بہ ترکی اُن کا مقابلہ کریں۔

(۴) اور جب یہود کی تقلید میں مسلمانوں کی روحانی و مادّی روزافزوں ترقی نصاریٰ کو بھی بے چین کرنے لگی اور مدینہ میں مسلمانوں کی مطمئن زندگی اُن کی آنکھوں میں بھی خار کی طرح کھٹکنے لگی تو اُنھوں نے بھی صلیبی جنگ کا اعلان عام کر دیا اور تبوک کے میدان میں کئی لاکھ کے جمِ غفیر کے ساتھ مسلمانوں کو ہل من مبارز کا چیلنج دینے لگے تو اب خدا کا فرمان ناطق ہوا کہ عام اہلِ کتاب سے تم بھی مقاومت کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ مگر مشرکینِ عرب کے مقابلہ میں اُن کے ساتھ یہ مراعات رکھی کہ اگر وہ اپنے کردار پر پشیمان ہو کر جزیہ دیں اور اس طرح آمادۂ صلح ہوں تو تم کو ضرور صلح کر لینی چاہئے۔ کیونکہ اصل مقصد رفعِ فتنہ اور فساد کا سدِّ باب ہے اور وہ اُس سے حاصل ہو جاتا ہے۔

اب تم ہی انصاف کرو کہ اس میں مسلمانوں کا کیا قصور ہے اور اُن کی خطا کیا ہے؟ عقل، مصلحت، اخلاق اور انصاف پروری، سب کا یہی فیصلہ ہے کہ ان حالات میں مسلمانوں نے جو کچھ اپنے جماعتی نظام، اور حفاظتِ خود اختیاری کیلئے کیا بلاشبہ اُن کو یہی کرنا چاہیئے تھا۔ اور اسی طرح آئندہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کیلئے "جہاد" کا یہ دائمی فیصلہ یقیناً فطر فیصلہ ہے۔ اشاعتِ اسلام، اور تبلیغِ دین، کا اس سے کیا واسطہ اور کیا تعلق؛ جہاد ایک دوسری حقیقت ہے جس کے دواعی و اسباب تبلیغ جیسے اہم مقصد سے قطعاً

چنانچہ آپ کی زندگی کے اُن کارناموں کو جو تبلیغِ اسلام کے لئے اِنہی مقدّس اصول کے ماتحت ظاہر ہوئے تو تم کو نظر آئے گا کہ مکہ معظمہ کی ساری زندگی پاک میں گھر گھر، اور قبیلہ قبیلہ، گھوم کر توحید کا اعلان فرما رہے ہیں۔ کبھی عُکّاظ کے بازار میں نعرۂ حق لگا رہے ہیں تو کبھی ذوالمجاز اور ذوالمجنہ میں تبلیغ حق فرما رہے ہیں، کبھی کعبہ کی دیوار کے نیچے صداقتِ اسلام کا سبق دے رہے ہیں، تو کبھی صفا کی چوٹی پہ پیغامِ الٰہی سُنا رہے ہیں۔ کبھی مکہ میں ہیں تو کبھی طائف میں۔ غرض تیرہ سال اسی طرح خدائے قدوس کے پیغام کو لوگوں کے سامنے پیش فرماتے اور جواب میں ہر قسم کی تکالیف و مصائب جھیلتے رہتے ہیں۔

مدینہ کی زندگی شروع ہوئی تو اسی پیغامِ حق کا کبھی مسجدِ نبوی کے سامنے صُفّہ پر اعلان فرماتے ہیں اور کبھی یہود کے محلّہ میں جاکر حق کی اس آواز کو پہنچاتے ہیں۔ کبھی بنی قریظہ میں ہیں تو کبھی بنی نضیر میں، اور کبھی منافقین کو اخلاص کی دعوت دے رہے ہیں تو کبھی اہلِ کتاب کو اُن کی سابقہ کتابوں سے اپنی صداقت پہ ملزم بنا رہے ہیں۔

مشرکین و اہلِ کتاب کے مختلف قبائل و وفود قریب کی آبادیوں اور دور و دراز کے شہروں سے آتے ہیں۔ اور ہر قسم کے مباحث و تبادلۂ خیالات کے بعد یا زِچ ہو کر واپس جاتے ہیں اور یا خود مسلمان ہو کر اور وطن واپس جاکر اپنی قوم اور اپنی بستی کو اسلام کے نور سے مشرف کرتے رہتے ہیں یہودِ مدینہ کے وفود اور نصاریٰ نجران کے وفود کے مباحثہ و مکالمہ کا کس کو حال معلوم نہیں؟ عبداللہ بن سلام، وہب بن منبّہ، عدی بن حاتم، اصحمہ بن الجبر جیسے یہود

یعنی جب اسلام کی تبلیغ و دعوت کا مقصدِ وحید انجام دیا جائے تو ان اصول کی پابندی ازبس ضروری ہے ورنہ ان کی خلاف ورزی اس مقدس کام کے لئے سخت رکاوٹوں کا باعث ثابت ہوگی۔ اس مقدس فریضہ میں پہلی منزل یہ ہے کہ حکمۃ اور دانائی یعنی دلائلِ ساطعہ اور براہینِ قاطعہ کے ساتھ مخالف کو سمجھا جائے اور اُس کو ہر طرح اطمینان دلایا جائے۔ اور اگر یہ حربہ بھی موثر نہ ہو تو پھر دوسری منزل یہ ہے کہ عمدہ نصائح اور بیش بہا و خوش آئند وعظ و پند کے ذریعہ اس کے دل کو تسکین اور تسلّی دو اور اُس کو اس طرح مانوس کرو کہ حق کی صداقت اور سچائی اُس کے تہِ قلب میں اُتر جائے۔ اور اگر ان دونوں منزلوں پر بھی مقصد حاصل نہ ہو تو پھر اس کو موقعہ دو کہ وہ اپنے دلائل و براہین کو پیش کرے اور ہر قسم کے مجادلہ و مناظرہ سے اپنے دل کے شکوک و شبہات کو تمہارے سامنے ظاہر کر سکے اور تم غیظ و غضب و غم و غصہ کی بجائے اس سے تبادلۂ خیالات کیلئے آمادہ ہو جاؤ اور نہایت خوش اسلوبی اور وسعتِ قلبی سے اُس کے ساتھ بحث و مباحثہ کر کے اس کو قبولِ حق پر آمادہ کرو اور اس کو جذب کرنے کی کما حقہٗ کوشش کرو۔ لیکن یہ واضح رہے کہ اس تمام خطابت و تکلم اور بحث و نظر میں ایسا نہ ہو کہ تم ان کے معبودانِ باطل کی اس طرح توہین و تذلیل اور اُن کے متعلق اس قسم کے طعن و تشنیع کرو کہ وہ ضد میں آکر خدائے قدوس کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے لگیں اور اُس کا وبال تمہارے سر آجائے اور وہ بھی قبولِ حق سے باز رہے۔

پھر دیکھو نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے اُن عملی مشاغل کو اور

چنانچہ آپ کی زندگی کے اُن کارناموں کو جو تبلیغِ اسلام کے لئے اِنہی مقدّس اصول کے ماتحت ظاہر ہوئے تو تم کو نظر آئے گا کہ مکہ معظمہ کی ساری زندگی پاک ہیں گھر گھر، اور قبیلہ قبیلہ گھوم کر توحید کا اعلان فرما رہے ہیں۔ کبھی عکّاظ کے بازار میں نعرۂ حق لگا رہے ہیں تو کبھی ذوالمجاز اور ذوالمجنہ میں تبلیغِ حق فرما رہے ہیں، کبھی کعبہ کی دیوار کے نیچے صداقتِ اسلام کا سبق دے رہے ہیں، تو کبھی صفا کی چوٹی پر پیغامِ الٰہی سُنا رہے ہیں۔ کبھی مکہ میں ہیں تو کبھی طائف میں۔ غرض تیرہ سال اسی طرح خدائے قدوس کے پیغام کو لوگوں کے سامنے پیش فرماتے اور جواب میں ہر قسم کی تکالیف و مصائب جھیلتے رہتے ہیں۔

مدینہ کی زندگی شروع ہوئی تو اسی پیغامِ حق کا کبھی مسجدِ نبوی کے سامنے صُفّہ پر اعلان فرماتے ہیں اور کبھی یہود کے محلّہ میں جا کر حق کی اس آواز کو پہنچاتے ہیں۔ کبھی بنی قریظہ میں ہیں تو کبھی بنی نضیر میں، اور کبھی منافقین کو اخلاص کی دعوت دے رہے ہیں تو کبھی اہل کتاب کو اُن کی سابقہ کتابوں سے اپنی صداقت پر ملزم بنا رہے ہیں۔

مشرکین و اہلِ کتاب کے مختلف قبائل و وفود قریب کی آبادیوں اور دور دراز کے شہروں سے آتے ہیں۔ اور ہر قسم کے مباحث و تبادلۂ خیالات کے بعد یا زچ ہو کر واپس جاتے ہیں اور یا خود مسلمان ہو کر اور وطن واپس جا کر اپنی قوم اور اپنی بستی کو اسلام کے نور سے مشرف کرتے رہتے ہیں یہودِ مدینہ کے وفود اور نصارے نجران کے وفود کے مباحثہ و مکالمہ کا کس کو حال معلوم نہیں؟ عبد اللہ بن سلام، وہب بن منبّہ، عدی بن حاتم، اصحمہ بن ابجر جیسے یہود

یعنی جب اسلام کی تبلیغ و دعوت کا مقصدِ وحید انجام دیا جائے تو ان اصول کی پابندی از بس ضروری ہے ورنہ ان کی خلاف ورزی اس مقدس کام کے لئے سخت رکاوٹوں کا باعث ثابت ہوگی۔ اس مقدس فریضہ میں پہلی منزل یہ ہے کہ حکمۃ اور دانائی یعنی دلائلِ ساطعہ اور براہینِ قاطعہ کے ساتھ مخالف کو سمجھا جائے اور اُس کو ہر طرح اطمینان دلایا جائے۔ اور اگر یہ حربہ بھی موثر نہ ہو تو پھر دوسری منزل یہ ہے کہ عمدہ نصائح اور بیش بہا وخوش آئند وعظ و پند کے ذریعہ اس کے دل کو تسکین اور تسلّی دو اور اُس کو اس طرح مانوس کرو کہ حق کی صداقت اور سچائی اُس کے تہِ قلب میں اُتر جائے۔ اور اگر ان دونوں منزلوں پر بھی مقصد حاصل نہ ہو تو پھر اس کو موقعہ دو کہ وہ اپنے دلائل و براہین کو پیش کرے اور ہر قسم کے مجادلہ و مناظرہ سے اپنے دل کے شکوک و شبہات کو تمہارے سامنے ظاہر کر سکے اور تم غیظ و غضب و غم و غصہ کی بجائے اس سے تبادلۂ خیالات کیلئے آمادہ ہو جاؤ اور نہایت خوش اسلوبی اور وسعتِ قلبی سے اُس کے ساتھ بحث و مباحثہ کر کے اس کو قبولِ حق پر آمادہ کرو اور اس کو جذب کرنے کی کما حقہٗ کوشش کرو۔ لیکن یہ واضح رہے کہ اس تمام خطابت و تکلم اور بحث و نظر میں ایسا نہ ہو کہ تم ان کے معبودانِ باطل کی اس طرح توہین و تذلیل اور اُن کے متعلق اس قسم کے طعن و تشنیع کرو کہ وہ ضد میں آکر خدائے قدوس کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے لگیں اور اُس کا وبال تمہارے سر آجائے اور وہ بھی قبولِ حق سے باز رہے۔

پھر دیکھو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے اُن عملی مشاغل کو اور

أَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ
إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ
قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَأَخْرَجُوْكُمْ
مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰى
إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ
فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ -

نہیں روکتا اللہ تعالےٰ تو انصاف کرنیوالوں
کو دوست رکھتا ہے اور جن لوگوں نے
تمہارے ساتھ دین کے معاملہ میں جنگ کی
ہے اور تم کو گھر سے بے گھر کیا ہے اور تمہارے
نکالدینے میں کامیاب ہوگئے ہیں اللہ تعالیٰ
اُن کے ساتھ دوستی کرنے کو منع کرتا ہے
اور جو اُن سے دوستی رکھیں گے وہی ظالم ہیں

اور جنگ و پیکار کے بعد اگر دشمن اپنے کئے پر منفعل ہو جائے۔ اور آمادہ صلح و آشتی ہو تو پھر اُس کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے۔

دوسری جگہ اُس کے متعلق ارشادِ مبارک ہے۔

وَإِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا
وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ۝ وَإِنْ يُّرِيْدُوْا أَنْ
يَّخْدَعُوْكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ
هُوَ الَّذِيْ أَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ
وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ -

اور اگر وہ (دشمن) صلح کے لئے بازو جھکا دیں
تو تو بھی صلح کے لئے بازو جھکا دے اور اللہ پر
بھروسہ رکھ اس لئے کہ وہی سمیع و علیم ہے۔
اور اگر وہ تجھے دھوکا دینے کا ارادہ رکھتے ہیں
تو یقیناً تجکو اللہ کافی ہے وہی اللہ جس نے
اپنی نصرۃ سے تیری اور مومنین کی تائید کی۔

اور تبلیغِ اسلام کا پروگرام اس سے بالکل جدا اور مستقل اصول پر قائم ہے جس کی حقیقی اساس یہ ہے کہ اس مقدس فریضہ کو نیزہ و تلوار سے دور کا بھی علاقہ نہیں ہے۔ یہ میدان تو عفو و رحم کی تلوار، اخوت و ہمدردی کے نیزوں اور

درگذر کی عمدہ مثال ہے۔ لیکن مسندِ عدالت پر بیٹھکر مجرم کو سزا نہ دینا اور جماعتی حقوق کی پامالی کی پرواہ کئے بغیر رحمانیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔ چور اور رہزن کو معاف کر دینا نظامِ عالم کی تباہی، اور مظلوم کی حق نارسائی کا بدترین اور مذموم پہلو ہے جو ہر طرح قابلِ نفرت و ملامت ہے۔

پس اسلام کے اس حکم "جہاد" کا پہلو یہی ہے کہ یہ صرف اُن لوگوں کے مقابلہ میں قابلِ عمل ہے جو بلاوجہ مسلمانوں کے اجتماعی نظام کو تباہ کرنے اور اُن کی مطمئن مذہبی و دنیوی حیات کو پُرخطر بنانے میں ہمہ تن ساعی رہتے ہیں اور جن کی زندگی کا نصب العین صرف قوم مسلم اور اُس کی قوت کا استیصال ہی بن چکا ہے اور جو ایک لمحہ کے لئے بھی خدا کی اس سچی پرستار جماعت کو صفحۂ ہستی پر قائم رہنا گوارا نہیں کرتے۔

قرآنِ عزیز کے وہ تمام احکام جو اس سلسلہ میں ارشاد ہوئے ہیں ان ہی حقائق پر مبنی ہیں اور مختلف حالات و کوائف کی بنا پر دفاعی اور ہجومی دو قسموں پر منقسم ہیں۔

نیز کس کے ساتھ جہاد ضروری ہے اور کس کے ساتھ نہیں ہے قرآنِ عزیز کی اس آیت کریمہ نے اس کا بھی فیصلہ کر کے اعدائے اسلام کی افترا پردازیوں کا بالکل ہی قلع قمع کر دیا ہے۔

لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ	جن لوگوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ
لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ	نہیں کی اور تم کو گھر سے بے گھر نہیں کیا اللہ تعالیٰ
وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ	اُن کے ساتھ احسان اور انصاف کرنے سے

أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۔

نہیں روکتا اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے اور جن لوگوں نے تمہارے ساتھ دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تم کو گھر سے بے گھر کیا ہے اور تمہارے نکالدینے میں کامیاب ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ دوستی کرنے کو منع کرتا ہے اور جو اُن سے دوستی رکھیں گے وہی ظالم ہیں

اور جنگ و پیکار کے بعد اگر دشمن اپنے کئے پر منفعل ہو جائے۔ اور آمادۂ صلح و آشتی ہو تو پھر اُس کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے۔

دوسری جگہ اُس کے متعلق ارشادِ مبارک ہے۔

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ۔

اور اگر وہ (دشمن) صلح کے لئے بازو جھکا دیں تو تو بھی صلح کے لئے بازو جھکا دے اور اللہ پر بھروسہ رکھ اس لئے کہ وہی سمیع و علیم ہے۔ اور اگر وہ تجھے دھوکا دینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو یقیناً تجھکو اللہ کافی ہے وہی اللہ جس نے اپنی نصرت سے تیری اور مومنین کی تائید کی۔

اور تبلیغِ اسلام کا پروگرام اس سے بالکل جدا اور مستقل اصول پر قائم ہے جس کی حقیقی اساس یہ ہے کہ اس مقدس فریضہ کو نیزہ و تلوار سے دور کا بھی علاقہ نہیں ہے۔ یہ میدان تو عفو و رحم کی تلوار، اخوت و ہمدردی کے نیزوں سے اور

درگذر کی عمدہ مثال ہے۔ لیکن مسندِ عدالت پر بیٹھکر مجرم کو سزا نہ دینا اور جماعتی حقوق کی پامالی کی پرواہ کئے بغیر رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔ چور اور رہزن کو معاف کر دینا نظامِ عالم کی تباہی، اور مظلوم کی حق نارسائی کا بدترین اور مذموم پہلو ہے جو ہر طرح قابلِ نفرت و ملامت ہے۔

پس اسلام کے اس حکم "جہاد" کا پہلو یہی ہے کہ یہ صرف اُن لوگوں کے مقابلہ میں قابلِ عمل ہے جو بلاوجہ مسلمانوں کے اجتماعی نظام کو تباہ کرنے اور اُن کی مطمئن مذہبی و دنیوی حیات کو پُرخطر بنانے میں ہمہ تن ساعی رہتے ہیں اور جن کی زندگی کا نصب العین صرف قوم مسلم اور اُس کی قوت کا استیصال ہی بن چکا ہے اور جو ایک لمحہ کے لئے بھی خدا کی اس سچی پرستار جماعت کو صفحۂ ہستی پر قائم رہنا گوارا نہیں کرتے۔

قرآنِ عزیز کے وہ تمام احکام جو اس سلسلہ میں ارشاد ہوئے ہیں ان ہی حقائق پر مبنی ہیں اور مختلف حالات و کوائف کی بنا پر دفاعی اور ہجومی دو قسموں پر منقسم ہیں۔

نیز کس کے ساتھ جہاد ضروری ہے اور کس کے ساتھ نہیں ہے قرآنِ عزیز کی اس آیت کریمہ نے اس کا بھی فیصلہ کر کے اعدائِ اسلام کی افتراپردازیوں کا بالکل ہی قلع قمع کر دیا ہے۔

لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ	جن لوگوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ
لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ	نہیں کی اور تم کو گھر سے بے گھر نہیں کیا اللہ تعالیٰ
وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ	اُن کے ساتھ احسان اور انصاف کرنے سے

وید ہ ازم کی ہندی معرکہ آرائیوں کو اگر دیکھو گے اور اُن کی تاریخ کو پڑھو گے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ قتل و قتال کے نہ کوئی اصول تھے اور نہ اس پر کوئی پابندیاں۔ نہ بچوں پر رحم نہ عورتوں کی ناموس کا خیال، بوڑھوں اور مریضوں کا امتیاز نہ خدا پرستوں اور مذہبی راہبوں کا۔ سب ایک ہی تلوار کے گھاٹ اُتار دیے جاتے تھے۔ اور سب کے ساتھ یکساں عمل ہوتا تھا۔

لیکن اسلام آیا تو اُس نے اور ہزاروں رحمتوں اور اصلاحی قوانین کے ساتھ اس ناگوار اور درشت پہلو میں بھی رحمت و اصلاح کو ہاتھ سے نہ دیا۔ اور زبانِ وحی ترجمان سے حکم دیا گیا کہ مسلمانو! جب تم دشمن سے برسرِ پیکار ہو تو ان ہدایات پر عمل کرنا اپنا مذہبی فرض سمجھو۔

(۱) بچوں کو ہرگز قتل نہ کیا جائے۔

(۲) عورتوں پر ہاتھ نہ اُٹھایا جائے۔

(۳) بوڑھوں سے کوئی تعرّض نہ کیا جائے۔

(۴) معذور اور مریضوں پر کسی قسم کا تشدد نہ کیا جائے۔

(۵) راہبوں، زاہدوں اور خانقاہ نشینوں پر کسی قسم کی سختی نہ کی جائے۔ اِلّا یہ کہ خود ان میں سے کوئی نبرد آزما یا جنگ کا صلاح کار ہو۔

(۶) مذہبی عبادت گاہوں سے کوئی تعرّض نہ کیا جائے۔

اسلام سے پہلے یہ بھی دستور تھا کہ اگر کسی حکومت سے معاہدہ کرنے کے بعد ترکِ معاہدہ کا ارادہ ہوتا تو اُس کو اطلاع دیے بغیر اُس پر اچانک حملہ کر دینا کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا بلکہ فنونِ حربیّہ میں سے ایک فن شمار ہوتا تھا

لیکن اسلام نے اس طرزِ عمل کو "غدر" سے تعبیر کیا اور غدار کی سخت سزا تجویز کی اور حکم دیا کہ اگر کسی معاہد حکومت کا رویہ تمہارے نزدیک قابلِ اطمینان نہیں ہے تو تمہارا فرض ہے کہ اول اُس کو مطلع کرو کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ ختم ہوتا ہے اور پھر اُس کے بعد اُس کے ساتھ مبارزطلبی کر سکتے ہو۔

قبل از اسلام فاتح قوم مفتوح علاقہ پر جس بیدردی اور بیرحمی سے مذہب کے نام پر ظلم و ستم اور قتلِ عام کرتی تھی اُس کی بیسیوں مثالیں تاریخ میں پاؤ گے۔ اندلس کی صلیبی جنگ، شام اور بیت المقدس کی صلیبی جنگ کے واقعات کون نہیں جانتا۔ مگر اسلام نے اپنے پیروؤں کو ایسا کرنے سے نہایت سختی سے روکا اور باز رکھا۔

جہاد سے قبل قبولِ اسلام یا جزیہ کی تلقین

ممکن ہے کہ تم یہ شبہ کرو کہ اسلامی جہاد کی تعلیم میں یہ حکم ہے کہ:۔

"کہ جب تم کسی قوم سے جنگ کا ارادہ کرو تو پہلے اُس کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ قبول کر لے تو جنگ سے باز آ جاؤ اور اگر انکار کرے تو پھر اس کو جزیہ قبول کر لینے کو کہو اگر وہ قبول کرے تب بھی جنگ سے رُک جاؤ اور اگر انکار کرے تو پھر تلوار تمہارے اور اُس کے درمیان بہتر فیصلہ کرنے والی ہے۔"

اس حکم سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام کی تبلیغ کا مدار جہاد اور تلوار ہی کی قوت کے بل پر ہے۔

سو اگر تم خود ہی معاملہ کی حقیقت پر توجہ کرو تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام اپنے معاند و مخالف کے ساتھ معرکۂ جنگ میں بھی ان احتیاطی تدابیر کا حکم دیتا ہے

جن سے خونریزی کی نوبت نہ آئے اور معاملہ با حسن و جوہ ختم ہو جائے۔ اور اُس جگہ بھی جنگ سے پہلو تہی کرنا چاہتا ہے جس جگہ اصولِ اخلاق و اصولِ نیچر بھی بغیر پس و پیش تلوار اُٹھانے کی اجازت دیتے ہیں۔

اس لئے کہ جب مخالف کی مخالفت اور معاند کی معاندانہ و مفسدانہ سرگرمیاں اس حد تک پہنچ جائیں کہ وہ پُرامن اور خاموش حریف کو برابر دعوتِ جنگ ہی دیتا رہے اور اُس کی عافیت تنگ کرنے کی تگ و دو میں ہی اس کی زندگی بسر ہونے لگے تو پھر حریف کا اس کے مقابلہ میں معرکہ آرا ہونا ایک فطری امر ہے۔

اسی طرح مسلمان بھی اگر مشرکین، یہود، نصاریٰ اور منافقین کے اقدامِ جنگ و جدل کے مقابلہ میں فوراً ہی نیزہ و تلوار لے کر اپنے ان حریفوں کے مقابل آجاتے اور بغیر پس و پیش حریفانہ پیکار شروع کر دیتے تو کسی طرح بھی یہ امر قابلِ اعتراض نہ سمجھا جاتا۔

مگر اسلام نے اُن کو اس وقت بھی فوراً معرکہ جنگ سے باز رکھا اور اس اصول کی جانب توجہ دلائی کہ اگرچہ "فتنہ و فساد" قتل سے بھی زیادہ سخت چیز ہے اور دفعِ فتنہ کی خاطر قتل جیسی بدترین اور قبیح شے کو بھی اختیار کرنا ازبس ضروری ہے۔ تاہم انسانی جان کی صیانت و حفاظت کے لئے جس حد تک موقع ملے ہاتھ سے نہ دینا چاہئے۔

پس مسلمان کا یہ فرض ہے کہ جب اپنے حریف کے سامنے نبرد آزما ہو تو منتقمانہ جذبات کو ضبط کر کے اول اُس کو یہ ترغیب دے کہ جنگ و جدل بہت بُری چیز ہے اس قبیح حرکت سے باز آ اور اسلام جیسے صلح و آشتی کے داعی مذہب

قبول کرلے تاکہ اُس کے قلب میں مسلمانوں کے خلاف جو جذبات برانگیختہ ہیں وہ سرد پڑ جائیں اور حق و باطل کا امتیاز کرنے کی اُس کو توفیق حاصل ہو۔

اور اگر حریف طاقت اس کو بھی منظور نہ کرے تو اُس کو ترغیب دیے کہ وہ جزیہ (ٹیکس کی مخصوص رقم) دے کر مسلمانوں کی پناہ میں آجائے اور مسلم حکومت اُسکی جان و مال اور عزت کی اُسی طرح محافظ ہو جائے جس طرح کہ مسلمانوں کی جان و مال اور آبرو کی محافظ ہے تاکہ ہمیشہ کے لئے معرکہ آرائی کا یہ قصہ ختم ہو جائے اور دونوں جماعتیں آزادی کے ساتھ اپنے اپنے مذہب کی پابندی اور راحت و آرام سے زندگی بسر کریں۔

لیکن ان ہر دو امور کی ترغیب کے بعد بھی حریف کا جذبہ جنگ و جدل مشتعل ہی رہے اور وہ کسی طرح مسلمانوں کو اطمینان اور چین سے بیٹھنے ہی نہ دے تو اب اُن کے لئے بھی اس کے سوا اور کیا چارہ کار ہے کہ وہ بھی تلوار ہاتھ میں لیں اور خدا کے بھروسہ پر اعداءِ اسلام کی فتنہ جوئی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیں

اب تم ہی انصاف کرو کہ جہاد کا یہ حکم "تبلیغِ اسلام" کے لئے حیلہ و بہانہ ہے یا جہاد کے جائز اور ضروری وقت میں بھی حزم و احتیاط کی انتہائی جد و جہد۔ حقیقت میں یہ حکم میدانِ جنگ میں صلح و آشتی کا وہ بے نظیر حربہ ہے جو قابلِ تقلید ہے نہ کہ لائقِ انگشت نمائی۔ اسلئے کہ اس قانون سے مشتعل جذبات کو غور و فکر کا موقعہ ملتا ہے اور یہ وحشیانہ حرکات کے دفع کے لئے بہترین نسخہ ہے۔ پس جہاد کے وقت یہ حکم دراصل جنگ و جدل سے پہلو تہی کا ایک آلہ ہے نہ کہ

تبلیغِ اسلام کا ذریعہ۔ اور اس کی مزید تائید پیغمبرِ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے اس اسوۂ حسنہ سے ہوتی ہے۔ کہ جب کبھی آپ یا آپ کے صحابۂ مقدس جماعت کسی قوم، خاندان یا جماعت کے پاس تبلیغِ اسلام کے لئے تشریف لیجاتے یا جو وفود (ڈیپوٹیشن) تحقیقِ مذہب کے لئے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے تو اُن کے ساتھ صداقتِ اسلام کے متعلق ہمہ قسم کی گفتگو اور مباحثہ و مناظرہ پیش آتا گر تاریخ و سِیَر کے اوراق اس کے شاہد ہیں کہ کسی ایک موقعہ پر بھی آپ نے یا آپ کے صحابہ نے تخویف و تہدید یا جزیہ و جنگ کا تذکرہ تک نہیں فرمایا بلکہ لبسا اوقات مخاطبین کی درشت کلامی، نازیبا حرکات، اور تضحیک و تکذیب کا جواب خندہ پیشانی اور کلماتِ خیر ہی سے مرحمت فرمایا ہے اور نرم خوئی، وسعتِ قلبی کے ساتھ اُن کے قلوب میں صداقتِ اسلام کا سکّہ بٹھانے کی کوشش فرمائی ہے۔

بلکہ بعض اوقات تو خود مخاطبین نے دلائلِ حقہ اور براہینِ صادقہ سے زچ ہو کر جزیہ دینے پر آمادگی ظاہر کی اور مجبور کیا کہ آپ اس عرضداشت کو منظور فرمالیں۔ جیسا کہ مباہلہ سے عاجز ہو کر نجران کے وفد نے آپ سے جزیہ قبول کرنے کی درخواست پیش کی اور منظوری کے بعد شاداں و فرحاں وطن کو واپس چلے گئے

جزیہ

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم
چو غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

رُو بہ بن یوحنّا کے واقعہ میں جزیہ کا ذکر بھی آچکا ہے اور مبحثِ جہاد میں بھی متعدد بار اس کا تذکرہ ہوتا رہا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس مسئلہ کی

وضاحت کے لئے بھی کچھ سپردِ قلم کیا جائے۔

گزشتہ بحث میں یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام کا یہ (جزیہ کا) حکم جنگ و جدل اور قتل و قتال سے بچنے کی ایک احتیاطی تدبیر ہے جس کا فائدہ مخالف اور حریف کو مساویانہ پہنچتا ہے بلکہ اکثر اوقات میں صرف حریف ہی کی تحفظِ جان کا باعث ہو جاتا ہے۔

لیکن مزید وضاحت کے لئے مسئلہ کی حقیقت اسطرح سمجھئے کہ ایک حریف طاقت اسلام دشمنی اور اپنی قوت کے زعم میں مسلمانوں سے نبرد آزما ہوتی ہے اور چاہتی ہے کہ اُن کو فنا کر دے اور صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دے مگر خوبیٔ تقدیر کہ مسلم طاقت کا پلّہ بھاری ہو جاتا ہے اور حریف کی پیشقدمی کے باوجود دفاعی قوت غالب آجاتی ہے تب حریف طاقت مسلم حکومت سے عاجزانہ استدعا کرتی ہے کہ وہ اپنے غلبہ سے فائدہ اُٹھا کر ہم کو تباہ و برباد نہ کرے اور جنگ و پیکار کو قائم رکھ کر ہمارے استیصال کے درپے نہ ہو بلکہ جنگ سے باز آجائے اور ہماری مغلوبیت اور اپنے غلبہ کے پیشِ نظر ایک سالانہ مقررہ ٹیکس (جزیہ) لے کر ہم کو اماں دیدے اور ہماری حکومت و ہماری قوم کی آزادی بحال رہنے دے۔

اُس وقت پوچھو آج کل کی مدعیانِ تہذیب قوموں اور حکومتوں سے اور دریافت کرو دیگر مذاہب کے گزشتہ اور موجودہ تاریخ سے کہ وہ اس حریف کے بارہ میں کیا فیصلہ صادر کرتی ہیں۔ یہی کہ قابو میں آئے ہوئے دشمن کو پناہ نہ دو اور اُس کی معاندانہ سرگرمیوں کے انتقام میں ہمیشہ کے لئے اُسے

فنا کے گھاٹ اُتار دو۔ تاکہ دشمن کی دشمنی اور معاندت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے۔

مگر خلیفۂ اسلام فوراً اُس کو اماں دیتا ہے اور اسلامی احکام کے مطابق اُس سے جنگ وجدل موقوف کر دیتا ہے۔ وہ اپنی طاقت اور غلبہ کی نخوت میں نہ اُس کو صفحۂ ہستی سے مٹاتا ہے اور نہ معلّم اور اُستادِ تہذیب بنکر اُس حکومت پر قابض ہو جاتا ہے۔ بلکہ اُس حکومت کے زیر اثر آبادیوں پر معمولی ٹیکس (جزیہ) سالانہ مقرر کر دیتا ہے۔ اور پھر اُس پر فرض ہو جاتا ہے کہ اُن سے رفاہِ عامہ کا ٹیکس لے اور نہ فوجی اخراجات کا ٹیکس اور نہ فوج میں اُن کو زبردستی بھرتی کرنے کا اسکو حق ہے۔ غرض حالات عامّہ و خاصّہ میں مسلمانوں پر جس قسم کے بھی بار عائد ہوتے ہیں۔ یہ اُن سب سے بری ہیں۔ لیکن آج ہی سے اُن کے جان و مال اور اُن کی عزت و ناموس کی حفاظت خلیفۂ اسلام پر اُسی طرح فرض اور ضروری ہے جس طرح مسلمانوں کی جان و مال اور اُن کی ناموس و عزت کی حفاظت۔

اب تم ہی انصاف کرو کہ ایسے معمولی ٹیکس پر دنیا کی کونسی قوم اور عالم کا کونسا مذہب فاتح و مفتوح کے درمیان مساویانہ حقوق عطا کرنے کا مدعی ہے اور خلافتِ حقہ کی اس عملی زندگی کی نظیر جو اس سلسلہ میں اسلام کی تاریخ پیش کرتی ہے کس قوم اور کس مذہب کی تاریخ میں موجود ہے؟

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ اگر تم سچے ہو تو (اس کے مقابلہ میں) اپنی دلیل پیش کرو

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

مصنف کی دیگر تصانیف

نور البصر فی سیرۃ خیر البشر معروف بہ رسول کریم

سیرۃ نبوی پر اپنے طرز میں یہ پہلی تصنیف ہے۔ جو بعض اکابر کے ارشاد پر خصوصی طور سے مدارس اسلامیہ و اسکولوں میں درج نصاب ہونے اور عام طور پر تمام مسلمان بچوں اور عورتوں کے مطالعہ کے لئے تالیف کی گئی ہے۔

نہایت سہل اور سلیس صاف اردو میں تمام حالات کو تفصیل سے درج کیا گیا ہے۔ شروع میں مقدمہ سیرۃ جو تاریخی طرز میں ہے اور آخر میں جوامع الکلم اور شمائل نبوی کا بیش قیمت اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

یہ سیرۃ ابتک بہت زیادہ مقبول ہوئی ہے اور اسکے طرز ادا اور سلاست مضامین کو نہایت پسند کیا جا رہا ہے سہارنپور اور دہلی وغیرہ کے متعدد مدارس اسلامیہ اور ہائی اسکولوں کے اسلامی نصاب تعلیم میں داخل ہو چکی ہے۔ بعض دیگر زبانوں میں بھی اسکا ترجمہ ہو رہا ہے مجلس علمی نے اس کو خاص اہتمام سے عمدہ کاغذ پر دیدہ زیب طباعت کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اسلامی اخبارات و رسائل نے اسپر بہت ہی عمدہ خیالات کا اظہار کیا ہے، حجم تقریباً تین سو صفحات۔ قیمت صرف بارہ آنہ ۱۲؍

مالابار میں اسلام۔

مالابار علاقہ مدراس میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ۔ راجہ چیرامن پیرومل کا قبول اسلام۔ معجزۂ شق القمر کی تاریخی بحث۔ مسلم سیاحوں اور تاجروں کے ذریعہ تبلیغ اسلام۔ اس سلسلہ کی بہترین مختصر اور مستند تاریخ ہے اور قابل دید کتاب ہے۔ قیمت ۳؍

حفظ الرحمان لمذہب النعمان

احادیث کے مختلف فیہ مباحث پر محاکمہ ہے تقلید سے متعلق گرانقدر معلومات کا ذخیرہ ہے۔ حنفیت کی تائید میں مناظرانہ رنگ میں لکھی گئی ہے۔ یہ انجمن نعمانیہ پرنا سیٹھا مدراس نے طبع کرائی ہے قیمت ۱۰؍

بشارات النبی

چھٹی صدی عیسوی کے ایک نو مسلم عیسائی سعید بن حسن اسکندری نے اس موضوع پر مختصر مگر مستند رسالہ لکھا ہے اور اپنے قبول اسلام کے دلچسپ حالات بھی لکھے ہیں یہ کتاب فرنچ زبان کی ایک ضخیم کتاب میں ضمیمہ کے طور پر شائع ہوئی تھی۔ محنت سے حاصل کر کے بہت بہترین مقدمہ اور مزید اضافوں کے ساتھ عنقریب طبع ہو رہی ہے۔

علاوہ پتہ ذیل کے یہ کتابیں مجلس علمی ڈابھیل دہلی اور مجلس قاسم المعارف دیوبند اور دیگر اسلامی کتبخانوں سے مل سکتی ہیں۔

ملنے کا پتہ

منیجر مکتبۂ اسلامیہ سیوہارہ ضلع بجنور (یوپی)

DATE	NO.	DATE	NO.